بمناسبت نصف صد سالہ المیۂ سقوط مملکت آصفیہ حیدر آباد دکن

۱۷؍ستمبر ۱۹۴۸ء — ۱۸؍ستمبر ۱۹۹۸ء

سقوط حیدر آباد

چشم دید اور معاصر تحریروں پر مشتمل _ منظر اور پیش منظر

مرتبین :

ڈاکٹر عمر خالدی _ ڈاکٹر معین الدین عقیل

دار الاشاعت کل ہند مجلس تعمیر ملت

www.taemeernews.com

سقوط حیدرآباد

چشم دید اور معاصر تحریروں پر مشتمل

منظر اور پیش منظر

مرتبین

ڈاکٹر عمر خالدی ---- ڈاکٹر معین الدین عقیل

ماساچوسٹس انسٹی ٹیوٹ
آف ٹکنالوجی۔ امریکہ

ٹوکیو یونی ورسٹی
فار فارن اسٹڈیز جاپان

بار اول	ستمبر ۱۹۹۸ء

کمپوزر کتابت	اسذریعہ بہادر یار جنگ اکادمی کراچی۔ پاکستان

۲۔ یم۔ نیٹ اردو کمپوزر سنٹر۔ حیدرآباد۔ ہند

سرورق	رشید صدیقی (ذریعہ بہادر یار جنگ اکادمی)

طباعت	جوائنٹ اینڈ جوائنٹ پرنٹرس حیدرآباد۔ ہند

تعداد	ایک ہزار

قیمت	دو سو روپے

طابع و ناشر

دار الاشاعت کل ہند مجلس تعمیر ملت

مدینہ منشن۔ نارائن گوڑہ حیدرآباد۔ ۵۰۰۰۲۹ (ہند)

www.taemeernews.com

فہرست

☆ پیش لفظ (دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو) ــــــــ کریم رضا ــــــ

☆ اپنی بات ــــــــــ عمر خالدی۔ معین الدین عقیل ــــ ۹

فصل اول ــــــــــ معاشرت حیدرآباد ــــــــ ۱۵

حیدرآبادی معاشرہ ــــــــــ ابو ظفر مؤید الدین حسن ــــــ ۱۶

فصل دوم ــــــ ہندوستان کا فوجی حملہ اور سقوط حیدرآباد ــــــــ ۶۸

۱۔ سقوط کا پس منظر ــــــــــ عمر خالدی۔ معین الدین عقیل ــــ ۶۹

۲۔ آپریشن پولو ــــــــــ جنرل جے۔ این۔ چودھری ــــــ ۷۲

۳۔ پانچ روزہ جنگ ــــــــــ میر لائق علی ــــــــ ۱۱۱

۴۔ حملہ ہند ــــــــــ مرزا ظفر الحسن ــــــــ ۱۳۵

۵۔ نشرگاہ حیدرآباد کے آخری لمحے ــــــ انور عنائت اللہ ــــــــ ۱۵۸

فصل سوم ــــــــ ہندوستانی حملہ کے عواقب و نتائج ــــــ ۱۶۸

۱۔ اضلاع دکن میں قتل و خون (تعارف) ــــ عمر خالدی۔ معین الدین عقیل ــــ ۱۶۹

۲۔ مرہٹواڑہ کی خونین داستان ــــ محمد علی خاں ــــــــ ۱۷۹

www.taemeernews.com

۳۔ بیدر کا قتل عام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ نا معلوم ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۰۶

۴۔ آپریشن پولو کے بعد ۔۔۔۔۔۔ پنڈت سندر لال و قاضی محمد عبدالغفار ۔۔۔۔۔۔ ۲۱۹

فصل چہارم ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سقوط حیدرآباد کے اثرات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۳۲

سقوط حیدرآباد کے معاشی اور سماجی اثرات ۔۔ عمر خالدی۔ معین الدین عقیل ۔۔ ۲۳۵

فصل پنجم ۔۔۔ اک مشورہ، اک تجزیہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۴۱

۱۔ حیدرآبادی قائدین کے نام ۔۔۔۔۔۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ۔۔۔۔۔۔ ۲۴۲

۲۔ مملکت آصفیہ حیدرآباد کا سقوط ۔۔۔ سید خلیل اللہ حسینی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۵۲

فصل ششم ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ڈوبتی کشتی کے ملاح ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۶۵۲

۱۔ میر عثمان علی خاں آصف جاہ سابع ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۵۸

۲۔ میر لائق علی ۔۔۔ صدر اعظم ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۵۹

۳۔ میجر جنرل احمد العیدروس ۔۔۔ کمانڈر ان چیف ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۶۰

سید قاسم رضوی ۔۔۔۔۔۔ صدر مملکتی مجلس اتحادالمسلمین ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۶۱

فصل ہفتم ۔۔۔۔۔۔۔ تخلیقی ادب میں سقوط کا منظر و پس منظر ۔۔۔۔۔۔ ۲۸۲

www.taemeernews.com

(الف) حصہ نثر

۱۔ ایسی بلندی ایسی پستی .... عزیز احمد ۲۸۳

۲۔ بدلتا ہے رنگ آسماں .... واجدہ تبسم ۲۹۹

۳۔ ایوان غزل .... جیلانی بانو ۳۰۹

۴۔ سقوط کے دن، سقوط کی راتیں .... ابراہیم جلیس ۳۱۹

(ب) حصہ نظم

۱۔ شیرازۂ بہار گل تر بکھر گیا .... عمر خالدی۔ معین الدین عقیل ۳۸۰

۲۔ آج دنیا تباہ ہوتی ہے .... میر عثمان علی خاں عثمان (آصف سابع) ۳۸۵

۳۔ بے کس دکن، غریب دکن، بے نوا دکن .... مسعود علی محوی ۳۸۷

۴۔ سرزمین دکن کا بلائے زوال .... سید حسین ذوقی ۳۹۰

۵۔ حیدرآباد ہوگیا تقسیم .... سید حسین ذوقی ۳۹۱

۶۔ ہم شہیدان وفا تھے .... وحیدہ نسیم ۳۹۳

۷۔ اک گل تازہ کی خاطر ہم سے گلشن چھٹ گیا۔ نظر حیدرآبادی ۳۹۵

۸۔ کس کا قبلہ ہے صنم زار دکن میرے بعد .... نظر حیدرآبادی ۳۹۶

۹۔ نشیمن کو روئیں چمن یاد آتے .... عزیز قریشی ۴۰۰

www.taemeernews.com

ان نسلوں کے نام

جنہیں مملکت حیدر آباد سے کوئی نہ کوئی نسبت رہی ہے، اور جنہوں نے سقوط حیدر آباد کا سانحہ نہیں دیکھا، مگر —— جو اس کے عواقب اور اثرات کو محسوس کر سکیں۔

عمر خالدی
ریسرچ اسکالر
آغا خان انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک آرکیٹکچر
میسوچوسٹ انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی
بوسٹن امریکہ

معین الدین عقیل
مہمان پروفیسر
شعبہ جنوب مغربی ایشیاء
ٹوکیو یونیورسٹی آف فارن اسٹڈیز
ٹوکیو جاپان۔

www.taemeernews.com

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

مملکت آصفیہ حیدرآباد ، برطانوی ہند میں صرف ایک دیسی ریاست نہیں تھی ۔ یہ ہندوستان کے برصغیر میں مغل سطوت و شوکت کی یادگار ، ہندوستانی مخلوط تہذیب و تمدن کی آماجگاہ ، ہندو مسلم میل ملاپ و باہمی اعتماد کا ایک نمونہ ، سارے برصغیر کے اہل علم و دانش اور اہل قلم کی قدر دانی کا مرکز اور ان کی پناہ گاہ تھی ۔

اس مملکت کے مسلمان اس کو آزاد اور ایک علحدہ سیاسی وحدت کی حیثیت میں برقرار رکھنا چاہتے تھے ۔ رعایا کی اکثریت جو ہندوؤں پر مشتمل تھی ، ان میں سے جو سیاسی طور پر سرگرم تھے وہ اس کو انڈین یونین کا جز بنتا ہوا دیکھنا چاہتے تھے ۔ اس کشمکش میں تیزی نہیں تھی لیکن ہندوستانی حکومت کی کاروائیوں ، معاشی ناکہ بندی وغیرہ نے تیزی پیدا کردی اور بالآخر ہندوستانی فوج نے اس پر حملہ کرکے ۱۷ ستمبر ۱۹۴۸ء کو ہندوستان کے نقشہ سے مملکت آصفیہ کے وجود کو مٹایا دیا ۔ مسلمانوں پر جو بیتی وہ ایک دلخراش داستان ہے

مملکت آصفیہ حیدرآباد کا سقوط ، اپنے اندر کئی عبرتیں رکھتا ہے ۔ ہم ماضی پر اور کھوئی ہوئی شان وشوکت پر ماتم و نوحہ کے قائل نہیں ، لیکن اپنی ملی واجتماعی بقا اور SURVIVAL ہی نہیں بلکہ مستقبل میں نئی شکل و صورت میں ملی واجتماعی شخصیت کے اثبات کی خاطر منزل کے تعین اور چال و رفتار کی تعیین کے لئے ماضی سے سبق و عبرت ہی نہیں ، جذبہ و احساس لینا بھی ضروری ہوتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۷ ستمبر کو کل ہند مجلس تعمیر ملت کی جانب سے " مملکت حیدرآباد اور فوجی حملہ " (جس کو ہندوستان نے پولس ایکشن کا پر فریب نام دیا ہے) پر اجتماعات منعقد کئے جاتے رہے ہیں ۔

۱۹۹۶ء میں جب کل ہند مجلس تعمیر ملت کے صدر جناب محمد عبدالرحیم قریشی ، یو ۔ ایس ۔ اے کے دورہ پر تھے تو جناب ڈاکٹر عمر خالدی نے اس کتاب کی ترتیب کے اپنے منصوبہ سے واقف کرایا اور

www.taemeernews.com

ہندوستان میں اس کی اشاعت کی تجویز رکھی، جس کو جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے قبول کرلیا۔ اس کتاب کی ترتیب میں ڈاکٹر عمر خالدی کے ساتھ ڈاکٹر معین الدین عقیل بھی شامل ہیں۔ مرتبین نے بہادر یار جنگ اکادمی، کراچی (پاکستان) کو بھی حق اشاعت دیا ہے۔ ہم اس کو چند تبدیلیوں کے ساتھ پیش کررہے ہیں۔ ہم مرتبین کے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے ہندوستان میں حق اشاعت ہمیں دیا۔

پولس ایکشن کی تباہ کاریوں پر پنڈت سندرلال اور قاضی عبدالغفار صاحب کی رپورٹ کا ایک حصہ ڈاکٹر عمر خالدی کی انگریزی کتاب سے ترجمہ کرکے شامل کیاگیاہے۔ مولانا مودودی کے پیام کو جناب سید خلیل اللہ حسینی کی تحریر کے ساتھ ایک علحٰدہ فصل بنادیاگیاہے۔ میر لائق علی صاحب کے ان کارناموں کی روئداد جو پاکستان میں انھوں نے انجام دیں حذف کردی گئی ہے۔

ہر قاری یہ محسوس کرے گا کہ حیدرآبادی معاشرہ کے بارے میں اس کے دونوں پہلو، حسن وقبح پر مضمون اور ادبی تخلیقات موجود ہیں، اس طرح ان شخصیتوں کے دونوں پہلو ملیں گے جنھوں نے ہندوستان کی تاریخ کے اس اہم واقعہ بلکہ المیہ میں مرکزی کردار ادا کئے ہیں۔

اس کے بڑے حصہ کے کمپوٹر پرنٹس فراہم کرنے کے لئے ہم جناب محمد سعید اللہ معتمد اعزازی اور جناب رشید شکیب، شریک معتمد بہادر یار جنگ اکادمی کراچی کے ممنون ہیں۔ باقی کتابت ایم نیٹ اردو کمپوٹر سنٹر حیدرآباد میں تکمیل پائی۔

امید کہ یہ کتاب سقوط حیدرآباد کے عوامل کے تجزیہ میں مدد دے گی اور ایک اہم تالیف شمار ہوگی

کریم رضا
معتمد عمومی کل ہند مجلس تعمیر ملت

۱۷ ستمبر ۱۹۹۸ء مدینہ منشن۔
نارائن گوڑہ، حیدرآباد۔۵۰۰۰۲۹

www.taemeernews.com

اپنی بات

اگر دکن میں مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کے آغاز کو سلطان علاؤالدین خلجی کی فتح دیوگری ۱۲۹۴ء سے شمار کیا جائے تو آج ۱۹۹۸ء میں مسلمانان دکن کی تاریخ کی چھ صدیاں مکمل ہوچکی ہیں۔ ان چھ صدیوں میں ہم نے بڑے نشیب و فراز دیکھے ہیں۔ بہمنی سلطنت کے قیام (۱۳۴۷ء) سے لے کر عہد آصف جاہی کے اختتام (۱۹۴۸ء) تک اس خطہ پر مسلمانوں کا مکمل سیاسی اقتدار رہا۔ اگرچہ ان کے اس اقتدار میں ان کے ساتھ دوسرے ابنائے وطن بھی شریک رہے' مگر اس پورے عرصے میں اس خطہ پر اسلامی تہذیب و تمدن اور ان کے مظاہر کی بڑی گہری چھاپ نمایاں رہی۔ لیکن یہ افسوس ناک صورت حال ہے کہ اس کل عرصے کی کوئی ایک ایسی تاریخ' جو اس خطہ میں مسلم معاشرے کے خدوخال کو پوری طرح اجاگر کرسکے' ہمارے خیال میں اب تک منظر عام پر نہیں آسکی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہمارے مؤرخین اور مصنفین نے زیادہ تر جنگ و جدال کی داستانوں' سفارتی امور' سرکار و دربار کے معاملات اور حالات کے نشیب و فراز پر اکتفا کیا۔ ابتداء ہی سے ہمارے مؤرخین اسی روایت اور طرز و اسلوب پر قائم رہے' پھر عہد وسطیٰ سے بیسویں صدی کے نصف اول تک بھی تاریخ نویسی کا ان کا یہی رویہ رہا۔ اگر زیادہ کچھ لکھا تو مشاہیر کے حالات زندگی یا حکمرانوں کے کارنامے لکھ ڈالے۔ ایسی تصانیف سے چند اکابر کی زندگی کے واقعات تو معلوم ہوجاتے ہیں' مگر قوم کی اجتماعی حالت اور معاشرے کے فکر و احساس کا پتہ نہیں چلتا۔

ستمبر ۱۹۹۸ء میں حیدرآباد دکن کی آزاد خودمختار مسلم مملکت آصفیہ پر بھارت کے فوجی حملے (نام نہاد "پولیس ایکشن") اور اس کے نتیجے میں مملکت آصفیہ کے بھارت میں ادغام کو پوری نصف صدی کا عرصہ بیت رہا ہے۔ ہم حیدرآباد دکن پر بھارت کی فوج کشی

www.taemeernews.com

اور بالآخر سقوط مملکت آصفیہ کو ایک جانب مسلمانان برعظیم پاک و ہند کے لئے ان کی اجتماعی زندگی اور قومی تاریخ کا شدید ترین سانحہ اور اس سے بڑھ کر اپنی ملی تاریخ کا ایک بڑا المیہ سمجھتے ہیں۔ اور یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس سانحہ اور المیے کی یاد کا ہماری قوم و ملت کے ذہن میں تازہ رہنا ہمارے مستقبل کے اجتماعی وجود کے لئے مؤثر و ناگزیر ہے۔

اس احساس کے پیش نظر ہم اس سانحہ کی روداد کو اس کا بچشم خود مشاہدہ کرنے والوں، اس سے راست متاثر ہونے والوں اور اس سانحہ اور المیہ کو اپنے وجود کی گہرائیوں سے محسوس کرنے والوں کی زبان و قلم سے ان اوراق میں پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

بدقسمتی سے اس نصف صدی کے طویل تر عرصہ میں مملکت آصفیہ حیدرآباد کے سقوط کے حقیقی پس منظر اور سقوط کے دوران پیش آنے والے حالات و واقعات پر اردو میں کوئی ایسی کتاب منظر عام پر نہ آسکی جسے منصفانہ، غیر جانبدارانہ اور متعلقہ موضوع کے تمام ضروری پہلوؤں پر محیط کہا جاسکے۔ اس ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے سقوط مملکت آصفیہ کی نصف صدی کی مناسبت سے ہم اپنی موجودہ اور اگلی نسلوں کے لئے۔ جو اپنے ملی و قومی وجود کی مناسبت سے اس سانحہ سے کسی نہ کسی سطح پر متاثر ہوئے ہیں اس سانحہ کے پس منظر اور پیش منظر پر مشتمل حالات و واقعات کی چشم دید یا معاصر ایسی تحریروں کو زیر نظر اوراق میں پیش کر رہے ہیں جنہیں یا تو اس سانحہ کا (بچشم خود) مشاہدہ کرنے والوں یا (بذات خود) محسوس کرنے والوں نے یا اس سے تعلق رکھنے والے ذمے داروں یا کرداروں نے تحریر کیا ہے۔

تاریخ میں صرف ہم عصر یا چشم دید گواہی کو معتبر و مستند سمجھا جاتا ہے۔ چناں چہ ہم نے یہی کوشش کی ہے کہ ان اوراق میں صرف وہ تحریریں منتخب کی جائیں جو یا تو چشم دید حالات و واقعات کا احاطہ کرتی ہوں یا جن کے لکھنے والوں نے اس سانحہ کو قریب سے دیکھا یا محسوس کیا ہو یا وہ اس ماحول کا حصہ رہے ہوں۔ ایسی تحریروں کی مدد سے ہم نے سقوط حیدرآباد کے پس منظر اور اس کے حالات و واقعات کے تمام ضروری پہلوؤں کا

www.taemeernews.com

احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے اور ایسی نمائندہ اور منتخب اردو تحریروں کو یکجا کیا ہے' جو بالعموم دستیاب نہیں لیکن یہ معتبر ہیں اور ان کے مصنفین ہم سب کے لئے معروف بھی ہیں۔ ہم نے یہ امر بھی ملحوظ رکھا ہے کہ یہ تحریریں' جہاں ان افراد کے لئے بھی دلچسپ ہوں' جنہوں نے اپنی عمر کا ایک حصہ مملکت حیدر آباد میں بسر کیا ہے اور یہ ان کے لئے بھی پرکشش (یا سبق آموز) ہوں' جن کا تعلق ان نسلوں سے ہے جنہوں نے مملکت حیدر آباد کے عہد و ماحول میں تو سانس نہیں لی' لیکن اپنی خاندانی نسبتوں اور اپنے ملی اور قومی رشتہ کے لحاظ سے اس مملکت سے ایک تعلق ضرور رکھتے ہیں۔

زیر نظر تحریریں اپنے موضوعات کے لحاظ سے مختلف فصلوں میں تقسیم کی گئی ہیں۔ فصل اول میں حیدر آبادی معاشرے کا ایک تعارف شامل کیا گیا ہے۔ جس میں مصنف نے حیدر آباد کی معاشرت کو انسانوں کے مختلف طبقات' پیشوں اور گروہوں کے حوالے سے دیکھا ہے۔ یہی انسان ہیں' جن کی نفسیات وہاں کے معاشرے کی تشکیل اور اس کے نشیب و فراز اور وہاں کے واقعات و حوادث کا سبب بنی۔

فصل دوم میں ایسی تحریریں شامل کی گئی ہیں' جو سقوط حیدر آباد کے دوران پیش آنے والے حالات و واقعات کو مختلف زاویوں اور مختلف نقاط نظر کے ساتھ پیش کرتی ہیں اور جو تقریباً تمام ہی بنیادی مناظر کو سامنے لے آتی ہیں۔ فصل سوم میں پیش کردہ تحریریں بھارتی حملے کے مناظر اور اس کے عواقب اور نتائج کی تصویر کشی کرتی ہیں۔ یہ تصاویر ایسی حکایات پر مشتمل ہیں' جو حد درجہ تکلیف دہ اور لرزہ خیز ہیں لیکن ان کا پیش کرنا یوں ضروری تھا کہ مستقبل کے مؤرخ کے لئے بطور سند کے کام دے سکیں اور جنہیں پڑھ کر ہماری نوجوان اور مستقبل کی نسلیں ان کی مدد سے ہندو ذہن و کردار اور بھارت کے عزائم و مقاصد کا تجزیہ کر سکیں۔ چوتھی فصل ضمنی اور سرسری طور پر سقوط کے معاشی اور سماجی اثرات پر مشتمل ہے اور پانچویں فصل میں بتایا گیا ہے کہ ان شخصیتوں پر کیا گزری جن کا رول مملکت آصفیہ حیدرآباد کے سقوط میں بڑا اہم اور موثر رہا ہے

www.taemeernews.com

ہمیں امید ہے ہماری یہ کوشش ۔ اپنے مقصد میں کامیاب رہے گی اور ہماری ۔ پیش کش مسلمانان جنوبی ایشیا کی موجودہ اور آئندہ نسلوں کے قلب و ذہن میں ان کے قابل فخر ماضی کی اس یاد کو تازہ کرنے کا سبب بنے گی، جو اپنے عظیم المیے کے حوالے سے، ان کے مستقبل کے تہذیبی وجود کے لئے اکسیر کی حیثیت رکھتی ہے۔ بقول اقبال:

ہاں، یہ سچ ہے، چشم بر عہد کہن رکھتا ہوں میں
اہل محفل سے پرانی داستاں کہتا ہوں میں
یاد عہد رفتہ میری خاک کو اکسیر ہے
میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے
سامنے رکھتا ہوں اس دور نشاط افزا کو میں
دیکھتا ہوں دوش کے آئینے میں فردا کو میں

عمر خالدی

معین الدین عقیل

ڈاکٹر عمر خالدی

ڈاکٹر معین الدین عقیل

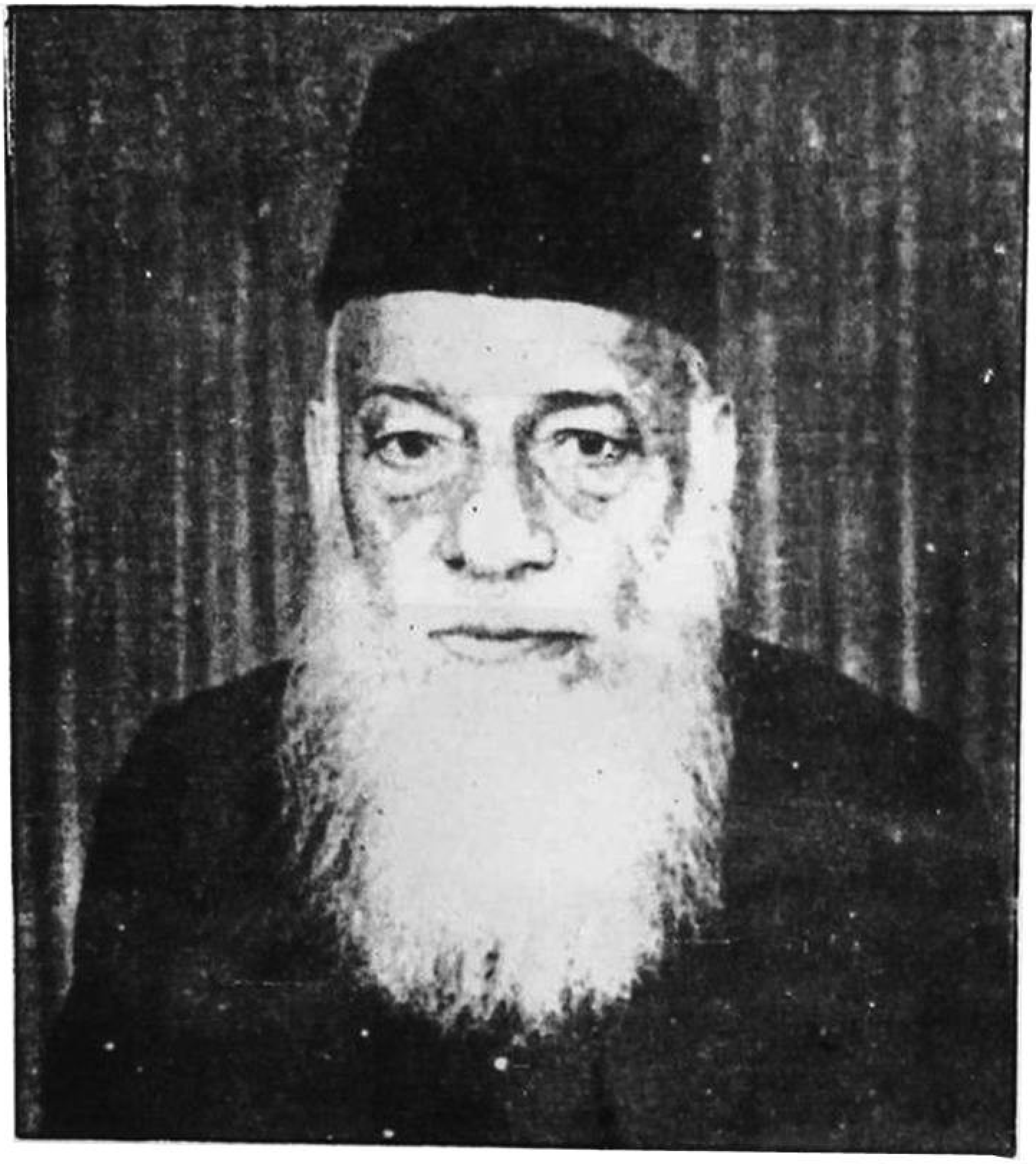

جناب ابو ظفر موئید الدین حسن

www.taemeernews.com

فصل اول معاشرت حیدر آباد

حیدر آبادی معاشرہ

ابو ظفر موئید الدین حسن

مملکت آصفیہ حیدر آباد اپنی تہذیبی شان و شوکت اور علمی و تعلیمی ترقی اور سرپرستی میں کیا کچھ تھی اور اس نے ہند اسلامی تہذیب کو کیا کچھ دیا۔ اور اس سے بڑھ کر دنیائے اسلام کے مذہبی و علمی اداروں کو اس سے کیا کچھ ملا' یہ تفصیلات ان موضوعات کی حامل متعدد علمی و تاریخی کتابوں میں عام طور پر مل جاتی ہیں۔ یہاں ان موضوعات کی تکرار مقصود نہیں۔ لیکن یہاں کے معاشرے اور اس کے انسانوں کو سمجھنے کے لئے کہ جن کی نفسیات اس معاشرے کی تشکیل اور اس کے نشیب و فراز اور واقعات و حوادث کا سبب بنی' یہ ضروری ہے کہ ہم اس معاشرے کو اس کے انسانوں کے حوالے سے دیکھیں۔ اس موضوع پر ہمارا خیال ہے کہ سب سے عمدہ' معلوماتی اور نمائندہ تصنیف ابو ظفر موئید الدین حسن مرحوم کی ہے' جو "تذکرۂ معاشرت حیدر آباد" کے نام سے ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی تھی۔

موصوف اپنے وقت کے معروف ادیب تھے۔ متعدد افسانے' ناول ان سے یادگار ہیں۔ مملکت کے مختلف عہدوں سے منسلک رہے پھر بالا خر اول تعلقدار کی حیثیت سے سبکدوش ہوئے۔ ۱۹۷۱ء میں انتقال کیا۔

مصنف نے اپنی اس تصنیف میں معاشرت کو انسانوں کے حوالے سے دیکھا ہے اور ان انسانوں کو مختلف طبقات' پیشوں اور گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ ذیل کا باب ان کی اس کتاب سے ماخوذ ہے۔

www.taemeernews.com

حیدر آبادی معاشرہ

ابو ظفر موئید الدین حسن

امراء و جاگیردار

امراء و جاگیردار جن میں مسلمان (سنی' شیعہ' مہدوی اور ہندو تلنگے' مرہٹے' کنڑے' برہمن' کانستھ' چھتری' ریڈی' بلمے) سب ہی شامل ہیں' چھوٹے اور بڑے علاقوں کے مالک تھے۔ ایک گاؤں سے لے کے گیارہ گیارہ اور بارہ بارہ سو گاؤں تک ان کے حدود اراضی میں ہوتے تھے۔ جن کی سالانہ آمدنی ہزار بارہ سو سے ۵۰' ۶۰ لاکھ تک تھی۔

امرائے پائگاہ' سر مہاراجہ پیشکار' نواب سر سالار جنگ' راجہ رائے رایاں' راجہ شیو راج جو مال والوں سے معروف تھے' نواب فخر الملک' نواب عسکر جنگ' نواب شاہ یار جنگ' نواب برق جنگ' نواب مکرم الدولہ' نواب بہرام الدولہ' راجہ راؤ رمبا' نواب کلیانی' نواب شوکت جنگ' خان خانان نظام یار جنگ' راجگان سمستان ونپرتی' گدوال' گوپال پیٹھ' جٹپول' امرچنتہ' گر گنٹہ' دوم گنڈہ' نارائن پور رانی سرناپلی' یہ وہ چنیدہ چنیدہ امراء و رؤساء مملکت آصفیہ تھے جن کی حیثیت سلطنت میں ممتاز تھی۔ جن کی شان و شوکت اور جن کے اسٹیٹ برٹش انڈیا کے بہت سے ایسے دیسی رؤساء کے رقبہ مملکت اور جاہ و دولت سے بڑھے چڑھے تھے' جو ہزہائنس کا خطاب اور توپوں کی سلامی کا اعزاز رکھتے تھے۔

کوئی ساٹھ سال قبل تک بڑے بڑے جاگیرداروں کے اختیارات بھی غیر محدود تھے۔ مالی (انتظام مالگزاری) عدالتی' کوتوالی سب ہی قسم کا اقتدار ان ہی کو حاصل تھا۔

www.taemeernews.com

امرائے پائگاہ انتہائی عدالتی اختیارات استعمال کرتے اور سند وکالت بھی اپنے ہی علاقہ سے جاری کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ کوئی قاتل کسی مقتدر امیر کی ڈیوڑھی میں چھپ جاتا تو حکومت کی پولیس اس کو لے نہ سکتی تھی اور یہ تو سامنے کی بات ہے کہ ایک برادر امیر کے دفن پر قبر کی جائے کے لئے جھگڑا اتنا طول پکڑا کہ دوسرے بھائی کا توپ خانہ خاندانی قبرستان کے قریب جمادیا گیا۔ جاگیر کی سرحدی نزاع پر دو متخاصم جاگیرداروں کے رسالہ اور توپ خانہ کو حرکت دی گئی۔ ضابطہ صفائی کے خلاف تعمیر پر اہلکاران صفائی مزاحم ہوئے تو تعمیر کنندہ امیر نے آستین چڑھالی اور پھر کسی کی مجال نہ ہوئی کہ ادھر کا رخ کرے۔ یہ نہیں کہ حکومت سرکار عالی اس کو محسوس نہ کرتی ہو تو مگر ایک طرف تو اپنے ہی وفادار قدما اپنے ہی دست و بازو تھے دوسرے طرف وقار و نظم حکومت تھا اس لئے سرکار عالی نے آہستہ آہستہ اس جرات بے جا کو گھٹایا ان اختیارات لامحدود میں تحدید کرنے لگی۔ سب سے پہلی عدالتی ایک ضابطہ بنایا اور جاگیر کی وسعت و آمدنی کے اعتبار سے اختیارات کا تعین اس کے استعمال کے شرائط عہدہ داروں کی قابلیت شرح تنخواہ اور کام کی نگرانی کے طریقے مقرر کئے اور آخری مرافعہ بہرحال سرکار آصفیہ کی عدالت العالیہ (ہائی کورٹ) میں رکھا۔ اس عدالتی نظم کے قائم کرنے کے بعد جاگیرات کی پولیس بھی عملاً" برخواست کرکے سرکار عالی کی پولیس کو اس کا چارج دلایا گیا دوسرے طرف آب کاری اپنے ہاتھ میں لے لی۔ جنگلات ' لوکل فنڈ' (امور رفاہی) اور مالگزاری اراضی کے اختیارات میں بھی تدریجاً" پابندیاں لگادی گئیں۔ ضابطہ اور قانون کی اتباع کا خوگر کیا گیا چنانچہ میں نے اپنی آنکھوں دیکھا کہ خلاف ضابطہ تعمیر میں مزاحم ہونے پر جس امیر کے دادا کی آستین چڑھ گئی تھی اس کی ڈیوڑھی کے حدود میں صفائی کے مزدور بار یہ کے ایک چھوٹے درجہ کے عہدہ دار کی نگرانی میں بلا اجازت تعمیر کی پاداش میں ایک دیوار گرا رہے ہیں اور اس علاقہ کے سب سے اعلیٰ عہدہ دار جو خود بھی خطاب یافتہ اور اونچے درجے کے ہیں کوٹ پتلون پہنے ہیٹ لگائے کھڑے دیکھ رہے ہیں' چوں و چرا نہیں کرسکتے۔ غرض اس طرح جاگیرات کی اصلاح کا قدم نرم گرم آہستہ

www.taemeernews.com

آہستہ بڑھ رہا تھا کہ ۱۷ ر ستمبر ۱۹۴۸ء کو حیدر آباد ایک انقلاب عظیم سے دوچار ہوا۔ اس تاریخ ہندوستانی حکومت نے سلطنت حیدر آباد کو مملکت ہند کا ایک جز بنادیا اور یہ جواب تک مملکت آصفیہ، حکومت نظام یا حکومت سرکاری عالی کہی جاتی تھی اس کو حکومت حیدر آباد کا نام دیا اور پھر ۱۶ ر آبان ۱۳۵۸ ف مطابق ۱۶ ستمبر ۱۹۴۹ء کو سارے جاگیرات حکومت حیدر آباد کے راست نگرانی میں لے لیے جب جاگیردار مواضع جاگیر سے علیحدہ کردیئے گئے تو ان کا طمطراق بھی جاتا رہا اب نہ وہ خدم و حشم رہا نہ وہ جاہ و وقار۔

ان امرائے زمانہ زیر ذکر کی زندگی جن کے اسلاف تیروسنان کے مالک میدان کارزار کے شہسوار، امور ریاست و سیاست کے ماہر تھے عموماً" عیش و عشرت کی رہی۔ یہ پیدا ہوتے ہی چاندی کے جھولوں میں جھولتے ذرا بڑے ہوتے تو جاہل انا، دوا، بوبوں اور چھوکریوں کے گودوں میں گنگا جمنی، نقروی اور ولایتی کھلونوں سے کھیلتے۔ کچھ ہوش سنبھالتے تو اپنے کو ایسی ڈیوڑھی میں پاتے جو وسعت میں ایک محلہ کے برابر ہوتی اور جس میں اتنے آدمی رہتے جتنے کسی قلعہ میں جس کے داخلہ کے دو منزلہ سہ منزلہ عالی شان دروازہ پر پنج وقتہ نوبت اور روشن چوکی بجتی۔ اس میں وسیع و عریض دالان ہوتے بالا خانے اور شہ نشین ہوتے ایسے صحن ہوتے جیسے کھیل کے میدان بڑے بڑے حوض ہوتے، پھولوں سے لدے ہوئے چمن ہوتے، میوے سے بھرے ہوئے باغ ہوتے اور اسی محل کی دنیا میں بدتمیز خدمت گاروں، خوشامدی اتالیق، نافرض شناس استادوں کے ساتھ ڈیوڑھی کے بگڑے ہوئے طور و طریق، بداخلاق و بدکردار ماحول، زنان خانہ کی رہنے والیاں ان پڑھ ادنیٰ طبقہ کی عورتوں کی ناز برداری میں عمر کا بہترین حصہ کھوتے اور ابھی پوری طرح جوان بھی نہیں ہونے پاتے کہ گھر کی پروردہ لڑکیوں سے ملوث ہوجاتے ایسی متصرفہ عورتوں کو "خواص" کہا جاتا۔ کفو کی کسی لڑکی سے بیاہ رچانے سے پیشتر ان خواصوں سے اولاد بھی ہوجاتی۔

ایسے ہی توالد و تناسل کی وجہ سے امراء، جاگیرداروں کے خاندان میں حسب و نسب کے لئے صرف دادھیال دیکھا جاتا ہے ننھیال پر نظر نہیں ڈالی جاتی اس طبقہ اور

www.taemeernews.com

ان کے غاشیہ برداروں میں یہ ضرب المثل ہے کہ تخم دیکھو زمین کیا دیکھتے ہو مگر باایں ہمہ کفو کی شادی والی بیوی کے بطن سے جو اولاد ہوتی وہ اعزاز و اکرام میں حصہ و ترکہ میں ممتاز رہتی گو خواصوں کی اولاد عمر میں بڑی ہی کیوں نہ ہو۔

ان امراء کے زنان خانہ (محلات) میں خواصوں کے نام سے دو' دو' چار' چار بلکہ اونچے اور بڑے ڈیوڑھیوں میں دس' دس' بیس بیس' ایک تانڈے کا تانڈہ عورتوں کا رہتا جو مجموعہ ہوتا گھر کی پروردہ لڑکیوں کا جن میں بیشتر قحط زدہ اور ادنیٰ طبقہ کی مفلس ماں باپ کی اولاد یا کسی انا' ددا' مغلانی کی بیٹی' پوتی' نواسی ہوتی یا کل تک کی مالن' گوالن کاماٹن' مشعلچن' گھر کے تعمیر کا کام کرنے والی مزدورنی' غلہ لانے والی حمالہ یا رنگریزن۔ اس پر مستزاد گھر میں ڈالی ہوئی طوائف بھی رہتیں اور کفو کی عورت (جس کی شادی سے پہلے اور بعد خواصوں کی بھرتی کا سلسلہ برابر جاری رہتا) گھر کی دلہن بیگم' نواب بیگم ہوتی اصطلاحات یہ وہ عورت ہوتی جس کے لئے نکاح شرعی کے علاوہ جو قاضی مقررہ سرکار کی موجودگی میں ہوتا بارات بھی نکلی ہو سہرا بھی باندھا ہو جلوہ بھی دیا گیا ہو۔ ورنہ جس سے شرعی نکاح ہوا وہ نکاحی کہلاتی اس طرح بیویوں کے ۴ درجے بنا رکھے تھے۔

(۱) شادی کی بیوی (۲) منکوحہ یا نکاحی (۳) مدخولہ یا داشتہ (۴) خواص۔ ان میں سب سے بڑا درجہ شادی کی بیوی کا تھا۔ اس کا رکھ رکھاؤ' عزت و حرمت سب سے زیادہ ہوتی۔ زنانی ڈیوڑھی کی شان ادب و قاعدہ سب شادی ولی بیوی کا مرکز ہوتا باقی کو تو گایوں کا ایک مندہ سمجھو جس میں سانڈ گھومتا رہتا ہے۔ شادی والی بیوی کی توقیر نہ صرف اس کی زندگی میں ہوتی بلکہ اس کے مرنے کے بعد بھی کی جاتی۔ خاندانی مدفن میں اراکین خاندان کے سلسلے میں وہ رکھی جاتی۔

اس کی اولاد مرتی تو ان کی بھی تدفین ایسی ہی جائے ہوتی۔ برخلاف خواص یا ان کی اولاد کے کہ مقبرہ کے پس افتادہ مقام پر ان کی قبر بنتی۔

شادی کی بیوی کو تو اخراجات باورچی خانہ' تنخواہ ملازمین پیشی' میوہ خوری' خرچ پاندان' سالیانہ' سالگرہ و عید کے جوڑے' چوڑیوں کا خرچ' عیدی و فقیری کے نام سے

www.taemeernews.com

شوہر کے استطاعت کے مطابق سینکڑوں اور ہزاروں ہی ملتے۔ لیکن منکوحہ اور خواصوں کے نفقہ کی مختلف صورتیں ہوتیں۔ وہ رہتیں تو سب ایک ہی ڈیوڑھی کے مختلف حصوں میں جنہیں لکھ سکتا ہوں کہ ڈیوڑھی میں بنے ہوئے کابکوں میں یا جیل کے وارڈ اے بی سی میں اور کھانے کپڑے کے لئے انہیں تو تنخواہیں دی جاتی تھیں، جو ان کے مدارج اور صاحب کے قرب، محبت و استطاعت کے اعتبار سے کم بھی ہوتیں اور بہت زیادہ بھی۔ انہیں زیور، سالیانہ، عید اور صاحب کی سالگرہ کے موقعوں پر جوڑے بھی ملتے مگر بعض جائے کھانا کپڑا وقت پر مل جاتا خدمت کے لئے ماما، کامانٹ مقرر کردی جاتی۔ ان خواصوں میں جو صاحب اولاد ہوجاتی اس کے ساتھ کچھ زیادہ سلوک ہونے لگتا۔ محلات کی ان عورتوں کے لئے جو پہلے سے نشہ کی عادی ہوتیں سیندھی کا راتب بھی مقرر رہتا۔

یہ عورتیں مفلس اور قحط زدہ لڑکیوں کو پال لیتیں اپنے بھائی بندھوں کی بچیوں کو اپنے پاس رکھ لیتیں ان کی شادی بیاہ کی کفیل ہوجاتیں۔ اپنے رشتہ داروں کو جنہوں نے دنیا کی لالچ میں انہیں ڈیوڑھی میں پہنچایا تھا خبر گیری کرتیں ان کو چیز بست، روپیہ پیسہ دیتیں اور اس شغل میں اپنا دن رات کاٹتیں۔

بھانت بھانت کی عورتوں کے اجتماع کی وجہ سے زنانی ڈیوڑھی، بدتمیزی، بے ہودگی، بے حیائی کا محل ہوتی۔ بڑی ڈیوڑھیوں میں خواصوں اور منکوحہ عورتوں کو اپنے کسی عزیز حتیٰ کہ ماں باپ کے گھر جانے کی بھی اجازت نہ تھی۔ اس لئے ان کے مرد، عزیز و اقارب اعلانیہ اور خفیہ دونوں طرح ڈیوڑھی پر آتے، وہاں کے زنانہ ملازمین اور سوکن خواصوں سے ان کی بے تکلفی ہوجاتی، محرم کے تماشے، میلے، ٹھیلے، عرس و جاترا یا ڈیوڑھی ہی میں موقع نکال کے یہ عورتیں اپنے بھڑتے ہوئے جذبات ٹھنڈے بھی کرلیتیں۔

ایسے بھی چند خاندان حیدر آباد میں پائے جائیں گے جن کے افراد رؤسا و امراء دولت سے اپنا تعلق قرابت فخریہ بیان کرتے ہیں مگر اس کی حقیقت بس اتنی ہے کہ وہ کسی عورت کے واسطے سے اس امیر کے سالے، سسرے، ماموں خلیرے بھائی، یا اور کوئی

www.taemeernews.com

ننھیالی رشتہ رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی لڑکی' بہن' بھتیجی' بھانجی کو ڈیوڑھی میں چھوڑ کے ایسے موقع پیدا کرتے کہ نوجوان امیرزادہ کی یہ منظور نظر ہو جائے تو ڈیوڑھی سے ان کا توسل ہو یا پہلے سے یہ حاصل ہے تو اس میں مزید تقویت ہو جائے۔ اس سے اولاد ہو تو رسوخ بڑھے۔ آج کے امیرزادے سے جو کل رئیس بااختیار ہو گا قرابت قریبہ کا اعزاز ملے اور یہ ڈیوڑھی میں گھسے۔ چھوٹی موٹی ماہوار جائز' ناجائز فوائد مردانہ اور زنانہ دونوں طرف سے حاصل کرتے رہیں۔

غرض اس گرد و پیش میں آنکھ کھولنے والے اس صحبت میں تربیت پانے والے امراء زادے بڑے ہوتے تو دنیا کے اتار چڑھاؤ سے بے خبر' علم سے محروم' بھولے بھالے' شراب کباب کے متوالے' شہوت رانی میں دن رات مبتلا رہتے' موروثی جائیداد' جاگیرات اور علاقہ جات کے جب یہ جانشین ہوتے تو خود غرض ملازمین کے ہاتھوں میں پھنسے رہتے جن کے دو ہی مقصد تھے' ایک اپنا گھر بھرنا' دوسرے آقا کی عیاشی کے لئے روپیہ فراہم کرنا۔ جس کے لئے رعایا کو لوٹتے ایک کی ٹوپی ایک کے سر پر رکھتے گراں بار سود اور حاصل کردہ روپیہ سے زیادہ کی دستاویز پر دستخط لے کے قرض لاتے اور رسوخ یافتہ رہتے' جب ان سے رقم کی فراہمی دشوار ہو جاتی تو کوئی دوسرا عیار ان کی جائے لیتا۔

اس طبقہ کی بے عملی و جمود' دماغی تعطل اور وقت کی ناقدری' لہو و لعب کی کثرت کی وجہ سے نواب اور راجہ کا لفظ جو عزت و منزلت کا لقب ہے طعن اور توہین کے لئے بھی استعمال ہوتا تھا کہتے تھے "نواب راجہ ہیں ان کو معلوم ہی کیا ہے"۔ "بس بھولے بھالے پورے نواب راجہ ہیں"۔ "نوابی کرنی تھی تو نوکری کرنے کیوں آئے۔"

مگر باوجود اس مبتذل صحبت' اس بیہودہ زندگی کے تمدن و تہذیب' مروت و حلم' حفظ مراتب و آداب' پاس و لحاظ' تواضع و انکسار' داد و دہش کچھ ان امراء کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی' تہذیب مشرق ان ہی کی ڈیوڑھی سے سیکھی جاتی' دور مغلیہ کے آداب و شائستگی کے معدن ان ہی کے شاندار محل ہوتے' غربا کی پرورش کا انہیں بڑا خیال رہتا' ان کے

www.taemeernews.com

دستر خوان سے گرے ہوئے ٹکڑوں سے بیسیوں خاندان پلتے۔ عرس' جاترا' نیازات میں پلوں پکوا کے غربا کو کھلاتے' ملازمین و متوسلین کے دکھ درد میں' شادی غمی میں مالی مدد دینا اپنے گھر کے خوشی کے موقع پر قیمتی ملبوسات' مرصع اشیاء' روپیہ اور اشرفیوں کا سرفراز کرنا' مفت مشلوبے اجرا کرنا۔ (یعنی شادی و بیاہ کے موقع پر مطلوبہ اشیاء کا مستعار دینا) امراء سے اکثر کی عادت رہی ہے۔

بزرگوں اور مقامات مقدسہ کی یہ بڑی تعظیم کرتے تھے مکہ معظمہ' مدینہ طیبہ' اجمیر شریف' مقامی درگاہوں' دیولوں' مندروں' بنارس اور پریاگ کو ہزاروں روپیہ خیرات نذر و چڑھاوے بھیجتے تھے۔ علماء و مشائخ' فقراء اور گوسایوں سے بڑے ادب سے ملتے۔ اولیاء کے قبور پر انتہائی عجز و نیاز سے حاضر ہوتے' مجالس میلاد و عزاء' محافل وعظ و اعراس میں بڑی طہارت سے شرکت کرتے' جاترا اور اپھاو میں بڑی خوش اعتقادی سے جاتے اور خود اپنے صرفہ سے اس کا انتظام کرتے۔ مسلم امراء اپنی ڈیوڑھیوں میں مسجد بھی ضرور بنواتے جو عام مسلمین کے لئے بھی کھل رہتی اسی طرح ہندو امراء دیول بنواتے۔ ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ باوجود بہیمیت' رندی و مستی کے ایسے نامور امراء بھی سرزمین دکن میں ہوئے ہیں جو عیش و عشرت کے حدود سے واقف' ملک کے خدمت گزار' دانا' واقف حالت زمانہ' سیاست کے ماہر' علم و ہنر کے سرپرست تھے۔ جب سلطنت کی زمام حکومت ان کے ہاتھ میں دی گئی تو اس کو اس خوبی سے سنبھالا کہ اپنی خداداد زہنیت و تدبر کی دھاک یورپ تک بٹھادی اور سیاسی اغراض لے کے انگلستان گئے تو وہاں بھی بڑی عزت اور وقعت سے دیکھے گئے(۱)۔ اس محترم طبقہ میں ہیئت اور تاریخ کے عالم۔(۲) شعر و سخن کے ماہر(۳) فنون سپاہ گری کے کامل بھی ہوئے(۴)۔ جب انگریزی تعلیم یہاں پھیلی تو ان میں گریجویٹ بھی نکلے بیرسٹر بھی ہوئے(۵)۔ آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کی صدارت بھی کی اپنے خطبات سے ہلچل بھی پیدا کی(۶)۔ اور جاگیرداروں ہی کے طبقہ سے ملک کا وہ مایہ ناز سپوت بھی نکلا جس کا نام نامی بہادر خاں تھا جو نواب بہادر یار جنگ کے خطاب سے ممتاز کیا گیا۔ یہ ہمدرد قوم' خطیب بے بدل تھا۔

www.taemeernews.com

اس کی تقریر ایک برق تھی جو دکن سے چمکی اور سارے ہندوستان میں کوندی یہ میدان سیاست کا بہادر سپاہی تھا چنانچہ بڑے بڑے کہن سال سیاست دانوں نے اس کا لوہا مانا مگر افسوس کہ عالم شباب میں (۷) ۴ر رجب ۱۳۶۳ م ۲۶ر جون ۱۹۴۴ء کو دفعتاً" داعی اجل کو لبیک کہا۔ سنتے ہیں کہ دشمنان ملک نے ان کو زہر دیا مگر یہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا۔

۱۔ جیسے سر سالار جنگ مختار الملک اولی (۲) جیسے نواب رشید الدین خان شمس الامراء امیر کبیر ثالث والی پائیگاہ (۳) جیسے اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں نظام سادس آصف تخلص مہاراجہ سرکشن پرشاد' شاد نواب معین الدولہ امیر پائیگاہ معین (۴) جیسے نواب ولی الدولہ نواب نظام یار جنگ خانخانان اور خود اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں (۵) جیسے نواب تلاوت جنگ صاحبزادہ نواب ظہیر یار جنگ امیر پائیگاہ نواب کاظم یار جنگ (۶) جیسے نواب کمال یار جنگ۔ (۷) آپ کی تاریخ ولادت ۲۷ر ذالحجہ م ۳ر فروری ۱۹۰۵ء بیان کی جاتی ہے۔

منصب دار' صاحبزادے اور مرشد زادے

منصب دار چھوٹے ماہوار کے بھی تھے اور بڑے ماہوار کے بھی اور کئی ایک جاگیردار علاوہ جاگیر کے منصب بھی پائے تھے۔ شاہ دکن کی اولاد صاحبزادوں' صاحبزادیوں' مرشد زادوں اور مرشدزادیوں سے ملقب تھی اور اب بھی اسی نام سے معروف ہے۔ ان میں صاحبزادے یا صاحبزادی تو وہ ہیں جو باپ کی طرف سے اس نامور خانوادے کے رکن ہیں اور مرشد زادے یا مرشد زادی وہ جو ماں کی وجہ سے اس خاندانی سلسلے میں ملتے ہیں ان کو علاقہ صرف خاص (جیب خاص شاہی) سے بہ لحاظ قرب و بعد قرابت چھوٹی بڑی تنخواہ ہے جو نسلاً" بعد نسل اسی طرح منتقل ہوتی ہے جیسے منصب۔ اسی لئے میں ان کا ذکر بھی منصب داروں کے ساتھ کر رہا ہوں ساتھ ہی یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ ان کی وقعت ان کا اکرام منصب داروں سے بہرحال زائد تھا صاحبزادے پگڑی پر کلغی لگانے کے مجاز تھے جو شاہان آصفیہ کا امتیازی نشان ہے اور جب صاحبزادے یہ طرہ (کلغی) لگائے ہوئے دربار یا کسی اور مجمع میں آتے تو چاہے کتنی ہی کم تنخواہ پاتے ہوں بڑے بڑے رتبہ والے ان کی تعظیم و تکریم کرتے۔ صاحبزادے و مرشد زادے خاص اعزاز رکھتے تھے اور ملازمین سرکار و امراء دولت کو سمجھتے تھے کہ ہمارے ہی گھر کے ملازم

www.taemeernews.com

اور وابستہ ہیں۔

عہد حکومت مغلیہ میں منصب فوج رکھنے کے مصارف کے لئے تھی جو منتخب افراد کو ان کی نمایاں کارگزاری کے صلہ میں، تعزز ذاتی، توسل خاندان شاہی، بادشاہ وقت کی خوشنودی کی بناء پر عطا ہوتی تھی مگر اب نہ تو وہ پہلے کی طرح دہ ہزاری، ہشت ہزاری یا ایسی ہی اونچی مقدار کی رہی نہ فوج رکھنے کا لزوم باقی رہا، بلکہ موجودہ ماہوار منصب ماہوار یاب کے بزرگوں کو دی ہوئی منصب کا ایک جزو تھی جو محض قدما پروری کے نقطہ نظر سے وراثتا" مل رہی تھی۔ پہلے تو یہ پوری کی پوری موروث کے بعد ورثاء کو ملتی تھی مگر کوئی ۶۰ برس سے ہر پشت کے بعد بقدر ایک ربع تخفیف کرکے مابقی ورثاء میں تقسیم کی جارہی تھی اور فی زمانہ تو بعض استثنائی صورتوں کے سوا تقریبا" مسدود ہی ہوگئی ہے۔ چونکہ یہ آمدنی بے محنت و مشقت تھی اور ملک کے طبقہ امراء کا رنگ تعیش نظروں کے سامنے تھا اس لئے ان منصب داروں کی اور خصوصا" صاحبزادوں و مرشد زادوں کی زندگی بے کاری، لہو ولعب، چانڈو، افیون، بلبل، بٹیر، کبوتر یا مرغ بازی میں گزرتی خواصوں کا تو عام رواج تھا بلکہ جو نوجوان خواص نہ بناتا اس کی مروی میں شبہ کیا جاتا۔ اسی بے کاری و فضولیات کی وجہ سے لفظ منصب دار بھی لفظ "نواب" یا "راجہ" کی طرح بطور طنز استعمال ہونے لگا تھا کسی نے کام میں سستی کی تو کہتے "آپ بڑے منصب دار ہیں" کوئی آہستہ چلتا تو کہتے "آپ کی چال تو دیکھئے کیا منصب داری ہے۔"

مگر جیسا کہ ہر طبقہ میں کچھ مستثنیٰ مثالیں ہیں منصب داروں، صاحبزادوں اور مرشد زادوں میں بھی ایسے لوگ تھے جن کی روش قابل تعریف جن کے گھر کا طور و طریق پسندیدہ اور جن کے خصائل ستودہ تھے بعض ان میں عالم بھی نکلے آرٹ کے گریجویٹ ہوئے۔ ایل ایل بی کی سند بھی لی سلطنت کی بڑی بڑی خدمتوں پر مامور بھی ہوئے۔

ملازمین سرکار وزراء و عہدہ دار

وزرائے مملکت طبقہ امراء سے چنے جاتے تھے جو شوکت و حشمت کے اعتبار سے تو

www.taemeernews.com

بڑے صاحب منزلت ہوتے ان کی وجہ سے خود وزارت کی شان بڑھتی تھی مگر اس طبقہ میں بہ استثناء چند علم کا تو کال تھا' تجربہ کاروائی و کارگزاری کا فقدان اور انتخاب ہوتا تھا پشت ہا پشت کی سلطنت سے وابستگی' خاندانی اعزاز' ذاتی شان و تجمل کی بنا پر اس لئے یہ منتخب وزراء عام طور پر معتمدین اور نظماء پر کام چھوڑ رکھتے تھے۔

آصف جاہ سابع نواب میر عثمان علی خاں کے عہد میں اعلیٰ عہدہ داران مملکت بھی وزارت سے سرفراز ہونے لگے اور قیام باب حکومت یعنی ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۱۹ء سے مدارالمہام یا وزیر اعظم سلطنت جن کا لقب اب صدر اعظم باب حکومت رکھا گیا اور دوسرے قلمدان ہائے وزارت کے لئے بیرونی اصحاب بھی بلائے گئے۔ چنانچہ سب سے پہلے بہار کے ایک نامور سر علی امام کو صدارت عظمیٰ پر مامور اور موید الملک کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔ اس سے قبل کی بس ایک ہی مثال ہے ۱۳۱۱ فصلی مطابق ۱۹۰۲ء میں مسٹر واکر یوروپین کو وزارت فنانس پر مامور کیا گیا تھا۔

۱۳۵۶ فصلی م ۱۹۴۷ء میں عوام کی نمائندگی خاطر اصلاح کی طرف ایک قدم اور بڑھایا گیا اور مفاداتی نمائندگی کی اساس پر نئی کابینہ نواب احمد سعید خاں چھتاری کی صدارت میں جنہیں سعید الملک کا خطاب دربار آصفی سے عطا ہوا تشکیل پائی۔

۱۷ ستمبر ۱۹۴۸ء کو حیدرآباد جب مملکت ہند میں شامل کرلیا گیا تو یہ کابینہ بھی جو اس وقت لائق علی وزارت کے نام سے مشہور تھی توڑ دی گئی اور چیف ایڈمنسٹریٹر کے نام سے مرکزی حکومت کے ایک عہدہ دار کو مامور کیا گیا جو ملٹری گورنر کی نگرانی میں کام کرتا رہا اور اس کے تحت بلدہ اور اضلاع میں متعدد عہدہ داران ذیلی مرکزی حکومت سے بھیجے گئے پھر ۱۹۵۰ء میں ایک ایسی وزارت بنائی گئی جو چیف منسٹر کے تحت تھی اور اس میں ۴ عوامی رکن (کانگریس کے نمائندے) شامل کئے اور اس سے کوئی ۲ سال بعد یعنی ۶ ر مارچ ۱۹۵۲ء کو حضور نظام نے جن کا لقب حیدرآباد کے شمولیت ہند کے بعد راج پرکھ ہوگیا تھا اس اسمبلی کا افتتاح کیا جس کے اراکین کو عوام نے رائے دہی بالغان کے اساس پر منتخب کیا اور ان ہی ارکان سے ۱۳ اراکین کی کابینہ بنائی گئی۔

www.taemeernews.com

میں معاشرتی حالات بتا تا رہا ہوں۔ سیاسی مسائل کا اس تحریر سے کوئی تعلق نہیں اوپر کی چند سطریں صرف یہ سنانے کے لئے سلسلہ بیان میں آگئیں کہ انتخاب وزراء کا طریقہ بدل گیا وزارت کی امیرانہ شان و شوکت افسانہ ماضی ہوگئی اب کے وزراء خدمت پر آنے سے پہلے سادہ زندگی معمولی یا اوسط طرح گزارتے تھے ماموری کے احکام کے ساتھ ہی سرکاری بنگلوں میں آجاتے ہیں پہرہ چوکی لگ جاتی اور بڑی بڑی موٹریں متعین ہوجاتی ہیں۔

احساسات ملکی وغیر ملکی کا سبب اور اس کا نتیجہ

قیام باب حکومت ۱۹۱۹ء سے پہلے وزراء تو امراء ملک ہی سے منتخب ہوتے رہے لیکن وزارت کے سوا سلطنت کے متعدد عہدوں کے لئے اکثر و بیشتر بیرونی اصحاب بلائے گئے۔ ان میں ایسے بھی تھے جو اپنے علم و قابلیت' اخلاق و شرافت کے اعتبار سے بہت بہتر تھے اس لئے نظم و نسق مملکت جس کی داغ بیل اس زمانے کے سیاسی و مقامی مصلحت اور انگریزی طرز حکومت کے امتزاج کے ساتھ ملک کے مایہ ناز سپوت نواب سر سالار جنگ مختار الملک اول مدار المہام (وزیر اعظم) نے ڈالی تھی سنبھلا رہا یہ نواب ۱۸۵۳ء میں خلعت وزارت سے سرفراز ہوئے تھے۔ ان بیرونی عہدہ داروں نے نہ صرف ذیلی عہدوں پر بلکہ اہلکاران دفاتر میں بھی باہر کے لوگوں کو خویش و اقارب' اپنے اہل وطن کو بھر دیا اس لئے دکھنیوں کو اس کی عام شکایت تھی اور جو ملکی ممتاز خدمات پر تھے ان میں اور غیر ملکیوں میں چشمک رہی تاہم باہر والوں کا پلہ ہمیشہ بھاری رہا۔ وہ نہ صرف سرکاری ملازمت میں بیرونی اصحاب کو سیر چشمی سے لیتے رہے بلکہ معاش کے اور شعبوں میں بھی بلا کسی روک ٹوک کے انہیں دخیل ہونے کی آزادی دے رکھی تھی۔ جس کے دو سبب معلوم ہوتے ہیں ایک یہ کہ سلطنت آصفیہ جن اولوالعزم حضرات نے اپنے بل بوتے پر قائم کی تھی ان کے اخلاف بہت جلد آرام طلب بلکہ عیش پرست ہوگئے تھے۔ سنا ہے کہ سرسالار جنگ اول تھوڑی بہت شدہ بدھ رکھنے والے اہل دکن کو بلا بلا کر کسی

ACC. NO ......
Date ......
www.taemeernews.com

خدمت پر اضلاع کو بھیجا ہوتا تو یہ عذر و بہانے کرتے۔ بلدہ حیدر آباد سے ۲۵۔ ۳۰ کوس پر بھی کسی کو بھیجا جاتا تو وہ خویش و اقارب' دوست احباب سے اس طرح رخصت ہوتا اور اس کی اس طرح مشایعت کی جاتی جیسے کوئی مہینوں کی منزل پر دریا پار جارہا ہو اور واپس آتا تو اس طرح استقبال ہوتا' خوشیاں کی جاتیں' ہفتوں گاؤں گنڈی' جنگل و پہاڑوں کے تذکرے رہتے۔

آزاد پیشہ ڈاکٹری و وکالت' گتہ داری و تجارت' حرفت و زراعت تو شرفائے دکن کے نظروں میں حال حال تک ذلیل پیشے رہے ہیں۔

سر نظامت جنگ اپنے ایک مضمون "مشورہ" کے صفحہ ۱۴ پر لکھتے ہیں مجھے وہ زمانہ یاد ہے کہ جاگیردار عہدہ داروں کو مزدور کہتے تھے "اس لئے قدیم اہل دکن نہ ملازمت کرتے نہ کوئی پیشہ نہ دھندا بلکہ وہ جاگیر اور منصب میں مگن تھے اس لئے حکومت کو مجبوراً باہر سے آدمی لینے پڑے۔

دوسرا سبب یہ کہ زوال پذیر اور مضمحل حکومت مغلیہ جب آصف جاہ جیسے مدبر وزیر سلطنت سے بھی نہ سنبھل سکی تو اس دور اندیش نے یہ دیکھ کر کہ مغل شہنشاہ ہند میں حکمرانی اور جہاں بانی کی صلاحیت نہیں رہی شاہی شجر جس کی ڈالیاں ہندوستان پر اب تک سایہ فگن تھیں وہ جڑ تک پژمردہ اور خشک ہو گیا ہے.......... سلطنت کا مرکز عمل کمزور اور بابر و تیمور کی نسل کی حالت اس قدر خراب ہو گئی ہے کہ ان میں وفاداری کی قدر کرنے کا مادہ زایل ہو گیا ہے اور اپنی وقعت بھی کھو بیٹھے ہیں' دربار شاہی خود غرضوں اور مسخروں کا اڈہ ہو گیا ہے۔ غداروں نے ملک میں جابجا فساد مچا رکھا ہے۔ دوسرے طرف انگریز اور فرانسیسی تاجر ہند پر قبضہ کرنے کی کوشش میں بڑی حد تک کامیاب ہو گئے ہیں تو اس بلند ہمت وفاکیش آصف جاہ نے جس کے سامنے شہنشاہ دہلی محمد شاہ کا تخت نادر شاہ نے پیش کیا تھا اور جس نے یہ کہہ کے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا کہ جس کا نمک کھایا اس کی جگہ لینی گستاخی ہے(۱)۔ مصلحت اسی میں دیکھی کہ شہنشاہ ہند سے اپنی وفاداری' وابستگی اور نیازمندی قائم رکھتے ہوئے سلطنت مغلیہ کے مسموم

www.taemeernews.com

جسم سے صوبہ دکن کو کاٹ کے ایک نئی آزاد مملکت قائم کی جائے تاکہ یہ آگے چل کے اہل ہند کے لئے ماٴمن و ملجا ہو(۲) چنانچہ ۱۸۵۷ء کے غدر اور اس کے ہولناک واقعات کے بعد مصیبت زدہ ہندی چاہے وہ شمال کے ہوں کہ جنوب کے' مشرق کے سمت کے ہوں یا مغرب کے حیدر آباد کے طرف اسی طرح دوڑے جیسے پیاسا چشمہ شیریں کی طرف' بھوکا نان بائی کی دوکان پر یا شکستہ جہاز کا مسافر کسی تیرنے والے تختے کی جانب تو سلطنت آصفیہ نے بلالحاظ مذہب و ملت گجراتی' بنگالی' مدراسی' سندھی' پنجابی' ہندو' سکھ' جین' مسلمان' پارسی غرض سب ہی کی بے مثال سرپرستی کی۔ باہر سے آنے والوں کو بلا روک ٹوک بغیر پرمٹ ولائسنس رہنے بسنے' ملازمت' وکالت' طبابت' گتہ داری' تجارت' صنعت و حرفت میں دخیل ہونے دیا چنانچہ سینکڑوں خاندان دکن میں متوطن ہوگئے اور اپنے دیس کو خیرباد کہا۔ ان باہر والوں میں جو اس کے اہل تھے انہیں مہربان حکومت آصفی نے بڑے بڑے اعزاز راجہ و مہاراجہ' جنگ' دولہ' ملک' کے خطاب منصب' جاگیر اور وظیفہ دیا۔ یہی نہیں بلکہ بیرون ملک کے اداروں کو' مولفین اور مصنفین کو' مدارس و مکاتب کو یکمشت بڑی بڑی رقم دی بیش قرار ماہوار جاری کئے اور یہ سرپرستی و فیاضی صرف حکومت نے نہیں بلکہ یہاں کے ہر امیر ذی شان نے کی۔ حکومت اور امراء کی اس فیاضی اور سرپرستی کے خلاف اہل ملک نے کچھ نہیں کہا۔ انہوں نے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ غیر ملکیوں کو وکالت کی سند نہ دو' مطب کی اجازت نہ دو' گتہ کے کام نہ دو' بیرونی تاجروں پر سخت شرائط لگاؤ۔ باہر کے اداروں کی امداد بند کرو۔ انہیں بڑی بڑی ماہوار اور لاکھوں کا چندہ نہ دو بلکہ ان کی آنکھ جب کچھ کھلی ایک انگڑائی لی دنیا کا بدلا ہوا رنگ دیکھا تو محنت کے طرف تھوڑا بہت مائل ہوے۔ تعلیم میں ذرا سی ترقی کی' چند نے یوروپین ڈگریاں بھی لائیں تو صرف ملازمت کی حد تک اپنے لئے ترجیح چاہی اور ایسا نہ صرف مملکت آصفیہ میں ہوا بلکہ دنیا کے ہر سلطنت میں ہوتا ہے یہاں تک کہ ہر صوبہ اپنے حدود سے باہر اسی مملکت کے دوسرے حصے کے رہنے والوں کو نظرانداز کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ بنگال بنگالیوں کے لئے' پنجاب پنجابیوں کے لئے' گجرات گجراتیوں کے

www.taemeernews.com

لئے اور تلنگانہ تلنگوں کی چیخ و پکار کیا آج نہیں ہے۔ غرض ہمیں تو کہنا یہ ہے کہ امرائے ملک کی نااہلی جن کے قبضہ میں وزارت کے قلمدان تھے دکھنوں کی جنہیں اپنے وطن کی خدمت کرنی چاہئے تھی علم و محنت سے دوری اور اعلی عہدہ داروں کی رقابت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کو خاطرخواہ ترقی کرنے میں بڑی دیر لگی۔ مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ایک حقیقت لایق صد آفریں تھی کہ اس رسہ کشی کے زمانے میں بھی مملکت آصفی کے طول و عرض میں خوش حالی و طمانیت' ارزانی و فراغت کے دوش بدوش ہندو مسلم اتحاد' قومی یکجہتی' تعاون باہمی' ہمدردی و خیرسگالی' امن و امان کی وہ روح پرور فضا تھی کہ حدود سلطنت سے باہر دور دور تک نظر نہ آتی تھی۔ یہاں قانون اسلحہ نہ تھا ہر شخص ہتھیار بند اور بیشتر سپاہیانہ رنگ خاندانی تفاخر اور بڑوں کے توسل کے گھمنڈ میں ہوتا پھر بھی تشہیری نہیں بلکہ حقیقی اطمینان و دلجمعی تھی تو یہیں تھی۔ محفوظ پناہ گاہ مملکت نظامیہ کا یہی خطہ تھا۔

(۱) تقریر اعلیٰ حضرت نواب میر عثمان علی خاں آصف جاہ سابع بہ تقریب دو صد سالہ جشن خود مختاری سلطنت آصفیہ مندرجہ جریدہ غیر معمولی مورخہ یکم شعبان ۱۳۴۲ھ سے استفادہ کیا گیا۔
(۲) اس وفاداری کا ثبوت یہ ہے کہ آزاد نئی مملکت کے اعلان کے بعد بھی اپنی تمام دارالضربوں میں مغل حکمراں محمد شاہ (۱۷۴۸ء -- ۱۷۱۹ء) کے نام ہی کے سکے ڈھالے (مضمون محامد صاحب عباسی معتمد فیانس مندرجہ اخبار رہنما مورخہ اپریل ۱۹۶۱ء سے استفادہ کیا گیا)

عہدہ داروں اور ملازمین کا کردار

آج سے ۶۰ - ۷۰ سال پہلے بھی عہدہ داروں میں خودپسندی' نمائش حکومت' تکبر اور نخوت کے درجہ تک پہنچی ہوئی تھی اور وزراء سلطنت کے دربار تک ان کے امیرانہ ٹھاٹ' ان کے جلالت شان کی وجہ سے ہر دادخواہ کا پہنچنا ذرا مشکل ہی تھا۔ بعد میں جب مغربی تعلیم یافتہ نوجوان برسرحکومت آئے تو مرض خودبینی اور اکڑفون بہت ترقی کر گیا پہلے کے گروہ نے پھر بھی مغلیہ سلطنت کے زوال برٹش حکومت کے اقبال کو اپنے آنکھوں سے دیکھا تھا۔ گرم و سرد زمانہ کا تجربہ رکھتا تھا۔ حالات کو تاڑتا تھا' رعایا اور

www.taemeernews.com

ماتحتین کے جذبات کا اندازہ لگاتا تھا' ان کی بھلی بری کی خبر رکھتا تھا' ان کے احساسات کو بھانپتا تھا' اس لئے فریاد نہ بھی سنتا تو انسداد ظلم و تعدی' عوام کی حاجت براری کی تدابیر کرتا تھا لیکن بعد کی جماعت اس سے بھی کوری نکلی اس کے اکثر افراد نہ صرف ناتجربہ کار تھے بلکہ رعایا اور ماتحتین سے الگ رہتے حتیٰ کہ مساوی درجہ کے قدیم عہدہ دار اور بالادست پرانے افسران کی دانست میں بے وقوف اور نادان تھے ان کو ان سے بغض تھا ان کے احکام اور تجاویز ان کی نظروں میں بے وقعت تھے اور نہ جانتے تھے کہ پرانے دور اندیش' تجربہ کار' ضروریات ملک اور اغراض رعایا سے آگاہ نبض شناس ہیں ان کی تجاویز پختہ کارانہ اور ان کے کام ٹھوس ہیں اور یہ خود ناتجربہ کار غیرمآل اندیش غیر اندیش' خودپسند' خودبین ہیں۔ صرف سیروشکار کے دلدادہ' کلب کے حاضرباش' سوٹ بوٹ کی نمائش کرنے والے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ماتحتین بددل رہے داد رسی میں مایوسی ہوئی اور رعایا میں بے چینی پیدا ہوئی نظم و نسق میں اضمحلال آیا سلطنت کی چولیں ڈھیلی پڑ گئیں۔

عہد قدیم میں اعلیٰ ہی نہیں بلکہ ذیلی عہدوں اور عملہ دفاتر کے لئے بھی بیشتر ایسے اشخاص لئے جاتے تھے جن کی تعلیم گو معمولی ہوتی مگر خاندانی شرافت اور وجاہت رکھتے تھے' قانون و ضابطہ' قواعد و دستورالعمل رزولیوشن اور آفس آرڈر کی نہ تو اس وقت یہ بھرمار تھی اور نہ زندگی کے ہر چھوٹے سے چھوٹے کام حتیٰ کہ چولھا سلگانے' پانی بھرنے' چراغ جلانے' گاڑی چلانے' کتا پالنے' روز کا غلہ خریدنے' کرتا اور پائجامہ بنانے کے لئے سرکاری چوکھٹ پر جانا پڑتا تھا۔ رعایا دیہاتی ہو کہ شہری صرف ایسے اہم مقصد کے لئے جس میں سرکار کی اعانت کے بغیر کام نہ نکل سکتا ہو دفتر پر رجوع ہوتی اور یہ کم علم سیدھے سادھے اہلکار ہی وقت پر ان کا کام نکال دیتے۔ یہ اہلکار حرص اور لالچ سے پاک تو نہ تھے مگر وہ شعلہ جوالا تھی اور نہ ہی ان ثعمال کی پاس و مروت تھی۔

عمال دفاتر کے لئے معیار قابلیت بتدریج بڑھایا گیا۔ انتخاب کے قواعد مرتب ہوئے اور آج سے ۶۰ سال پیشتر سے ملازمت میں اچھے تعلیم یافتہ افراد لئے جانے لگے

www.taemeernews.com

مگر افسوس کہ ان میں تعلیم کا گھمنڈ رہا علم بڑھا جہل گھٹا مگر شیطان نہ ہٹا کردار نہ بنا۔ اس کو چاہو تو طریقہ تعلیم کا اثر کہو چاہے تہذیب نو کا ثمر بہرحال نتیجہ وہی تھا جس کا اوپر کے فقروں میں ذکر آیا ہے۔

جمعدار اور امتیازی

ملازمین کے سلسلہ میں نظم جمعیت کے جمعدار اور امتیازیوں کا تذکرہ بھی سن لیجیے۔ دفتر نظم جمعیت ملک کی فوج کا انتظام کرنے والا اعلیٰ محکمہ تھا جب انگریزی نمونہ کی پلٹن۔ رسالہ اور توپ خانہ قائم ہوا تو دفتر نظم جمعیت خالصتا" پرانے ڈھنگ کی فوج کا جسے نظم کی فوج یا جمعیت بے قاعدہ کہتے تھے ایک دفتر ہو گیا جہاں وراثت' تقرر' ترقی' شکایات' عزل و نصب' اجرائی ماہوارات' بحالی لوازمات اور ایسے ہی متفرق معاملات اہل نظم کے مقدمات کی سماعت اور فیصلے ہوتے۔ فوج نظم کے عہدوں کے نام بھی مغلیہ عہد ہی کی یادگار تھے جیسے میردھا' بخشی' جمعدار' سررشتہ دار' سلحہ دار' امتیازی' بارگیر وغیرہ۔ آج تو ہر معمولی سے دفتر میں چپراسیوں کا جمعدار پولیس کے ۸۔ ۱۰ سپاہیوں میں بھی ایک جمعدار ہوتا ہے۔ مگر اس وقت فوج کی جمعداری ایک بڑے مرتبہ کا عہدہ تھا اس کے کئی مدارج تھے حتیٰ کہ بعض جمعدار امارت کے مرتبہ پر فائز تھے ان میں جو چند سپاہیوں کے افسر ہوتے انہیں زمانہ حال کے سب لفٹنٹ یا لفٹنٹ سمجھئے اور جو کئی ہزار سپاہیوں کے افسر اعلیٰ ہوتے وہ اس فوج کے جنرل تھے برگیڈیر تھے چیف کمانڈر تھے۔ سپاہیوں کی بھرتی ان کا عزل و نصب اور مقررہ تعداد کا ہروقت مہیا رکھنا یہ سب ان بڑے جمعداروں سے متعلق تھا۔ یہ جمعدار علی قدر مراتب منصب و جاگیر تنخواہ ذاتی ماہوارت اعزازی' عہد مغلیہ کے نشانات امتیاز و افتخار یعنی میانا' پالکی فیل و عماری' ماہی و مراتب' چتر و علم' آفتاب گیری و ماہتاب گیری' خطابات جنگی' دولائی و ملکی سے سرفراز ہوتے تھے۔ اسی ذی مرتبت خدمت جمعداری پر سلطان مکلہ حذف بھی مامور اور اپنی راج دھانی کے بجائے حیدر آباد میں مقیم تھے۔ ان جمعداروں کی ڈیوڑھیوں کی طرز تعمیر' زیب و زینت دیگر

www.taemeernews.com

امرائے ملک کی ڈیوڑھیوں کی طرح شاندار و پرشوکت ہوتی۔ ڈیوڑھی پر نوبت بجتی' جلوخانہ میں سپاہیوں کے غول کے غول حاضر رہتے یہاں کا سج دھج ان کے خدمتیوں کا آن بان' ملنے جلنے باریاب ہونے کے آداب و قواعد امراء ملک ہی کے رنگ ڈھنگ سے ملے جلے تھے اور لہو لعب عشرت و بے ہودگی میں بھی انہی کے قدم بقدم' امتیازی کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ یہ خاص امتیاز کے ملازم تھے کام کچھ نہیں برائے نام کبھی کبھی حاضری صبح کا سلام یا کبھی داخلہ (مارچ پاسٹ) کے لئے چلا جانا انہیں چھوٹی موٹی تنخواہ نظم سے ملتی تھی اور منصب داروں کی قسم کا یہ بھی ایک گروہ تھا۔

عہدہ داران اور عمال کی تنخواہیں

اواخر ۱۳۰۰ فصلی تک ملازمین کی تنخواہ کم تھی اور اس سے آگے تو کچھ اور بھی کم آج جس خدمت کی ابتدائی تنخواہ ۴۰۰ ہے چودھویں صدی سے کچھ ہی پیشتر ۸۰ تھی۔ آج جس عہدہ دار کو اڑھائی ہزار ماہوار ملتی ہے۔ اس وقت ۵۰۰ کے لگ بھگ دی جاتی تھی۔ اسی طرح عمال دفتر کی تنخواہ کا معیار بھی گھٹا ہوا تھا۔ ۱۲' ۱۵' ۲۰' ۲۵ روپے یہ اہلکاروں کی تنخواہیں تھیں۔ چپراسی ۶' ۷' اور ۸ روپے اور کوتوالی کا جوان فوج کا سپاہی ۱۰' اور ۱۲ روپے ماہوار پاتا تھا۔ سوار کی تنخواہ معہ اسپ ۱۷ روپے ۱۸ روپے اور کہیں ۲۱ روپے تھی۔ گھوڑا خود اس کو کھڑا کرنا (خرید کے لانا) پڑتا تھا۔ آج یہ تنخواہیں پنج گنا بلکہ بعض سررشتوں میں دہ گنا بڑھ گئی ہیں۔ سامان معیشت کی ارزانی کی وجہ سے چھوٹی تنخواہ میں وہ چین وہ فراغت وہ اطمینان و آسودگی تھی کہ آج بیش قرار ماہوار کے باوجود میسر نہیں۔ آمدنی چاہے بڑھ گئی ہو مگر آرام گھٹ گیا۔

ملازمین امرائے عظام

امراء کے علاقہ کے ملازمین کی معیار قابلیت ابتداء سے انتزاع جاگیرات تک گھٹی ہی رہی یہ قانون سے نابلد' طریقہ کار سے نا آشنا ہوتے تھے تجربہ تو ان کو تھا ہی نہیں اور

www.taemeernews.com

انتخاب بھی کم ماہوار لینے والے ڈیوڑھی کے متوسل اور منہ چاٹو اشخاص کا ہوتا تھا ان ملازمین کا بیشتر مقصد جاگیردار کے لئے روپیہ جمع کرنا اپنی نوکری کی جتن کرنا اور اپنا گھر بھرنا تھا۔ جس کے پیش رفت میں یہ اپنی ٹولی بناتے سازشیں کرتے اور اتفاقاً" کوئی دیانت دار تجربہ کار اس علاقہ میں آگیا تو اس کو اکھیڑنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے اس کو بدنام کرتے شرمندہ کرتے اور بہرحال نکال باہر کرنے میں کامیاب ہوتے۔ جاگیردار کی خوشامد اور جھوٹی ثنا و صفت کرکے اس کو آسمان پر چڑھاتے اس کی رعایا کو جی بھر کے لوٹتے۔ ان جاگیری ملازمین کا مشاہرہ اتنا کم ہوتا تھا کہ جس خدمت کی تنخواہ سرکار عالی میں ۹۰۰ تا ۱۲۰۰ تھی ان علاقوں میں سو ڈیڑھ سو یا سررشتہ عدالت کے احکام مجریہ کے تحت اختیارات عدالتی لینے کے لئے زیادہ سے زیادہ ۳۰۰ دی جاتی تھی۔ جب میں کورٹ آف وارڈز میں متعین تھا تب دیکھا کہ ایک ایسے جاگیری علاقہ میں جس کی آمدنی ۲ لاکھ روپیہ سالانہ سے کچھ اونچی ہی تھی تحصیلدار (افسر تعلقہ) صرف ۷ ماہوار پاتے تھے در آں حالیکہ اسی زمانہ میں سرکار عالی کے تحصیلدار کی یافت ۱۲۵ تا ۲۵۰ تھی۔ غرض کاروبار جاگیر سے صاحب جاگیر کی غفلت' ملازمین جاگیر کی نافرض شناسی نااہلی وخود غرضی کی وجہ سے ان علاقوں کا انتظام ابتر' تعلیمی' رفاہی' حفظان صحت کے کام بہ منزلہ صفر تھے۔ مشتے نمونہ از خروارے ایک بڑے اسٹیٹ کے دواخانوں کو دیکھا کہ بوسیدہ مکانوں میں دو چار ٹوٹے پھوٹے میز کرسی' کہنہ و شکستہ الماری میں رکھے ہوئے معمولی سے چند زنگ خوردہ آلات جراحی اور برائے نام تھوڑے عرقیات اور سفوف پر حفظ صحت کا کام چل رہا ہے۔ ڈاکٹر معمولی مرض کا نسخہ بھی ان ادویہ سے بنا نہیں سکتے۔ انڈنٹ بھیج کے مہینوں ہو گئے مگر کوئی دوا نہیں آتی۔ ایک علاقہ کے چیچک برار کو دیکھا کہ ضعیف البصر ہیں ہاتھ میں رعشہ ہے اسٹیٹ کے اعلیٰ عہدہ دار طبی کو متوجہ کیا گیا تو چونکہ چیچک برار ان کا عزیز ہے کہتے ہیں تجربہ کار ہے ہٹایا نہیں جاسکتا۔

بڑے بڑے علاقہ جاگیر میں جس کے والی کالج کے مصارف برداشت کرنے کی استطاعت رکھتے تھے۔ ۲۔ ۴ ابتدائی مدارس بھی ڈھنگ کے نہیں۔ ایک اور اسٹیٹ

www.taemeernews.com

میں دیکھا کہ ملازمین کی تنخواہیں سال سال۔ دو۔ دو سال کی چڑھ گئی ملازمین نے شدید تقاضہ کیا تو اسٹیٹ کے دیہات پر چھٹی گئی کہ ان کو اتنا غلہ دلادیا جائے۔ گاؤں کے پٹواری نے ساہو سے غلہ دلایا اور محاصل اراضی سے من مانے قیمت منہا کرلی۔ یہ بھی دیکھا کہ لاکھوں روپیہ کی آمدنی رکھنے والے جاگیردار صاحب کو جب تک ان کا مودی غلہ قرض نہ بھیجے چولھا نہیں سلگتا۔ مودی خفا ہوجائے کہ پیسے بہت چڑھ گئے ہیں یہ ادا ہونے تک غلہ نہیں دیتا تو اس کی منت سماجت کرکے ادائی کے وعدے اور دستاویز لکھ کے غلہ لاتے اور کھانا پکاتے ہیں۔ دوسرے طرف انہی کے کم مواجب ۷ روپے' ۸ روپے ۱۰ روپے ماہوار پانے والے ملازم صاحب جائداد دولت مند ہیں۔ ان صاحب کا انتقال ہوگیا ان کے بچے صغرسن تھے اس لئے اسٹیٹ کورٹ آف وارڈز کی نگرانی میں لے لیا گیا تو انہی ادنیٰ ملازمین نے نواب صاحب کی دستاویزات پیش کرکے ہزاروں کا دعوی کیا اور ڈگری لی۔

ملازمین امرائے عظام

خانگی ملازمین کا اطلاق گو حکومت کے ملازمین کے سوا سب ملازمین پر ہوتا ہے مگر میری مراد یہاں ان ملازمین سے ہے جو کسی علاقہ کے نظم و نسق کے لئے نہیں بلکہ گھریلو کاموں کے لئے رکھے جاتے تھے۔ یہ سوائے ان کے جو کسی تحریری کام یا بچوں کی تعلیم کے لئے ہوں سب کے سب جاہل ان پڑھ ہوتے تھے۔ ان غریبوں کی تنخواہ بہت کم تھی۔ آج جبکہ کھانے' پینے' پہننے' اوڑھنے کی ہر شے کی قیمت ۳۰۔ ۳۵ سال پہلے کی قیمتوں سے آٹھ آٹھ اور دس۔ دس گنا بڑھی ہوئی ہے تو آپ حیران ہوں گے کہ اتنی چھوٹی تنخواہ پر ملازم کیسے ملتے تھے اور اسی طرح کی حیرت مجھے بھی ہوتی تھی جبکہ میں بڑے بوڑھوں سے سنتا تھا کہ ان کے زمانہ شباب میں ماما کی تنخواہ آٹھ آنے تھی ماہانہ سو روپیہ پانے والا منصب دار بھی میانے میں اس ٹھاٹ سے نکلتا کہ ۵ بھوئی میانا اٹھائے ہوئے ہیں اور میانے کے ایک طرف ایک خدمت گار آقا کا جوتا بغل میں دبائے ہوئے دوڑ رہا ہے

www.taemeernews.com

اور دوسرے جانب ایک اور خدمت گار پینچواں (حقہ) تھامے میانے کے ساتھ بھاگ رہا ہے۔ لیکن آج مجھے کوئی تعجب نہیں کیونکہ ذاتی علم رکھتا ہوں کہ میری جوانی میں دن رات ۲۴ گھنٹے آقا کے مکان، جلوخانہ یا کمپونڈ کے کمرے میں اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ پڑے رہ کے صبح دم نوکری پر رجوع ہونے اور سوتے بچھونے تک جھاڑو دینے، لیپنے تھوپنے، کوٹنے پیسنے، دھونے دھلانے، پکانے کھلانے، بچوں بڑوں کی خدمت کرنے، دکھ درد میں تیمار داری کرنے غرض گھر کا چھوٹا بڑا سارا کام کرنے والی ماما صرف تین روپے آٹھ آنے ماہوار دو وقت کا کھانا پکاتی تھی اور اب دیکھتا ہوں کہ آج کی ماما جو ۱۷-۱۸ روپے ماہوار لیتی دو وقت کی چائے پیتی ناشتہ کرتی دوپہر اور شام کا کھانا باندھ کر گھر لے جاتی ہے، یعنی بمقابلہ گزشتہ ۸-۹ گنا زاید معاوضہ خدمت لیتی ہے باوجود اس کے صبح دن چڑھے آتی اور سوائے کھانا پکا دینے کے گھر کے کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتی گھر والوں نے چاہے ابھی کھانا نہ کھایا ہو تنگ وقت میں چاہے کوئی مہمان آگیا ہو جس کے لئے پخت کا مزید انتظام کرنا ہے تو ماما جی کو اس کی پروا نہیں وہ اپنے وقت پر کھانے کا توشہ باندھی اور چلتی بنی۔ سیلو اور سیمنٹ کے فرش کی وجہ سے لیپنا تھوپنا تو رہا نہیں۔ بجلی کی چکیوں اور روشنی کی وجہ سے پینا اور چراغ بنانا بھی نہیں مگر کوٹنے کے لئے اس عہد کی ماما جی کے ہاتھ دکھتے ہیں۔ برتن دھونے میں انہیں عار ہے۔ اس لئے کاماٹن ان کی مددگاری میں چاہئے۔ اور بچوں کے لئے آیا۔ چھوکرا یا کوئی دوسرا ملازم رکھا جاتا ہے۔

اس وقت یہ تو نہ تھا کہ گھر کا ہر چھوٹا بڑا کام صرف ایک ماما کر دیتی تھی بلکہ جیسی ضرورت ہو یا محض شان کے لئے ۳-۴ مامائیں، مغلانی، کاماٹن، انا، چھوکریاں، فوج کی فوج ہوتی مگر بتانا یہ ہے کہ اس زمانے کی ماما ایک ایسی کارگزار خادمہ ہوتی تھی جو سب کام سنبھالتی خصوصاً ایسے گھروں میں جہاں خادموں کی پلٹن نہیں بلکہ گنتی ہی کے چند ملازم ہوتے۔

جس زمانے میں ماما تین روپے آٹھ آنے اور دو وقت کا کھانا پاتی تھی اسی زمانے میں کاماٹن کی تنخواہ سوکھے (بغیر کھانے) ۳ روپے تھی۔ مغلانی ۸-۱۰۔ آیا جو رات دن بچوں کے ساتھ رہتی ۱۰ اور انا بھی ۱۰ روپیہ ماہوار پر ملتی تھی جو وقتیہ دودھ پلا کر اپنے گھر جانے

www.taemeernews.com

والی نہیں بلکہ بچے کو دن رات چھاتی سے لگائے رہتی اور اپنے پیٹ کے بچے کی طرح اس کا جتن کرتی۔ دودھ چھڑانے کے بعد انا نصف تنخواہ پر اسی گھر کی ہمیشہ کے لئے وظیفہ خوار ہوجاتی اور اگر وہ آقا کے گھر میں رہے تو کھانا بھی پاتی۔ انا جی کا مرتبہ گھر کے سارے ملازمین سے برتر سمجھا جاتا تھا۔ زیرِ ذکر زمانے میں خدمت گار کی ماہوار ۶۔ ۷۔ چوکیدار کی ۵ اور سائیس کی ۶ ۔ ۷ تھی اگروہی کوچمان بھی ہوتا تو ایک روپیہ زائد پاتا۔ اس سے ملتا جلتا باورچی، مالی، مالن، مشعلچی مشعلچن گھسیاری، گارڈن، چوبدار، بھالدار، نقیب اور عصا بردار اور انہی کے مماثل دوسرے ملازمین کی تنخواہ کا معیار تھا۔ اتالیق و معلم اور دیگر اہل قلم دو ڈھائی دھائی سے بڑھ کر نہیں پاتے تھے یہ ملازم ایسے ہوتے تھے کہ نوکر ہونے بعد مر کے ہی نکلتے وفادار ایسے کہ آقا اور آقا کی بیوی بچوں کے لئے جان تک کی پرواہ نہیں کرتے۔ معتبر اتنے کہ سارا گھر ان پر چھوڑ دیجئے کیا مجال جورتی برابر کسی چیز میں کمی ہو۔ تمام خوش حال گھروں میں لڑکے اور زیادہ تر لڑکیاں پالی جاتی تھیں۔ یہ ایسے مفلوک الحال والدین بیشتر اہل دیہہ کی اولاد ہوتی جو اپنے بچوں کی پرورش کی سکت نہیں رکھتے اس لئے بڑے گھروں میں انہیں دے دیتے کہ کھا پی کر خوش رہیں گے اور حقیقت بھی یہی تھی کہ ان گھروں میں ان کی دیکھ بھال اور تربیت اچھی ہوجاتی رہنے، سہنے، پہننے، اوڑھنے کا سلیقہ ان میں آجاتا۔ پکانے، سینے، پرونے میں یہ مشاق ہوجاتیں۔ ان کی شادی بیاہ بھی اس طرح کیا جاتا کہ ان کے مفلس والدین کے گھر میں اس پیمانہ پر ہو نہ سکتا۔ شادی کے بعد بھی یہ گھر ہی کی لڑکیاں (چھوکریاں) سمجھی جاتیں ان کی خوشی اور غمی میں عمر بھر ان سے سلوک رہتا اور یہ بھی اس گھر کو جہاں پلیں اپنا میکہ ہی سمجھتیں۔ اس موقع پر یہ بھی ناگزیر لکھنا پڑتا ہے کہ گھر کے نوجوان صاحبزادے اسی جماعت سے خواص بھی منتخب کرلیتے جس کا ذکر طبقہ امراء و منصب داروں کے احوال میں اوپر آیا ہے۔ لڑکے جو پالے جاتے تو خدمت گاری کا سلیقہ اور تمیز خوب سیکھ لیتے اور بعض پخت وپز کی مہارت بھی حاصل کرلیتے۔ ان کی شادی گھر کی چھوکریوں سے کردی جاتی اور یہ بھی "گھر کا آدمی" بنے زنانہ اور مردانہ میں بے تکلف

www.taemeernews.com

آتے جاتے مرے دم تک پڑے رہتے۔ ان کی اور ان کے اولاد کی پرورش ان کی ضروریات کی تکمیل آقا ہی کے گھر سے ہوتی رہتی۔ ہمدردی و احسان خلق و کرم اور ساتھ ہی ایمان داری' وفا شعاری شکر نعمت اور پاس نمک کا یہ وہ مبارک زمانہ تھا کہ پوردہ چھوکرا اور چھوکری ہی نہیں بلکہ قدیم ملازمین بھی آقا کے خاندان کا ایک ضمنی جز بنے رہتے۔ عید' بقرعید' شعبان' محرم' چھوٹے بڑے کام' کاج کارن میں ان کا حق اسی طرح پیش نظر رہتا جیسے کہ خاندان کے بالواسطہ کسی فرد کا۔ اس کے مقابل آج کیا ہو رہا ہے؟ حق طلبی اسی کے لئے جلسے ہیں' چیخ و پکار ہے' لیڈر اسی کے لئے للکار رہے ہیں' اکسار ہے ہیں' مگر فرض شناسی کا نہ کہیں ذکر ہے نہ کہیں پرچار۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر شخص دوسرے سے تنا ہوا ہر ایک دوسرے سے بے پرواہ حکومت کو نیچے دکھانے کی کوشش' مقابل جماعت کو گرانے کی سعی کہیں تعاون ہے نہ ہمدردی وفاداری نہ خیر خواہی۔

مذہبی گروہ

مشائخین و علماء

زمانہ زیر ذکر میں مشائخین کی کثرت اور ان کا اثر و نفوذ بھی خاصہ رہا بلکہ کچھ اب بھی ہے۔ یہ نہ صرف شہر حیدر آباد اورنگ آباد' گلبرگہ' ورنگل' میدک' بیدر وغیرہ بڑی بڑی آبادیوں میں بلکہ گاؤں گاؤں پھیلے ہوئے ہیں مگر افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ بہ استثناء چند جو حقیقتاً رہنمائے شرع مصطفےٰ' رہبر طریق صفا' تابع سنت' بہی خواہ امت' عابد و زاہد' صابر و شاکر تھے اور اب بھی ہیں باقی سب کے سب رنگین کپڑوں' جبہ و عمامہ' لنگی و تسبیح کے آڑ میں دنیا کمار ہے تھے نہ صرف امراء اور دولت مندوں سے بلکہ حکومت سے بھی خوب فائدہ اٹھا رہے تھے۔ جاگیر' مقطعہ' منصب' یومیہ' معمول سے سرفراز نیازات کی رقم پاتے نذر و اعراس کی رقم وصول کرتے' اپنے جاگیر و مقطعہ میں مسکرات

www.taemeernews.com

کی بیع و شریٰ کو جائز رکھتے۔ سیندھی کے درخت ہراج کرتے' اس کی آمدنی سے بلا تکلف مستفید ہوتے' اپنے ذاتی مقدمات میں سعی و سفارش فراہم اور دوڑ دھوپ کرتے رہتے۔ دیہاتی مشائخ موسم در و فصل پر دورہ کرتے دہقانی معتقدین سے اناج اور دوسری پیداوار جمع کرکے گھر لاتے مگر اپنے معتقدین اور مریدین کی اصلاح نہ شہری مشائخ کرتے نہ دیہی اور نہ عوام کے فسق و فجور کی زندگی بدلنے کی ان میں صلاحیت تھی نہ اس کی جرات رکھتے تھے۔ بارھویں شریف (میلاد حضور اکرم نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلم)۔ گیارھویں شریف (حضرت غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی نیاز)۔ چھٹی شریف (حضرت خواجہ اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی نیاز)۔ آثار مبارک اور عرسیات ان کا اہم اور مقدس مشغلہ تھا۔ عرسیات میں یہ مریدوں کے عطیات سے گنبد شریف' خانقاہ' سماع خانہ' آبدار خانہ تو ان کے دولت مند معتقدین احاطہ درگاہ یا میدان عرس میں اپنے اپنے مکان جو عرس کے سیرو تماشہ کے خاطر ہی بنائے گئے ہیں خوب خوب سجاتے۔ ٹھاٹ کی روشنی کرتے دوستوں کو جمع کرتے' ہنگامی بازار لگتے' عورت اور مرد تماشا بینوں کا ہجوم رہتا' قوالی کے نام سے بلالحاظ پابندی شرائط سماع امرد اور زنان بازاری کا گانا مزامیر کے ساتھ سنتے حال قال سے محفل گونج اٹھتی اور حضرت قبلہ کے بدولت گانے والوں کو شرکاء محفل سے خاصی رقم مل جاتی جو روپیہ' روپیہ' دو' دو روپیہ (بعض اصحاب اس بھی زاید) دوران سمع میں بہ طور نذر صاحب سجادہ کو پیش کرتے اور وہ اسی وقت قوال کو عطا فرمادیتے۔ مریدوں ہی کے چندے پر پیرو مرشد کے جانب سے دسترخوان "ہوتے جس میں پلاؤ' مزعفر' نان و قورمہ رہتا مگر فقیری کے نام سے مٹی کی رکابیوں اور پیالوں میں کھانا کھلایا جاتا۔

اعلیٰ حضرت نواب میر عثمان علی خاں آصف جاہ سابع نے عرسیات میں عورتوں کے گانے کی قطعاً ممانعت کردی یعنی جس چیز کی نہی ان مسندنشنان رشد و ہدایت کو کرنی چاہئے تھی اس کی مناہی اس دنیا دار گدی نشین نے کی۔ اس وقت سے نہ صرف عرسیات میں ان کا گانا موقوف ہوا بلکہ اس خدمت کے لئے جو اراضی انعام طوائف کے نام تھی وہ انعام سے خارج کردی گئی۔

www.taemeernews.com

یوں تو ہر روز خصوصاً زمانہ عرس میں مریدنیوں کی آمدورفت اور ہجوم رہتا۔ پیرانی ماں فخرو فقیری کے ملے جلے انداز میں ان کی آؤ بھگت کرتیں ان کی لائی ہوئی میوہ' مٹھائی' تحفے اور ہدیے لیتیں اور جب مردانہ سے فرصت پاکے حضرت قبلہ زنانے میں تشریف فرما ہوتے تو یہ سب چیزیں لانے والی کے نام و نشان کے ساتھ ملاحظہ میں یا کم از کم ساعت میں لائی جاتیں اور مریدنیاں بھی سینہ اور سر کو ڈھانپ کر اس جامع شریعت و طریقت' متبع اسوہ نبوت' گنجینہ معرفت کے سامنے آجاتیں۔ قدم بوس ہوتیں۔ نذر پیش کرتیں۔ پیرومرشد کسی کے سر پر ہاتھ رکھتے کسی کے مونڈھے پکڑ کے اپنے پاؤں پر سے اٹھاتے پھر یہ سامنے ادب سے بیٹھ جاتیں تو شفقت سے گھر بھر کی خیریت پوچھتے کشادہ روئی سے باتیں کرتے اور یہ عورتیں بیشتر سوکن اور خاوند کی بدسلوکی یا میاں کی بے روزگاری' قرض داری' اپنی لڑکیوں کی شادی یا اولاد کی تمنا ظاہر کر کے دعا اور تعویذ کی التجا کرتیں اور پیر مشکل کشا کسی کو وظیفہ بتاتے تعویذ دیتے کسی کو عطر' عود یا کالا پیلا کچا تاگا لانے فرماتے کسی کو ارشاد ہوتا پیر' جمعرات یا عروج ماہ میں آؤ اور کسی کو درگاہ شریف پر جاکے فاتحہ دلانے کا ایما فرماتے اور تاکید فرماتے کہ کنواری بچی (۷) مرتبہ مزار شریف کے گرد گھوم کر ادب سے فاتحہ پڑھے اور وہیں سوجائے دیکھو خواب میں کیا بشارت ہوتی ہے۔ اسی طرح مرد بھی خصوصاً امراء اور دولت مند اصلاح معاد کے لئے تو بہت کم البتہ حل مشکلات' وراثت جاگیر میں مورث کی جانشینی' مقدمات کی کامیابی دفع امراض کے لئے مرشد کے پاس دوڑے جاتے دعا' تعویذ' گنڈے اور چلہ کشی کی التجا کرتے۔ شادی ہو تو سہرا باندھنے' خطبہ نکاح پڑھنے' یا کم از کم محفل نکاح میں رونق افروز ہونے یا کسی کا انتقال ہوجائے تو تجہیزو تکفین اور میت کے سینہ پر کلمہ طیبہ لکھنے' چہلم کی پخت پر فاتحہ پڑھنے مرشد کو زحمت فرمائی کی تکلیف دیتے۔ سواری بھیجتے بلکہ بذات خود خدمت مبارک میں حاضر ہو کہ ساتھ لے جاتے۔

چودھویں صدی فصلی کے دوسرے ربع میں بعض مشائخ سیاست میں حصہ لینے بڑھے اور وہاں بھی اپنا تفوق و برتری چاہی۔ عوام کا بیشتر حصہ جوان سے بدکا ہوا تھا

www.taemeernews.com

ساتھ نہ دیا تو دست بوس قدم بوس مریدوں کے جتھے میں اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنائی۔ حکومت کے بعض مصلحت بین ارکان سے گانٹھ جوڑ کی کچھ ہاتھ پیر مار لیے کچھ نمایش کی مگر قوم کے لیے کوئی ٹھوس کام نہ کرسکے جہاں سے اٹھے تھے وہیں گرے۔ عہد زیر ذکر میں جو علماء تھے ان میں سے چند اچھے پایہ اور خاص شہرت کے حامل تھے۔ درس و تدریس کے ساتھ رشد و ہدایت ان کا مشغلہ رہا۔ حکومت بھی ان کی قدر کرتی رہی۔ ایک زبردست عالم مولوی زماں خاں اسی عہد میں ایک مذہبی جھگڑے پر شہید کردیئے گئے۔ حکیم وحیدالدین عالی حیدر آبادی المتوفی ۱۳۴۳ء عربی کے باکمال شاعر تھے۔ مولوی انوار اللہ خاں مرحوم جو اعلیٰ حضرت نواب میر عثمان علی خاں آصف سابع کے ولی عہدی میں آپ کے استاد بھی رہے اور نواب فضیلت جنگ کے خطاب سے سرفراز ہوئے تھے۔ صاحب تصنیف و تالیف اچھے عالم گزرے ہیں۔ ایک عالم مولوی امیرالدین مرحوم نے ۱۲۸۳ھ میں ایک مدرسہ عربیہ نظامیہ کی بنا ڈالی جو مولوی انوار اللہ خاں کی سرپرستی میں بہت ترقی کیا اس کی گراں قدر امداد حکومت آصفی کرتی رہی اس مدرسہ میں اب بھی کئی عالم کارگزار رہیں حالانکہ اس مدرسہ کی مالی حالت فی زمانہ پریشان کن ہے۔ مولانا عبدالقدیر صدیقی ایک تبحر عالم' متعدد رسائل کے مصنف' مفسر' شیخ الشیوخ (میر شعبہ) دینیات جامعہ عثمانیہ' صوفی و صاحب طریقت اسی عہد کی یادگار ہیں آپ کا انتقال ۱۷ شوال ۱۳۸۱ھ م ۲۳ اپریل ۱۹۶۲ء کو ہوا ہے۔ باہر سے مشہور علماء حیدر آباد آئے عرصہ تک یہاں مقیم اور حکومت کے لطف و کرم سے مستفید ہوتے رہے۔ بعض نے تو یہیں انتقال کیا اور جو واپس ہوئے تو ان کا دامن بھی بھر دیا گیا۔ مولانا حافظ محمد احمد مہتمم دارالعلوم دیوبند' مولانا شبلی نعمانی' مولانا حبیب الرحمان خاں شیروانی جنہیں دربار آصفی سے صدر یار جنگ کا خطاب مرحمت ہوا تھا۔ مولانا مناظر احسن گیلانی' مولانا مفتی لطف اللہ' آقا سید محمد علی لاریحانی (ایران) الملقب بہ داعی اسلام مؤلف فرہنگ نظام جو عالم ہشت زماں سے مشہور تھے اور سنادالملک سید علی شوستری ذی علم و فاضل المتوفی ۱۳۲۴ھ اور مولانا شبیر احمد عثمانی وہ علمائے کرام ہیں جو حیدر آباد کی علمی

www.taemeernews.com

محفلوں میں برسوں رونق افروز رہے' بڑی بڑی خدمتوں پر مامور رہے۔

مہنت اور گوسائیں پجاری' جوشی' گناچاری

مجھے اعتراف ہے کہ ہندو مذہبی پیشواؤں سے میں کم واقف ہوں پھر بھی ایک دو مشہور پیشوایان ہندو کو جو میں نے دیکھا تو وہاں ہاتھی' گھوڑے' دنیوی ٹھاٹ باٹ' راگ رنگ کو روحانیت سے زیادہ پایا راگ کو روحانیت کا ذریعہ سمجھنے والے اس فقرہ پر مسکرا تو دیں گے مگر اس راگ کے عواقب پر ٹھنڈے دل سے غور کریں تو ان کے چہرے کے آثار کچھ اور ہوں گے۔

جن ہندو پیشواؤں سے میں ملا ان میں ایک مشہور سادھ کے مہنت تھے جن کی دور دور تک شہرت اور ہر طبقہ ادنیٰ و اعلیٰ میں معتقدین کی تعداد بھی کافی تھی۔ ان سے میری کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ ایک چھوٹے سے گاؤں کے وسیع میدان میں سادھ اور اس کی تیرتھ کو آنے والوں کے قیام پخت وپز کے علاوہ ان مہنت صاحب کے رہنے کے لئے معتقدین نے بڑی بڑی عمارتیں بنادی ہیں۔ مہنت صاحب سے ملنے آیا تو پہلے سے وقت مقرر کرنا پڑتا تھا یا حاضری کی اطلاع کے بعد بہت خاصہ انتظار کرنا۔ یہ اس لئے کہ معززین سے ملنے کے قبل فرش فروش ہوتا۔ مسند لگتی' گانے والیاں تیار ہوتیں' پھر مہاراج بر آمد ہوتے اس کے بعد ملاقاتی صاحب کو مہنت صاحب کے سیکرٹری یا اور کوئی (ملاقاتی کے مرتبہ کے لحاظ سے) آکے انہیں مہاراج کے دربار تک لے جاتے۔ مہاراج جو پر تکلف کارچوبی ٹوپی سفید کرتہ پہنے سفید دھوتی باندھے مسند پر براجمان ہوتے اور جن کے اطراف ان کے چیلے اور ملازمین بیٹھے رہتے کامل توجہ سے آنے والے کے طرف ملتفت ہوجاتے اور مہمان کی تعظیم میں دور ہی سے اپنا ہاتھ بلند کرکے گویا اس کا استقبال کرتے بڑے خلق سے ملتے مسند کے قریب بٹھاتے تلطف آمیز گفتگو کرتے پھر مہمان سے استمزاج کے بعد ارباب نشاط کو گانے کا ایما کرتے۔ مہمان دل بھر کے بیٹھنے کے بعد جب واپس ہونا چاہتا تو اس کو ناریل' سوکھے انجیر وغیرہ کا پرشاد دیا جاتا سادھ پر

www.taemeernews.com

چڑھائے ہوئے پھولوں کا ہار پہنایا جاتا۔ ان مہنت صاحب کو جن کا خرچ ہزاروں ہی کا تھا ہندو بیوپاریوں اور دولت مند امراء سے قیمتی چڑھاوے اور نذرانے ملتے تھے گانے والیوں میں ایک کسبن کے بطن سے خود ان کی صلبی ایک لڑکی موسیقی کی ماہر تھی۔ اور مہاراج معزز مہمانوں کو اس کا گانا خاص طور پر سناتے بھی تھے۔ اور یہ خود بھی مجرے کے لئے جایا کرتی تھی۔

حیدر آباد میں گوسائیوں کا بھی ایک طبقہ ہے ان میں چند بڑے دولت مند گزرے ہیں یہ ساہوکاری کرتے لاکھوں روپیہ کی آمدنی رکھتے تھے حکومت تک کو قرض دیتے جس کی طمانیت اور ادائی کے لئے گاؤں ان کے قبضے میں دے دیئے جاتے تھے۔ گوسائیں بڑے بڑے مکانوں کوٹھیوں میں رہتے تھے دو گھوڑوں کی شان دار بگھیوں میں نکلتے' امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ مشہور تھا کہ ان کا کروڑوں روپیہ تو برسوں سے مقفل پڑا ہے' اس کو کھولنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ کلیانی میں بھی اس طبقہ کے آثار میں ۱۳۲۸ فصلی میں دیکھے ہیں معلوم ہوا تھا کہ زمانہ قریب میں وہاں بھی دولت مند گوسائیں گزرے ہیں جن کے سنگ بستہ بڑے اور چھوٹے مٹھ اور ان کے چیلے اب بھی موجود تھے مگر تنگی اور ترشی سے بسر کر رہے تھے۔

پجاری' جوشی' گنا چاری کے ناموں سے مذہبی نوعیت کے خدمتی گاؤں گاؤں تھے جن کو حکومت آصفیہ پوجا پاٹ' نندادیپ' اگنی ہوتر' آگرہار' سدابرت' اچھاؤ جاترا وغیرہ مختلف مذہبی رسوم اور خدمت دیول و مسافرین کے لئے کہیں جاگیر و مقطعہ کہیں اراضی انعام یا نقدی بڑے فراغ دلی اور وسعت نظر سے دیتی رہی۔

قاضی' محتسب خطیب و نرخی

عہد سلف کی یادگار موروثی قاضی محتسب اور خطیب ملک کے اکثر حصوں میں موجود تھے اور اراضی انعام یا نقدی سے ان کی پرورش ہو رہی تھی۔ اس زمانے میں قاضی کے ذمہ فصل خصومات کا کام تھا مگر عہد زیر ذکر میں خطبہ نکاح پڑھنا۔ عقد نکاح باندھنا اور

www.taemeernews.com

سیاہہ لکھنا رہ گیا ہے۔ عقد کے وقت قاضی ایک دستاویز لکھتے ہیں جس میں عاقدین ان کے وکیل گواہ اور زرمہر کی صراحت ہوتی ہے اور اس پر ان سب کی دستخط لی جاتی ہے یہی دستاویز سیاہہ کہلاتا اور دفتر قضاءت میں محفوظ رہتا۔ سرکار عالی کے محکمہ امور مذہبی کا ایک نمائشی صیغہ جو صدارت العالیہ کے نام سے قائم تھا اور اس کو بعض وقت کافی اہمیت بھی دی گئی اس کا افسر صدر الصدرو کے شان دار نام سے موسوم ہوا مگر وہ دفتر چاہے امور مذہبی کا ایک ضمنی صیغہ رہا ہو یا مستقل سررشتہ کوئی ٹھوس کام کبھی نہیں کیا۔ قاضیوں کے حد تک وہ احکام دیتا رہا کہ دورہ کر کے پند و نصائح اور مسلمانوں کی اصلاح کریں۔ مگر نہ قاضی دورہ کرتے نہ اپنے گھر ہی میں رہ کے مسلمانوں کی اصلاح کی کوئی فکر کرتے تھے اور نہ دفتر صدارت العالیہ ان کے دورہ کے لئے سہولتیں پیدا کرنے اور ان سے کام لینے کی کوئی سبیل نکال سکا۔

سرکار عالی کا محکمہ امور مذہبی ۱۹۵۰ء میں تخفیف کردیا گیا کیونکہ حکومت ہند جس میں حکومت آصفی ضم کردی گئی سیکولر گورنمنٹ (لامذہبیت) کا ادعا رکھتی ہے اس لئے پیش امام' موذن' ملا اور دیول کے خدمتی سب کی تنخواہ موقوف اور رقومات امدادی بند کردی گئیں۔

زمانہ زیر ذکر کے دیہاتی موروثی خطیب چاہے کسی لباس کسی شغل اور کسی حال میں رہیں عیدین کو جبہ اور عمامہ پہنتے عیدگاہ میں آجاتے اور غلط سلط خطبہ پڑھ دیتے تھے۔ بعض جائے ان کو اب بھی خلعت عیدین کے نام سے کچھ تھوڑی سی نقدی مل جاتی تھی اور یہ بطور خود عمامہ و چادر ایک کشتی میں رکھ کر لاتے جس کو عین اس وقت جبکہ خطبہ ثانیہ میں پادشا وقت کا نام دعا کے لئے لیا جاتا تو وہ عہدہ دار مقامی جو نماز میں شریک ہوتا خطیب کو اوڑھا دیتا۔

محتسب کے ذمہ فی زمانہ کوئی کام برائے نام بھی نہ رہا تھا۔ سلطنت آصفیہ محض ٹیکس وصول کنندہ حکومت نہ تھی اس لئے اگر ایک طرف محاصل کا بار رعایا پر بہت ہی ہلکا تھا تو دوسرے طرف جو کچھ آمدنی ہوتی وہ رعایا پر خرچ کی جاتی تھی اس بذل و نوال

www.taemeernews.com

سے فائدہ اٹھانے والے طبقات میں سے ایک گروہ ان خدمتیوں کا بھی تھا جو ہندو، مسلم، جین، پارسی، سکھ، عیسائی، معابد، مدارس، مٹھ، درگاہ، گردوارہ، سمادھ، خانقاہ اور دھرم شالوں میں مامور اور کارگزار رہتا تھا۔

کہنا پڑتا ہے کہ قاضی، محتسب، خطیب ہوں یا پجاری، جوشی، گناچاری، یہ سب کے سب شادی بیاہ، ذبیحہ و قربانی، امراض وبائی، میت کے دفن، عید تہوار، ہاٹ بازار میں اور درو فصل پر جاہل دہقاں کو محرم و غیر محرم کنواری اور بیوہ، طلاق و عدت، وکالت و شہادت کے جھگڑے نکال کے مسائل ذبیحہ سے ناواقفیت یا طریقہ ذبح کے من گھڑت صورتیں بتا کے مدفن کی اراضی میں دشواریاں پیدا کرکے، مہابھارت اور راماین کے نام سے قصے سنا کے مزار یا دیو کی کرامات کے جھوٹے واقعات کہہ کے صاحب مزار یا سمادھ کی خفگی و ناراضی سے ڈرا کے برہمنت کی بزرگی جتا کے جائز و ناجائز دونوں طرح انڈا، گوشت، مرغی، مصری بادام، چاول، کھجور، چنا، جوار اور دیگر اجناس زرعی تیل ماش، کھوپرا، گڑ اور نقد نذرانہ بے تکلف وصول کرلیتے تھے۔

شہر حیدرآباد میں ایک عہدہ نرخی کا بھی تھا جو ایک اوسط درجے کے معزز جاگیردار کے خاندان میں وراثتاً" چلا آرہا تھا۔ عہد سلف میں بازا کے نرخ کی نگرانی اس خدمت سے متعلق تھی مگر فی زمانہ کوئی کام ان کے سپرد نہ تھا۔ البتہ یہ سنا ہے کہ ماہ رمضان میں ایک دن ان کی سواری سپاہیوں کے جلو میں نکلتی کسی مسلمان کو کچھ چباتا یا بیڑی چٹا پیتا دیکھتے تو عدم احترام رمضان کے پاداش میں اس کو پکڑ لیتے مگر یہ مضحکہ انگیز رسم عرصہ ہوا کہ موقوف ہوگئی۔

آزاد پیشہ افراد

وکلاء

آج سے ۷۰ سال پہلے معمولی اردو نوشت و خواند اور ہلکا سا ایک امتحان قانون

www.taemeernews.com

دینے کے بعد سند وکالت مل جاتی تھی۔ چونکہ ملک میں بدقسمتی سے جاگیرداری، منصب داری، یا اس کے بعد دوسرے درجے میں ملازمت سرکاری کے سوا باقی سارے پیشے دھندے گری ہوئی نظروں سے دیکھے جاتے تھے اس لئے طبقہ وکلاء میں ایک دو کے سوا سب ہی بیرونی تھے۔ مسلم وکلاء میں شمالی ہند کے رہنے والے اور ہندو وکلاء میں پونا مدراس کے برہمن، اینگار، ایر، نائیڈو شامل تھے۔ مستقرہائے اضلاع و تعلقات میں مقامی ہند و شمالی ہند کے مسلم وکلاء کے دوش بدوش کام کرتے نظر آتے۔ غرض اور پیشوں کی طرح اس پیشہ سے بھی ایک عرصہ تک اہل ملک کو تنفر رہا ۱۸۹۳ء میں حکومت سرکار عالی نے مجلس قوانین میں وکلاء کی نشستیں مقرر کرکے ہائی کورٹ کی ججی کے لئے وکلاء کو بھی منتخب کرکے اس پیشہ کی اہمیت اور وقعت کو بڑی حد تک عوام کے ذہن نشین کیا اور ۱۳۰۹ فصلی (۱۸۹۹ء) میں قانونی تعلیم کے لئے لا کلاس بھی قائم کی گئی جہاں مغرب کے بعد لکچرس ہوتے تھے اس کا نصاب پورا کرنے کے بعد امتحان جوڈیشل میں شرکت ہو سکتی تھی۔ کامیابان امتحان جوڈیشل کو نہ صرف عدالتی عہدوں پر مامور کرنے میں ترجیح دی جاتی بلکہ ان میں جو بدرجہ اعلی کامیاب ہوتے وہ وکالت درجہ اول بھی کرسکتے تھے اور جوادنی درجہ میں نکلتے وہ درجہ دوم کی وکالت کے مجاز تھے وکالت کے ان دونوں درجوں میں امتیاز یہ رکھا تھا کہ وکیل درجہ اول ہر دفتر میں پیروی کرسکتا تھا اور درجہ دوم کے وکیل کو عدالت العالیہ (ہائی کورٹ) اور دفاتر معتمدین میں کام کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اسی کے ساتھ امتحانات وکالت بھی ہر سال ہوا کرتے تھے جس کے ۳ درجے اول، دوم، سوئم بہ اعتبارات نمبرات محصلہ رکھے گئے۔ قانونی تعلیم کے لئے سرکاری لا کلاس کے سوا چند قانون دوست وکلاء نے بھی تعلیمی جماعتیں کھول رکھی تھیں جن میں مولوی شرف الدین صاحب اور مولوی محمد ابراہیم علی صاحب وکلاء کی درسگاہیں خاصی شہرت رکھتی تھیں۔ عوام کی اس کوشش اور سرکار عالی کی ہمت افزائی کی وجہ سے اہل دکن کا نفور اس پیشہ سے رفتہ رفتہ کم ہوا۔ ایل. ایل. بی اور بیرسٹر پہلے تو کوئی تھا ہی نہیں بعد میں باہر سے ایک دو بیرسٹر آگئے مگر عثمانیہ یونیورسٹی (۱۹۱۸ء میں) قائم ہونے کے بعد لا کالج بھی

www.taemeernews.com

ظہور میں آیا اور ایل. ایل. بی کے اسناد کے حامل اس کثرت سے ہر سال بڑھنے لگے کہ اب تو ہر گلی کوچہ میں ان کے نام کے بورڈ نظر آتے اور ہر ضلع کے مستقر میں یہ موجود ہیں۔

کوئی ۳۰ یا زیادہ سے زیادہ ۳۵ سال ہوتے ہیں کہ وکلاء نے سیاست میں حصہ لینا شروع کیا ہندو ہوں کہ مسلم دونوں نے اس میں سرگرمی ظاہر کی اس کی کیفیت اور اس کے نتائج سیاسی مورخ لکھے گا میں تو معاشرت پر قلم فرسائی کر رہا ہوں۔

اطباء یونانی' ڈاکٹر' اور ایورویدک

حیدر آباد میں طب یونانی کی تعلیم کا کوئی انتظام پہلے تو تھا ہی نہیں بعد میں برائے نام کچھ تعلیم ہونے لگی اسی لئے یونانی حکماء بھی بیشتر شمالی ہندوستان سے آئے ان میں سے بعض نے تو بڑی اچھی شہرت حاصل کی۔

میڈیکل کالج جس کو مدرسہ طبیہ کہا جاتا تھا ایک عرصہ سے یہاں قائم ہے ڈاکٹر وِنڈو اور ڈاکٹر مرزا علی آج سے کوئی سو سال پہلے سررشتہ طبابت کے افسران اعلیٰ اور میڈیکل کالج کے مہتمم و لکچرار تھے اس زمانے میں ڈاکٹری کی تعلیم اردو میں دی جاتی تھی اور جو طلباء انگریزی بھی جانتے وہ طلباء درجہ اول متصور ہوتے تھے چنانچہ راقم الحروف کے والد نواب ظہیر الدین احمد خاں بہادر مرحوم اور چچا نواب فقیہ الدین حسین خاں بہادر مرحوم نے اس مدرسہ طبیہ میں شریک ہونے کے لئے ۷ار ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ کو انگریزی کا امتحان داخلہ دیا' مگر پھر جلد ہی ڈاکٹری تعلیم کا ذریعہ انگریزی کر دیا گیا اور معیار تعلیم بھی بڑھا دیا اور کامیاب طلباء ہونہار نکلے انہیں اعلیٰ تعلیم کے لئے حکومت سرکار عالی نے اپنے خرچ پر انگلستان بھیجا۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کے بعد میڈیکل کالج کے انتظام اور اس فن کی تعلیم میں خاصی ترقی ہوئی باقاعدہ ڈگریاں ملنے لگیں۔ اور یہ ڈگریاں ممالک غیر میں بھی تسلیم ہونے لگیں۔ دوسرے سررشتوں کے پہلو بہ پہلو حکومت سرکار عالی نے سررشتہ طبابت کے ترقی کے لئے بھی دل کھول کے روپیہ خرچ کیا اور ملک بھر

www.taemeernews.com

میں متعدد دواخانے قائم کئے بلدہ حیدر آباد میں ایک بڑا دواخانہ افضل گنج اسپتال کے نام سے اسی نام کے محلہ میں اور کئی دواخانے مختلف حلقوں میں قائم کرنے کے علاوہ ہر ضلع اور مستقرہائے تعلقات میں بیسیوں دواخانے بنا ڈالے جن کی عمارات آلات' فرنیچر اور ان پیشنٹ کی ضروریات پر کروڑوں روپیہ خرچ کیا۔ عہد عثمانی میں اس سررشتہ نے مزید ترقی کی۔ جدید العصر سہ منزلہ وسیع و عریض عمارت و دواخانہ عثمانیہ کے نام سے قدیم افضل گنج اسپتال کی توسیع کر کے رود موسیٰ کے کنارے کھڑی کردی جہاں ان پیشنٹ اوٹ پیشنٹ ہزاروں مریض زیر علاج رہتے ہیں۔ اسی رود موسیٰ کے دوسرے کنارے عثمانیہ اسپتال کے مقابل اعلیٰ پیانے پر زنانی دواخانہ و زچگی خانہ کی شاندار عمارت بنائی جہاں زچگی کے لئے سینکڑوں ہی عورتیں دن رات آتی رہتی ہیں امراض سینہ' آنکھ' ناک' حلق اور بچوں کی بیماری کے علاج کے لئے متعدد دواخانے قائم کئے' دق کے علاج کے لئے اننت گیری کا دواخانہ سب سے بڑا ہے۔ امراض متعدی کے لئے بھی ایک علیحدہ دواخانہ ہے جذام کا دواخانہ پادریوں کی نگرانی میں چلایا جارہا تھا جس میں حکومت سرکار عالی فیاضانہ مدد دیتی رہی۔ مجنونوں کے لئے ایک دواخانہ جالنہ میں تھا اب اس کو حیدر آباد لایا گیا ہے۔

تعلیم طب مغربی (ڈاکٹری) کا سرکاری انتظام دواخانوں کی کثرت ڈاکٹروں کی بڑی بڑی تنخواہ جراحی (آپریشن) میں ان کے حیرت انگیز کارنامے تشخیص مرض میں ان کے وسائل و ذرائع دواخانوں کے ساز وسامان ادویہ کی صفائی و نفاست' ڈاکٹروں کی مصروفیت (پراکٹس) و آمدنی ان کی وقعت و عزت دیکھ کے نہ صرف یہ کہ عوام ہی ڈاکٹری علاج کی طرف آہستہ آہستہ مائل ہوتے گئے بلکہ اہل دکن کو جو اس فن سے تنفر تھا وہ پوری طرح دور ہوگیا اور اس کے حاصل کرنے کے لئے بڑے شوق سے متوجہ ہوگئے یورپ تک گئے بڑی بڑی ڈگریاں لائے اہل ملک کی خدمت کی اور خود بھی فائدہ اٹھایا۔ اسی اثناء میں باہر سے بھی متعدد ڈاکٹر آگئے اور اس کی کثرت سے مقامی اور بیرونی ڈاکٹر ہوگئے کہ شہروں اور بڑے بڑے قصبات میں سرکاری ڈاکٹروں کے علاوہ خانگی (پرائیویٹ) ڈاکٹر

www.taemeernews.com

بھی مصروف کار ہیں اور ہر ایک اپنی قابلیت تجربہ و اخلاق کے مطابق کما لیتا ہے اس موقع پر یہ بھی واضح کرنا پڑتا ہے کہ اس معزز پیشہ کے بعض ارکان میں خدمت خلق کے جذبہ کی جگہ منفعت، حرص اور لالچ پیدا ہوگئی ہے۔

تاجر

مسلمانان حیدر آباد تجارت سے بھی قطعاً نابلد رہے اس میدان میں ان کی دوڑ کرانہ، ہاتھ کا بنا ہوا موٹا کپڑا۔ الائچی، سپاری، کتھا، لونگ چلو فروشی، موٹے موٹے چوڑیاں، گوشت، نان اور گل فروشی تک محدود رہی۔ ترکاری، مٹھائی، دودھ، دہی، تیل کی چلو فروشی، دکھنی ہنود، کاچھی، گولی اور تیلی کرتے تھے تازہ مچھلی، بھوئی پکڑتے اور قریب کے قصبات و شہر میں بیچ لیتے، دریائی سوکھی مچھلی اور جھینگے مدراس کے مسلمان فروخت کرتے تھے، اشیاء آہنی کی مقامی خرید و فروخت اور اسی ملک کے چوبینہ کی چھوٹی سی منڈی دکھنی ہنود کے ہاتھ میں تھی اور رنگونی ساگوان بیرونی تاجروں کے قبضہ میں کومٹی (بقال) چھوٹے پیمانہ پر زیادہ تر غلہ کی تجارت اور سودی لین دین کر کے تھوڑا پیسہ کما لیتے تھے، دیہات کے پٹیل پٹواری، دیسمکھ، زمین دار جو برہمن، ریڈی، ہلمہ، تلنگے مرہٹے، اور کنڑے ہیں اپنے قولداروں سے اراضی میں لیا ہوا نصف غلہ (جس کو بٹائی کہتے ہیں) اور اپنی ذاتی کاشت کی پیداوار نیز اپنے مقروض آسامیوں سے ارزاں دام پر حاصل کئے ہوئے اجناس بازار میں لا کر فائدہ اٹھاتے تھے مگر یہ تجارت نہ تھی بلکہ اپنے اثر، دباؤ اور دیہی حکومت کے برتے پر رعایا کی جہالت سے فائدہ اٹھانا تھا۔ سیندھی کے کاروبار مقامی کلالوں کے قبضہ میں تھے مگر ٹھوک فروشی (گتے) جس کا تعہد سرکار سے دیا جاتا تھا دوسرے قوم کے لوگ بھی کرتے تھے اور اب بھی کرتے ہیں شراب کی تجارت دوسری قوم کے لوگ بھی کرتے تھے اور اب بھی کرتے ہیں شراب کی تجارت پارسی جو دکن میں مقیم ہوگئے اور کلال دونوں بھی کرتے رہے۔ اس چھوٹے پیانے کی تجارت اور غلط نفع اندوزی کے سوا ساری تجارت بیرونی اشخاص کے ہاتھ میں تھی، حکومت نے

www.taemeernews.com

ان پر کوئی پابندی عائد کی نہ سیل ٹیکس لیا نہ حصول لائسنس کی شرط لگائی نہ اجازت کی قید چنانچہ مارواڑی، گجراتی، کچھی، میمن، خوجے، بوہرے، بڑے بڑے تاجر تھے، رالی برادرس اور دوسرے یورپین فرم خام پیداوار کھینچ لیتے تھے۔ اگروالے (ہنود) سونا چاندی اور جواہرات کی تجارت میں تنہا قابض رہے ملباری لبے (مسلم) چرم، تروڑ کی چھال اور پلاس کے پتوں سے فائدہ کثیر حاصل کرتے رہے۔ تانبے، پیتل، کے برتنوں کا بیوپار بالکلیہ بیرونی ہندو کسار کے ہاتھ میں رہا۔

سرمایہ مشترک

امراء کو تو معذور ہی سمجھو وہ دنیا سے بے خبر اپنی ڈیوڑھیوں کی چار دیواری میں مگن تھے۔ ملازمین سرکار اور چھوٹے چھوٹے منصب دار، جاگیردار بلکہ سفید پوش عامتہ الناس تک، تاجر، گتہ دار، صناع اور اہل حرفہ کو چھوٹی نظروں سے دیکھتے تھے۔ ان کو برابر بٹھانے اور منہ جوڑ کر بات تک کرنے کی روا دار نہ تھے تو مشترکہ سرمایہ کی کمپنیوں میں روپیہ کیوں لگاتے اور یہ کمپنیاں قائم کیسے ہوتیں۔ اسی وجہ سے سونا چاندی، روپے، پیسے کی بہتات کے باوجود اتنے بڑے ملک میں کپڑے کی ۳ چھوٹی چھوٹی گرنیوں کے سوا کوئی اور کارخانہ کہیں نظر نہ آتا تھا۔

۱۹۰۰ء میں گوداوری ویلی ریلوے اسٹیشن لین مکمل ہوئی اس لین پر جو مملکت حیدرآباد کے مرہٹواڑی علاقے سے گزرتی ہے بہترین کپاس پیدا کرنے والی زمین ہے، تربوز، موز، کنولے، کے باغات جوار کے میلوں، لمبے چوڑے کھیت ہیں اس کیفیت نے ان لوگوں میں جو پہلے سے گری پڑی تجارت کر لیتے تھے اور اب ریل کی بدولت گھر سے ذرا دور نکلے یا باہر کے لوگوں نے یہاں کی کپاس دیکھی اجرت ارزاں اور ریل کے آجانے سے حمل و نقل کی سہولت پائی تو روئی برآمد کرنے کے لئے بنولہ نکالنے کپاس کے گٹھے بنانے کی چھوٹی موٹی فیکٹریاں قائم کیں اور ان کا دیکھا دیکھی تلنگانے میں بھی جہاں مصنوعی ذرائع آب سے مدد لے کے دھان کی کاشت وسیع پیمانے پر ہوتی ہے اور تخم

www.taemeernews.com

روغن دار کی افراط ہے دھان صاف کرنے' تیل نکالنے کے معمولی سے کارخانے قائم ہوئے۔

کوئی ۴۰ سال قبل شاہ آباد میں سیمنٹ کا ایک کارخانہ بنا۔ اس کے ایک عرصہ بعد بودھن میں شکر' سرپور میں کاغذ' ورنگل اور ناندیڑ میں کپڑے کی ۲ گرنیاں قدرے اچھے پیانے پر چلنے لگیں' مرہٹواڑہ' لاتور' بلدہ حیدر آباد' اور گوداوری ویلی ریلوے لائن پر کئی کارخانوں کا اضافہ ہوا۔ ان میں سے اکثر کارخانوں میں بیشتر سرمایہ اہل ملک کا ہے۔ یورپ کی دوسری جنگ عظیم (۱۹۳۹ء ۔ ۱۹۴۵ء) کے زمانے میں جبکہ باہر سے مال آنا کم ہوگیا اور بدیسی اشیاء گراں ہوگئیں تو یہاں چند چھوٹی چیزوں کے بنانے کا اقدام کیا مگر تجربہ تو اس کا بھی نہ تھا غیر مآل اندیشی اور جرات بے باکی۔ اندازے صحیح نہیں لگائے' اہل ملک سے روپیہ تو بہت سا جمع کیا' مگر بناء مضبوط نہ رکھی اس لئے پہلے پہل تو بازار میں حصص کی طلب رہی پھر بری طرح ان کی قیمتیں گر گئیں' اور یہ بھی کہتے ہیں کہ بعض چالاک سرمایہ دار کاروباریوں نے جلب منفعت کی۔ غرض کئی کارخانے ناکام ہوئے دالیہ ہوگئے۔

بینکنگ اور سکہ سرکار عالی

بینکنگ کے سلسلہ میں سرکار عالی کے سکہ کی جس کو کبھی چلنی کہتے تھے مگر اب حالی سے موسوم تھا کچھ کیفیت لکھ دینا ضروری ہے۔ یوں تو ریاست حیدر آباد کے قیام کے بعد یہیں کا سکہ چلنے لگا' جس پر حیدر آباد کے حکمران کے نام کے ساتھ مغل شہنشاہ کا نام بھی کندہ رہتا تھا ۔ ۱۸۵۴ء میں ریاست کے مالی امور کی اصلاح شروع ہوئی اور ایک دارالضرب قائم کیا گیا جہاں امراء اور تاجر چاندی لاتے اور اجرت دے کر سکہ ڈھلواتے جو ہاتھ سے بنائے جاتے اور موٹے موٹے' بے ڈول اور مدور ہوتے' چاندی کی اٹھنیاں' چونیاں' دوانیاں بھی بنتی تھیں مگر بازار میں ان کا چلن بہت کم تھا۔ ۱۸۹۲ء تک یہاں ۲۴ قسم کے روپے رائج تھے۔ کچھ عرصہ بعد ایک ہی قسم کا روپیہ چلتا

www.taemeernews.com

رہا۔ ان روپیوں میں کھوٹے سکے بھی آجاتے تھے جس کو پرکھنے کے لئے صرافوں کی ضرورت رہتی۔ چاندی کے سکوں کے ساتھ تانبے کے پیسے بھی بنتے رہے۔ ہر پیسہ ایک ایک تولہ کا موٹا بھدا کوئی لانبا کوئی چھوٹا ہوتا۔

سکہ کی قدر حسب ذیل تھی۔

۲ پائی = ایک پیسہ

۴ پیسے = ایک گنڈہ

ڈیڑھ گنڈہ یا ۶ پیسے = ایک آنہ

۱۶ آنے یا ۲۴ گنڈے = ایک روپیہ

اس طرح ایک روپیہ کے ۹۶ پیسے ہوتے تھے مگر خردہ کا اتار چڑھاؤ بہت رہتا۔ گو سرکاری خزائن میں روپے کے ۹۶ پیسے برابر ملتے مگر بازار میں نہ صرف پیسہ دو پیسے بلکہ بعض وقت ۲۴ پیسے کم آتے یعنی بجائے ۲۴ گنڈے کے صرف ۱۸ گنڈے۔ سکہ حالی سکہ انگریزی سے جس کو کلدار کہتے تھے

قیمتاً" کم تھا اس لئے تبدیلی سکہ میں شرح بٹاون مقرر نہ ہونے سے نقصان ہوتا تھا اور یہ نقصان کبھی ۱۴۔ ۱۵ فیصد اور کبھی ۲۰۔ ۲۱ بلکہ بعض وقت اس سے بھی زائد تھا۔

چارمینار کے نقش والا سکہ ۱۹۰۳ء سے ذریعہ مشین ڈھلنے لگا۔ اسی کے ساتھ ایک پائی ایک پیسہ (۲ پائی) نصف آنہ (۶ پائی) اور ایک آنے کے سکے بھی مشین سے بنائے جانے لگے پیسوں کا وزن کم کردیا گیا مگر قدر بدستور سابق رہی اور نرخ بازار بھی حکماً" ۲۴ گنڈے سے (۹۶ پیسے) اور بٹاون یعنی حالی و کلدار کی شرح تبادلہ ۱۱۶ عثمانیہ مساوی ۱۰۰ کلدار مقرر کی گئی۔

سکہ قرطاس

۱۳۲۷ فصلی مطابق ۱۹۱۸ء میں قانون زر کاغذی نافذ اور ایک سررشتہ اسی نام سے

www.taemeernews.com

قائم اور زر کاغذی (نوٹ) رائج کیا گیا سب سے پہلے سو اور دس روپیہ کے نوٹ علی الترتیب ۱۷ اور ۲۰ شہر یور ۱۳۲۷ف کو جاری کئے گئے پھر تھوڑے ہی عرصہ بعد ایک اور پانچ روپیہ کے نوٹ رائج ہو گئے۔

کوڑی بہ طور سکہ

غیر مشینی بے ڈول سکہ جس زمانے میں چل رہا تھا اسی عہد میں کوڑیاں بھی معمولی سودے کے لئے یا خیرات میں زر بدل کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔ ایک پیسے میں (۴۰) کوڑیاں ہوتی تھیں (۵) کوڑیوں کی ٹولی (۱۰) کی دمڑی اور (۲۰) کوڑیوں کا دھیلا کہلاتا تھا۔ بازار سے دمڑی دھیلے کا بھی سودا منگوایا جاتا۔ دمڑی دھیلے میں ہری مرچ' کوتھمیر' پودینہ' تین تین چیزیں آجاتیں۔ بھڑ بھونجا آواز دیتا بچے کوڑیاں لے کے دوڑتے اور مرمرے' کھلیان' پھٹانے پھولے' چنے' لیوڑیاں یا پٹی خرید لیتے۔

بہت عرصہ پہلے تو ریاست بھر میں صرف ایک انگریزی بینک "بنگال بینک" کے نام سے تھا اور مدت دراز تک بس یہی ایک بینک یہاں کام کرتا رہا بعد میں اسی بینک کو امپریل بینک کہا جانے لگا۔

اس ایک بینک کے سوا روپیہ کا سارا کاروبار کومٹی اور ماڑواڑی ساہوکاروں کے ہاتھ میں تھا جو صناعوں' کسانوں' جاگیرداروں اور دیگر حاجت مندوں کو قرض دیتے اور گراں سود در سود کے علاوہ مختلف طریقوں سے استحصال کیا کرتے تھے۔

سرکار عالی کی حکومت کو دولت مند گوسائیں بھی قرض دیتے رہے اور بہت پرانی بات ہے کہ سرکار نے رقم کی کفالت میں ان کے قبضہ میں کچھ گاؤں بھی دیئے تھے' ماڑواڑی اور کومٹیوں کے علاوہ افغان اور عرب بھی غرباء کو بہت گراں سود پر قرض دیتے اور سختی سے وصول کرتے تھے' حکومت سرکار عالی بھی اپنے ملازمین کو مکان بنانے یا موٹر خریدنے بعض شرائط پر ہلکی شرح سود سے قرض دیتی رہی اور موجودہ حکومت بھی ایسا قرض دیتی ہے یورپ جا کے تعلیم پانے کے لئے بھی حکومت سرکار نظام سے قرض ملتا رہا

www.taemeernews.com

ہے۔

کوئی پچاس سال پہلے کی بات ہے کہ حیدر آباد بینکنگ کمپنی کے نام سے پارسیوں کی ایک چھوٹی سی بینک کچھ دن کام کرتی رہی اس کے بعد یکے بعد دیگرے کوآپریٹیو ڈومنین بینک جس کا نام اب آندھرا پردیش کوآپریٹو بینک ہے۔ رگھوناتھ مل بینک' حیدر آباد بینک' سنٹرل بینک قائم ہوئے اپریل ۱۹۴۲ء میں حکومت سرکار عالی نے اسٹیٹ بینک قائم کیا اور ریاست کی کرنسی اسی بینک کی نگرانی میں دے دی۔ یہ بینک اچھی ساکھ رکھتا ہے اور متعدد تجارتی مقامات پر اپنی شاخیں کھول دی ہیں۔

گتہ دار (کنٹراکٹر)

بدقسمتی سے تجارت کی طرح گتہ داری بھی اہل حیدر آباد کی نظر میں حقیر ہی رہی اس لئے سررشتہ جات تعمیرات' آبپاشی' صفائی' (میونسپلٹی) ڈرینج اور ریلوے کے کروڑوں روپیہ کے گتے بیرونی اشخاص نے لئے اور دولت مند ہوگئے یہاں کے لوگ اس کو دیکھتے رہے مگر شان' عزت و مشیخت کا ہوا' جاگیردار و منصب کا نشہ اور ملازمت کا چسکا اس ذریعے سے حصول معاش میں سنگ راہ رہا۔ اکثر پنجابی کچھ مدراسی کچھ گتہ دار ملک بھر میں پھیلے ہوئے تھے۔

انتزاع حکومت آصفی سے تھوڑے ہی عرصہ قبل ملک کے ایک لائق فرزند نے "حیدر آباد کنسٹرکشن کمپنی" قائم کی اور گتے لئے اسی کی کوشش سے بودھن میں شکر سازی

www.taemeernews.com

کا اور سرپور میں کاغذ سازی کا کارخانہ بنا تو اہل ملک نے گتہ داری کی طرف قدم بڑھایا مگر بہت آہستہ بہت سست اس لئے آج بھی بجز ایک دو کے کوئی نامور گتہ دار اہل ملک سے نظر نہیں آتا۔ البتہ سیندھی شراب کے گتے جس کے تعہدار کو متاجر کہتے تھے اکثر ریڈی' کلال' پارسی اور ایک دو مسلم افراد کے ہاتھ میں رہے اور اس ذریعہ سے انہوں نے دولت بھی کمائی' چوبینہ کے گتے بھی اہل ملک کے ہاتھ میں تھے۔ پوست تڑوڑ' برگ آبنوس کے گتے اکثر ملباری مسلمانوں نے لئے' شریفہ' آم' تمرہندی' ماہی اور سررشتہ مال یا صحرائی پیداوار کے چھوٹے چھوٹے معاملات جس تعلقہ یا قصبہ کے ہوتے وہیں کے یا اس کے قریب کے رہنے والے لے لیتے مگر یہ معمولی کام دولت کمانے کا ذریعہ نہ تھے اس سے شکم پروری ہو جاتی تھی البتہ سنگ سیاہ کا معاملہ ایسا تھا جس میں خوش حالی آجاتی ۔

کوئلہ کے معدن کا تعہد یورپین کمپنی نے لے رکھا تھا۔ وہی معدن سے کوئلہ نکالتی فروخت کرتی۔ سرکار کو کچھ "رائلٹی" دے دیتی۔ بدقسمتی کا کمال دیکھو کہ معدن میں کام کرنے والے مزدور بھی اکثر پردیسی تھے کہتے ہیں کہ معدن رعال (کوئلے) کا تعہد دینے میں اس وقت کے ایک عہدہ دار نے بڑی خودغرضی کی خود نے تو بڑی دولت کمائی مگر سلطنت کو خسارہ میں ڈالا۔ یہ عہدہ دار تو زیادہ دن زندہ نہ رہے مگر ان کا خاندان چند سال دولت کے مزے اڑاتا رہا جس کے قصے زبان زد عام تھے۔ پھر اس خاندان پر زوال آیا اور زوال بھی ایسا کہ دولت گئی اور عزت کو بھی بٹہ لگا۔

اہل حرفہ

مملکت آصفیہ نظامیہ میں بہت اچھی اچھی صنعتیں تھیں۔ کاغذ' ہمرو' مشروع' رومال' سیلہ' کھادی' قسم قسم کے ریشمی اور سوتی کپڑے' زرین قورپلو کے ساڑیاں' قالین' کمبل' چاندی' سونے کی پچی کاری (بدری کام) لکڑی سے ایسی مصنوعات پھل پھلاری جو اصل کے ہوبہو ہو اور نقاشی یہاں کے اضلاع کی خاص خاص صنعتیں تھیں

www.taemeernews.com

شاید ہی ایسا کوئی آباد گاؤں تھا جہاں موٹے سوتی رومال کھادی۔ سینگ۔ لکڑی۔ تیل یا لوہے کی ایک نہ ایک چیز نہ بنتی ہو لیکن ان میں سے اکثر صنعتیں فی زمانہ ماند پڑ گئیں۔ کاغذ جو موٹا کھردرا ہوتا تھا اب مفقود ہے۔ ہمرو اور مشروع بنتا تو ہے مگر اس کے خریدار کم ہیں کہ فیشن بدل گیا اسی طرح سیلہ کا رواج نہیں رہا باقی چیزیں یہاں وہاں اب بھی بنتی ہیں۔ یہ دیہاتی صناع سب کے سب مقامی ہی تھے۔ ان میں کے چند خاندان گوورنگل، ناندیڑ، کریم نگر، اورنگ آباد، گلبرگہ، بیدر، نرمل، کورٹلہ، نارائن پیٹھ، جوگی پیٹھ، کلیانی جیسے چھوٹے چھوٹے شہر یا قصبات میں رہتے تھے مگر ان کا بیشتر حصہ دیہات میں بستا تھا اور یہ چاہے چھوٹے شہروں میں ہوں یا قصبات و دیہات میں ان کی زندگی بہت سادہ ان کا لباس اور کھانا دونوں ٹیپ ٹاپ اور تکلف سے معریٰ تھا۔ ان کے چھوٹے چھوٹے سفالی مکان زیب زینت سے خالی بلکہ تنگ و تاریک اور غلیظ ہوتے ان کی کارگاہ و کارخانہ اسی تنگ مکان کا ایک حصہ ہوتا یا گھر کی گلی یا مکان کے سامنے کے درخت کا سایہ۔ اس زمانہ میں بھی جبکہ سامان معیشت سستا تھا اور ملکی ساخت کی اشیاء لینے والے آج کے مقابلہ میں زیادہ اور بازار میں اس کی مانگ تھی تب بھی صناع مفلس اور سرمایہ داروں کے چنگل میں پھنسا ہوا تھا۔ ساہوکار خام اشیاء اس کو دیتے تو یہ غریب محنت کرکے جس میں اس کی بیوی بچے بھی ہاتھ بٹاتے ایک چیز بنا لاتا اور اسی ساہوکار کو سستے دام بیچتا اس کی رقم قرض میں محسوب کراتا اور پھر خام اشیاء قرض لے جاتا اور عمر بھر اسی چکر میں سود خوار بنئے کے پنجے میں پھنسا رہتا۔ چند سال سے انجمن ہائے اتحاد باہمی (کوآپریٹو سوسائٹیز) کی ترویج کی طرف حکومت نے توجہ کی اور بہت سی انجمنیں قائم بھی ہوئیں مگر اس سے خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا جس کا سبب بدنظمی بھی تھی اور بددیانتی بھی۔

www.taemeernews.com

مزارع

کاشتکار ہمیشہ مفلوک الحال رہا اس کی دن رات کی محنت شاقہ کا بدل صرف یہ تھا کہ اس کو سستے سے سستے گھٹیل اناج کی روٹی یا دلیا مل جاتا جس کو وہ املی کی چٹنی یا کھٹا' پیاز' مولی' ہری مرچ' کیری' ککڑی وغیرہ کچی ترکاری چکھ چکھ کے پیٹ میں اتار لیتا۔ کبھی دال' بیگن' کدو' چچونڈے' سیم کی پھلی یا امباڑہ کا ساگ تیل میں بگھارا ہوا اس کا سالن ہوتا۔ ان ترکاریوں میں سے کوئی نہ کوئی ترکاری اس کے کھیت جھونپڑی یا اس کے تنگ و تاریک سفالی مکان کے باڑ میں بوئی جاتی۔ کدو کی بیل عموماً" جھونپڑی پر چڑھائی جاتی تاکہ چھت ٹھنڈی رہے اور بارش میں پانی سے بھی کچھ بچاؤ ہو جائے۔ تہوار میں چنے کی گھنگنیاں' بیسن کے مرکو' بھجئے' پاپڑ' گڑ ملے ہوئے آٹے کی پوریاں' گلگلے جو سب کے سب تیل میں تلے جاتے اس کے کھانے کو پر تکلف و پر لطف کر دیتے۔ فصل جب پک جاتی تو چنا (بوٹ) ' مونگ پھلی' مکئی یا جوار کے بھٹے بھون کر خشخش' لال شکرا اور دہی کا جوڑ لگا کر بیوی بچوں اور دوست احباب کے ساتھ کھیت میں وہ اس لطف سے وقت گزارتا جیسے کوئی لارڈ صاحب گارڈن پارٹی میں۔ ان میں جو گوشت کھانے والے ہوتے وہ ایسے موقع پر بکری کا بچہ یا ایک دو مرغیاں بھی کاٹتے اور کھیت کے دیوتا کے سامنے جو کھیت کے بندھارے پر کوئی ایک پتھر ہوتا اس جانور کا خون بکرا ہو تو اس کے پائے مرغی ہو تو اس کی ایک ٹانگ اور ۲۔ ۴ پر تھوڑا سا کھانا بھیٹ چڑھاتے۔ کھانا تو دیو کے سامنے کسی پتے پر رکھ دیتے۔ پائے' ٹانگ اور پر اسی پتھر کے قریب کے درخت پر لٹکا دیتے۔

اس غریب کاشتکار کو کبھی تن بھر کے کپڑا نہیں ملا۔ زیادہ سے زیادہ کھادی کی نیم آستین جو چوتڑ سے اونچی ہوتی اور دھوتی جو گھٹنوں کے اوپر رہتی اس کا لباس تھا۔ اس کا اوڑھنا بچھونا صرف ایک کمبل تھا جس کا نصف حصہ وہ بچھا دیتا اور دوسرا نصف اوڑھ لیتا۔ سردی میں جب وہ گجردم کھیت کو جاتا تو یہی اس کا فرغل ہوتا بارش میں یہی اس کی برساتی تھی دھوپوں میں مچان پر وہ اسی سے سایہ کر لیتا اور کھیت سے کوئی ہلکی چیز لاتا یا

www.taemeernews.com

لے جاتا تو اسی کمبل میں اس کو لپیٹ لیتا۔ مسافرت میں اس کا لوٹا اور توشہ جو کسی میلی چندی میں بندھا ہوتا اسی میں چھپا رہتا۔

اس کی عورتیں موٹی ساڑی کھن کی چولی پہنتیں اور جب تک پھٹ پھٹا کر نا قابل استعمال نہ ہو جائے تب تک ان کے جسم پر رہتی۔ غریب کسان کو جب کبھی کپڑے کی ضرورت ہوتی تو یہ اس بنئے کے پاس جاتا جس سے تخم' کلچائی کی اجرت اور جانوروں کی خریدی کے لئے قرض لیا کرتا اور اس کی ادائی میں اپنے کھیت کے پورے اجناس منہ مانگے داموں پر اس کے حوالے کردیا کرتا۔ مکار بنیا متعدد حیلے حوالے کرنے کسان کے فرضی وعدہ خلافیاں گنانے اور اپنا احسان جتانے کے بعد کپڑا دیتا مگر بازار سے زائد دام حساب میں لگاتا اور سود در سود جوڑ کے اس کے آئندہ وصول ہونے والے غلہ سے مجرا کرلیتا جاہل کسان عمر بھر اسی چکر میں رہتا اور کبھی بنئے کے پھندے سے نکلنے نہیں پاتا۔

مزارعین کا ایک خاص طبقہ وطن دار اور دیس مکھ

زراعت کرنے والوں میں ایک طبقہ ایسا بھی تھا جس کا ایک ایک فرد آج سے تھوڑے عرصہ قبل تک بڑے بڑے قطعات اراضی بلکہ کئی کئی گاؤں کی پوری اراضی کا قابض و پٹہ دار ہوتا تھا۔ یہ لوگ کچھ تھوڑی سی زمین تو اپنے زراعتی نوکروں کے ذریعہ جن کو بھکیلے کہا جاتا اس لئے کاشت کرا دیتے کہ اپنے گھر کے استعمال کے لئے عمدہ جنس مل جائے اپنے دودھ اور سواری کے جانوروں کے لئے گھاس چارہ ہو جائے باقی ساری زمین وہ کاشت کرتے جن کی بسر برد زراعت ہی پر ہے یہ پٹہ دار کو یعنی مالک اراضی کو نصف پیداوار دیتے جو غلہ بٹائی کہلاتا یا نقد منافعہ اتنا ادا کرتے جو سرکاری محاصل اراضی سے سہ گنا و چہار گنا زائد ہوتا۔ ایسے بڑے بڑے پٹہ دار عموماً عہدہ داران دیہی' وطن دار' دیس مکھ' دیس پانڈے ہوتے جو بجز ایک دو کے سب کے سب ہندو تھے۔ ان کی زمینات محل وقوع اور قوت پیداوار دونوں اعتبار سے اچھے ہوتے یہ نتیجہ تھا مقامی حکومت پر موروثی طور پر ان کے قابض رہنے اور موضع و حدود حکومت

www.taemeernews.com

میں پشت ہا پشت سے توطن کا۔

یہ دیس مکھ اور دیسپانڈے عہد قدیم میں صوبہ' پرگنہ' حوالی اور موضع کے ملکی و مالی عہدہ دار تھے جو سرسبزی و آبادی ملک' امن امان اور حفاظت سرحد' وصولی محاصل کے ذمہ دار تھے اور اپنی خدمت کا معاوضہ اپنے ہی حدود حکومت میں اراضی انعام' سیری' نقدی رسوم وغیرہ کے نام سے پاتے تھے جب نظم و نسق میں تبدیلی ہوئی تو ماہوار یات عہدہ دار صوبہ دار (کمشنر) تعلقدار (کلکٹر) نظماء عدالت (مجسٹریٹ و جج) مہتممان و منتظمان کوتوالی (سپرنٹنڈنٹ انسپکٹر پولیس) تحصیلدار وغیرہ مامور ہوئے اور ان سابقہ خدمت گزاروں کی ضرورت باقی نہیں رہی لیکن ان کو تخفیف کے نام سے نہ تو حرف غلط کی طرح مٹایا گیا نہ بے روزگار کیا۔ بلکہ حکومت سرکار آصفیہ نے فراخ دلی سے سیریات' انعامات اور رسوم جاری رکھے پھر بھی دیہی عہدہ دار یعنی پٹیل و پٹواری میں تبدیلی نہیں کی گئی وہ بدستور موروثی اور قدیم طریقہ پر کارگزار رہے البتہ ان کا معاوضہ خدمت بجائے اراضی کے نقد مقرر کیا گیا گاؤں کے یہ حاکم وطن دار کہلاتے ہیں۔ ہر گاؤں میں ایسے ۳ عہدہ دار ہوتے ہیں ایک مالی پٹیل دوسرا کوتوالی پٹیل تیسرا پٹواری یا کلکرنی۔ ان میں سے اکثر تو ایک ہی خدمت یا ایک دو گاؤں ہی کے وطن دار ہیں لیکن بعض دیس مکھ اور دیسپانڈے کئی کئی مواضع کے وطن دار ہیں اس لئے ان کا اثر و نفوذ دہقانوں میں بدستور رہا اور اس سے یہ بسا اوقات ناجائز فائدہ اٹھا کے غریب کسانوں کا خون چوستے حکومت کو نقصان پہنچاتے اور اپنا گھر بناتے رہے۔ یہی وہ وجوہ ہیں کہ عام زراعت پیشہ کے مقابلہ میں یہ طبقہ خوش حال رہا اور خوش حال ہے۔ ان میں سے کئی ایک نے زراعت اور وطن داری کے علاوہ تعمیرات' آب پاشی' چوبینہ' آبکاری کے گتے بھی لئے موٹر سروس چلائی جننگ اور آئیل ملس قائم کئے تجارت میں دخل دیا اور لاکھوں کماتے رہے۔

آج سے کوئی ۵۰ سال قبل تک وطن داروں اور دیس مکھوں کی بود و باش باوجود تمول کے دہقانی تھی ان کا لباس' ان کا کھانا پینا' ان کی ذہنیت' نشست برخاست'

www.taemeernews.com

بات چیت ان کے ملازم' ان کی سواری سب میں یہی رنگ تھا مگر جب سے کہ ریل اور سڑکوں کا جال ملک میں پھیلا گاؤں گاؤں موٹریں دوڑنے لگیں۔ دیہات شہر سے متصل ہو گئے اور ساتھ ہی ساتھ حکومت سرکار عالی نے بڑی فیاضی سے کروڑوں کے مصارف برداشت کر کے تعلیم کی اشاعت کی۔ جائے جائے مدارس قائم کئے اور حصول تعلیم کو ارزاں رکھا تو یہ کچھ پڑھ بھی لئے اہل شہر سے ان کا میل جول ہوا ان کا طور و طریق بدلا یہ جو پہلے پختہ گڑھیوں میں رہتے تھے اس میں زمانہ حال کے مذاق تعمیر کے مطابق ترمیم کی یا نئی عمارتیں بنوائیں' لباس اثاث البیت' سواری' عورتوں کے زیور ان کے بناؤ سنگار میں جدت پسندی کا رنگ چڑھا۔ ان کے نوجوان "فیشن ایبل" ہو گئے سفر سیاحت' سیرو شکار کا شوق ہوا۔ دیہی خاموش زندگی سے اکتا کے چہل پہل' کھیل تماشے' ناچ گھر اور سنیما کے ذوق میں ان میں کے بیشتر شہر میں آبسے۔ سرکار آصفیہ کی مالی مدد (اسکالرشپ) لے کے کئی ایک نے یورپ اور امریکہ میں تعلیم کی تکمیل کی اور چند تو یورپین بیویوں کو بھی لے آئے۔ سرکار عالی نے چھوٹی بڑی متعدد خدمتوں پر ان کو مامور کیا۔ اہم سررشتے ان کے ہاتھ میں دیئے اور ۱۹۵۲ء سے تو عوامی جمہوری حکومت میں ان میں سے کئی ایک اسمبلی کی نشستوں پر آگئے اور وزارت کے قلمدان سنبھال لئے۔

مزدور

مزدور چاہے وہ کھیت میں کام کرنے والے ہوں' تعمیرات کے کاموں میں لگے ہوں' صحرا کی قطع و برید کرتے ہوں' سیندھی شراب کے کاروبار میں مصروف ہوں' کوئلے یا سنگ سیلو کے معدن میں محنت کرتے ہوں یا حمالی سب کے سب سخت محنت کش اور ساتھ ہی ساتھ شدت سے مفلوک الحال تھے۔ اس کثیر گروہ میں صرف تعمیرات کے اور وہ بھی بس ۲۔۱۳ ایسے ملیں گے۔ جنہوں نے ترقی کر کے سررشتہ تعمیرات یا آبپاشی کی کوئی چھوٹی سی ذیلی خدمت حاصل کرلی۔ یا ان میں کے ایک دو گتہ دار ہو گئے ورنہ یہ پیدا ہوتے تو مفلس گھر میں اور مرتے تو کنگال' کھیت کے کسی مزدور کو ۵۔۱۰ ایکڑ کا پٹہ دار ہوتے نہیں

www.taemeernews.com

دیکھا جنگل کاٹنے والا مزدور کہیں کا مستاجر نہیں ہوا۔ کارخانے اس صدی کے ابتداء میں بہت کم تھے اس لئے ملس کے مزدوروں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی۔

کھیت پر کام کرنے والا مزدور جو آج چار سو روپیہ سالانہ پر بھی نہیں ملتا ۳۰ برس پہلے صرف سو روپیہ سالانہ اور ایک کمبل پر مل جاتا تھا اس کو یہ معاوضہ خدمت بھی مشتر کا غلہ و نقدی کی صورت میں بدفعات حاصل ہوتا یعنی فصل کی کٹائی کے وقت یا جب خود اس کے کھانے کے لئے غلہ نہ ہوتا یا اس کو یا اس کے خاندان کے کسی فرد کو دکھ بیماری نے آگھیرا تو یہ کچھ مانگ لیتا اور اس قلیل معاوضہ پر بھی دن رات کھیت کے کاموں میں لگا رہتا۔ کڑاکے کے جاڑے ہوں کہ چلچلاتی دھوپ' اندھیرا گھپ ہو کہ چاندنی رات غریب شب و روز ناگر مارتا' تخم بوتا' موٹ چلاتا' پانی باندھتا' جانوروں کی خدمت کرتا' مچان پر بیٹھ کر کھیت کی نگرانی کرتا۔ درندوں کا خوف' موذی کیڑے مکوڑوں کا اندیشہ اس کو اس کے کام سے باز نہیں رکھتا۔ کمبل اوڑھ کے پتھر کا تکیہ لے کے کھیت کے مینڈھ پر اس چین سے یہ سوجاتا کہ مسہری میں مخملی گدوں پر آرام کرنے والے سیکڑوں کو اس اطمینان کی نیند نہیں آتی۔

کھیت کی کلچائی' کٹائی اور جانوروں کا کوٹھا عموماً عورتیں صاف کرتیں۔ آخرالذکر کام پنچ کردہ اقوام کی عورتوں کے سپرد تھا ان کو اس کے معاوضہ میں روزانہ اتنا غلہ ملتا جس کی قیمت دیڑھ دو آنہ سے زائد نہ ہوتی۔

گاؤں میں بلوتہ داروں کے نام سے مزارعین کی خدمت کے لئے متعدد پیشہ ور بڑھائی' لوہار' چمار' دھیڑ' حجام رہتے تھے جن کو سرکار سے اراضی انعام تھی اور قانون مالگزاری کے تحت فصل کی کٹائی پر مزارع سے ایک چھوٹی سی مقررہ مقدار میں غلہ پانے کا حق بھی رکھتے تھے بلوتہ دار بھی ایک قسم کے زراعتی مزدور تھے جو مزارعین کے زراعتی کاموں میں اپنے پیشہ ورانہ خدمات سے مدد کرتے۔ مثلاً چمار بیلوں کے سپٹے یا موٹ کے تنڈم کی مرمت کر دیتا۔ بڑھائی اور لوہار آلات زراعت کی درستی کرتے دھیڑ مردہ جانوروں کو اٹھا لے جاتے ان کی عورتیں جانوروں کا کوٹھا صاف کر کے اپلے لگا دیتیں۔

www.taemeernews.com

تعمیرات کا کام کرنے والے مزدوروں میں جو معمار چونے کا بہتر کام جانتے تھے ان کو روزانہ ۱۴ آنے سے ایک روپیہ ۲ آنے تک اجرت ملتی تھی ورنہ ۱۲ آنے ہی پاتے۔ آج سے کوئی ۴۵ سال پہلے سیمنٹ کے کام سے یہاں کوئی واقف ہی نہ تھا اور اب کوئی مکان بغیر سیمنٹ کی معتدبہ مقدار کے بنتا ہی نہیں۔ غیر فن دار مزدور جو بیلدار کہلاتا تھا ۴ آنے اور عورت یعنی مزدورنی کو ۲ آنے یومیہ اجرت ملتی تھی۔

حیدر آباد کے شمالی فصیل کے بازو بہنے والی رود موسیٰ کو بتاریخ ۲۲ر آبان ۱۳۱۷اق م ۲۸ ستمبر ۱۹۰۸ء طغیانی ہوئی جس کی وجہ سے شہر کو خاصہ نقصان پہنچا۔ افضل گنج اور چادر گھاٹ کے پل ٹوٹ کر شیشے کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے پرانے پل کو بھی بڑی حد تک نقصان پہنچا۔ سیکڑوں مکان گر گئے بہت سی جانیں اور مال تلف ہوا سیلاب کی اس تباہی کے بعد تعمیر کے کام کرنے والوں کی مانگ بڑھ گئی اور ان کی شرح اجرت میں اضافہ ہو گیا۔ معمار کو ایک روپیہ آٹھ آنے بیلدار کو ۶ آنے اور مزدورنی کو ۳ آنے ملنے لگے۔ یورپ کی پہلی جنگ میں جو ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک جاری رہی اشیاء مایحتاج کی قیمتیں بڑھ گئیں تو مزدوریوں میں بھی اور اضافہ ہو گیا پھر جرمنی کے ساتھ یورپ کی دوسری جنگ ۱۹۳۹ء۔ ۱۹۴۵ء کے زمانہ میں اجرت اور چڑھ گئی اب اشیاء مایحتاج کی موجودہ پریشان کن گرانی میں تو معمار ایک روپیہ آٹھ آنے بیلدار سے ' مزدورنی روپیہ ۱/۴ روزانہ سے کم پر ملتی ہی نہیں اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ پہلے کم اجرت میں کام محنت اور ڈر سے کیا جاتا تھا اب بڑی اجرت کے باوجود محنت کم ڈر مفقود فرض شناسی عنقا ہے۔

یورپ کی جنگ کے زمانے میں جبکہ بیرونی سامان کی درآمد کرنے میں دشواریاں تھیں صنعت کے طرف کچھ ہلکی سی توجہ یہاں ہوئی چھوٹے پیمانے پر کچھ کارخانے چلنے بھی لگے اور اسی زمانے سے مزدور طبقہ کے لئے "ملس" میں کام نکل آیا۔ ابتدا میں تو اجرت کی ارزانی بھی قیام فیکٹریس کی ترغیب کا ایک باعث ہوئی کہ یہ احمد آباد' بمبئی اور دوسرے متصلہ تجارتی شہروں کے مقابلے میں کم تھی لیکن جدید کارخانوں میں مزدوروں کی

www.taemeernews.com

مانگ اور اشیاء مایحتاج کی روز افزوں گرانی کی وجہ سے مزدوری میں اضافہ ہو تا گیا جس کا اثر سرکاری اور غیر سرکاری زراعتی، تعمیری، برقی، آب رسانی، صفائی، ریلوے اور دوسرے شعبوں میں کام کرنے والے مزدوروں اور ملازمین کی اجرت اور تنخواہ دونوں پر پڑا۔ کارخانوں میں غیر فن داں مزدور بھی ڈیڑھ سے تین روپے روزانہ پاتا ہے۔ اور عورت بھی زراعت یا تعمیر کے پر مشقت کام کے مقابلے میں ہلکی سی محنت ٹھنڈی چھاؤں میں کرکے چالیس روپے ماہانہ تک کمالاتی ہے۔ اضافہ اجرت اور مدرسہ میں ابتدائی تعلیم پانے کی وجہ سے نوجوان مزدور کو جو چاہے جھونپڑی رہتا ہو ٹیپ ٹاپ کا شوق ہو گیا ہے اور وہ جو کبھی میلی دھوتی لپٹا رہتا تھا آج شرٹ، نکر یا پتلون پہنتا ہے۔ نکر اور پتلون کا موٹا میل خوزا کپڑا سستا پڑتا اور زیادہ دن بھی چلتا ہے۔ مونڈھے سر پر جٹو کے عوض اب اس کے بالوں کی تراش خراش انگریزی وضع کی اور اس میں کنگھی ہوتی ٹیڑھی مانگ نکلتی ہے۔ شملہ کی میلی چندی غائب ہو گئی دوسرے یہ کہ جمائے ہوئے بالوں کی زینت نظر آتی ہے تیسرے یہ کے نکر یا پتلون پر ٹوپی نہ پہن کے صاحب بہادر کی بھونڈی سی نقل کرکے اترا سکتے ہیں۔ بکھرے ہوئے بالوں کو درست کرنے کے لئے اس کی جیب میں ہر وقت کنگھی بھی رہنے لگی ہے جس کو وہ وقت بوقت بالوں میں پھیرتا رہتا ہے۔

ننگے سر رہنے کا رواج نہ صرف مزدوروں میں بلکہ اکثر نوجوانوں خصوصا طلباء میں بھی کثرت سے ہو گیا ہے۔ درآں حال یہ کہ آج سے ۲۰۔ ۲۵ سال پہلے ننگے سر رہنا وضعداری کے خلاف تھا۔ کوئی شریف ننگے سر باہر نہیں نکلتا تھا۔ بزرگوں کے سامنے آقا یا افسر کی پیشی میں ننگے سر جانا بدتمیزی تھی مگر اب عین فیشن ہے۔ کارخانے میں کام کرنے والی مزدورنی بھی صابن سے منہ ہاتھ دھو کر بال سنوار کے ساڑی اور بلوز زیب تن کرکے چونڈے میں پھول لگا کے کام پر جاتی ہے۔ صفائی اور لباس کا یہ اہتمام اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ کارخانے میں میلے کچیلے جسم اور لباس سے آنے کی ممانعت ہے غرض اس ظاہری نمائش کے سوا اضافہ اجرت سے مزدور کے قیام وطعام عادت واخلاق میں ذرا بھی اصلاح نہیں ہوئی البتہ سنیما بینی اور چائے کا چسکا پڑ گیا یہ اس وجہ سے بھی کہ

www.taemeernews.com

سنیما کے مالک اور چائے کے تاجر عریاں تصاویر بتا بتا کے مفت چائے پلا پلا کے عوام کو سنیما کی طرف بلا رہے اور چائے کا عادی کر رہے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل مجھ سے ایک معمار کہہ رہا تھا کہ جس زمانے میں آپ ہم کو ایک روپیہ اجرت دیتے تھے اس میں آج کے ۸ اور ۹ سے زیادہ برکت تھی آج اتنی زائد مزدوری لے کے ہم عورت مرد کھاتے ہیں تو بچوں کو بھوکا سلاتے ہیں اور جو بچوں کو کھلاتے ہیں تو ہم بھوکے رہتے ہیں اسی نے کہا کہ آپ اپنے پاس کی شادیوں میں جو پلاؤ ہم لوگوں کو دیتے تھے اس کے کھانے کے بعد رگڑ رگڑ کر ہاتھ دھونے پر بھی دوسرے دن تک پلاؤ کی خوشبو ہاتھ میں رہتی تھی۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ آج کے پلاؤ میں وہ لذت وہ نفاست وہ ذائقہ وہ مہک ہی نہیں جو پہلے کبھی تھی اور وجہ ظاہر ہے کہ نہ تو پہلے جیسا خالص گھی ملتا ہے نہ دہی نہ ملائی نہ زعفران نہ کسی میں اتنی سکت ہے کہ سیر بھر دو گوشتہ پلاؤ جو کبھی روپیہ سوا روپیہ میں پک جاتا تھا اس کے لئے آج تقریبا ۲۰ روپے خرچ کرے اور پھر اجناس کی ملاوٹ پکوان میں لطافت نہ پیدا ہونے دے۔

فقراء

ان بڑے طبقوں کے علاوہ جن کا اوپر ذکر آیا کچھ چھوٹے چھوٹے گروہ اور بھی تھے ازاں جملہ ایک جماعت فقراء کی تھی۔ اس گروہ میں اکثر و بیشتر ایسے ہی افراد تھے جن کا پیشہ آباو اجداد سے بھیک مانگنا ہی تھا یہ کسی قبر' چلہ' سمادھ' مٹھ' دیول' استھان عاشور خانہ یا تکیہ کے مالک یا مجاور بھی ہوتے تھے ان میں سے بعض کو اراضی انعام یا نقدی رسوم نندادیپ' اگنی ہوتری' عودو گل جاترا' خدمت درگاہ یا سمادھ استادگی علم' عرسیات وغیرہ وغیرہ کے لئے سرکار عالی سے ملتا رہا ہے۔ موروثی فقراء اپنا جانشین بھی مشائخین اور گوسایوں کے طرح بناتے ہیں غیر موروثی فقراء میں یتیم' یسیر' بیوہ' معذور ہوتے پھر بھی ان کی تعداد اتنی نہ تھی جتنی آج نظر آرہی ہے۔ ہمیشہ یہی دیکھا کہ فقراء صبح تڑکے سے بڑی رات تک گلی گلی' گھر گھر مرثیہ یا نعتیہ اشعار پڑھ کے چیخ چیخ کے دعائیں دے

www.taemeernews.com

کے طرح طرح کے نعرے لگا کے اللہ رسول کا واسطہ دے کے پیسے مانگتے پھرتے ہیں۔ ہندو فقراء جن میں بعض آنکھ' ناک' منہ اور پیشانی کو رنگتے بھی ہیں۔ یکتارہ' تنبورہ' جھانجھ اور ڈھول بجاتے ہوئے کتھا سناتے پھرتے ان میں سے ایک آدھ کوئی مورتی بھی کپڑوں سے ڈھانپ کے ساتھ رکھتا اور کوئی گائے کو شال اور چادر اوڑھا کے اپنے ہمراہ لئے پھرتا اور ایک ایک کے دروازہ اور دوکان پر رک کر پیسے یا غلہ مانگ لیتا۔ بالوں کا جوڑا باندھ کے سر سے پیر تک بھبوت لگا کے لنگوٹی کسے ہاتھ میں چمٹا لئے ایک خاص لے سے اس کو بجاتے ہوئے بیراگی بھی گشت لگاتے اور کھانے پینے کی چیزیں میوہ مٹھائی وصول کرتے۔ ایک قسم نیچ کردہ ذات کے فقراء کی ایسی بھی ہے جو خیرات کے لئے آڑ جاتی خیرات نہ دی جائے تو اپنے آپ کو لمبے لمبے کوڑوں سے پیٹتی۔ مسلمان فقراء میں بھی ایک جماعت رفاعی فقراء کی ہے جو خیرات نہ ملنے پر ایک چھوٹے سے آہنی گرز کی انی سے اپنی آنکھ نکال لیتے یا جسم پر زخم لگا لیتے۔

اندرون مسجد سوال کرنا شرعا ناپسند ہے کہ اس سے عبادت میں خلل ہوتا ہے اس لئے پیشہ ور فقراء خصوصا جمعہ اور عیدین میں مسجد اور عیدگاہ سے باہر راستے کے دونوں طرف کھڑے رہتے ان کو کوئی پیسہ دو پیسے دیتے اور کوئی ایک ایک دو دو کوڑیاں بانٹتے جاتے کہ اس وقت کوڑیوں کا چلن تھا جنازے خصوصا اس جنازے کے ساتھ جس کے پیچھے روٹیاں ہاتھی پر رکھ کے بانٹی جاتی تھیں یا اس ارتھی کے سامنے جس کے آگے آگے پیسے پھینکے جاتے تھے فقراء کا انبوہ ہوتا۔ ہاتھی اور پیسے بانٹنے والے کے قریب پہنچنے کی کشمکش' روٹیوں کی چھینا جھپٹی اور پیسوں کی لوٹ رہتی اسی لئے اس اژدحام میں ہٹے کٹے مسٹنڈے ہی ہوتے۔ ضعیف اور معذور دور دور رہتے کوئی روٹی ان کی طرف پھینکی بھی گئی تو یہ موٹے تازے ان پر پل پڑتے اور روٹی اچک لے جاتے۔

ارزانی' فراوانی اور فراغت تھی۔ اللہ کے نام پر دینے کی رغبت تھی اس لئے داد و دہش دل کھول کر ہوا کرتی۔ کوئی بیمار ہوا کسی کو صحت ہوئی۔ کسی بچے کا کاج ہوا۔ کوئی مقدمہ جیتا کسی کا کوئی کام نکل آیا۔ دربار سے سرفرازی ہوئی۔ رمضان یا محرم آیا

www.taemeernews.com

سرادھ یا کریا کرم چہلم یا برسی ہو تو غرباء کو کھلانے' غلہ' کپڑا یا نقد دینے کی عام عادت تھی۔ امراء اپنی سواری میں خصوصا اس وقت جبکہ دربار سے خطاب یا کوئی اور اعزاز پا کے نکلتے تو راستہ تمام مٹھیاں بھر بھر کے نقدی پھینکتے جس میں اشرفیاں بھی ہوتیں۔ روپیہ بھی دوانیاں' چوانیاں بھی اٹھ انیاں بھی' زمانہ زیر ذکر میں شاید ہی کوئی ایسا گھر تھا جہاں سے محلّہ کے ایک یا چند غربا کو ایک دو وقت کا کھانا دیا جاتا ہو ہر جمعرات کو کچھ نہ کچھ خیرات نہ کی جاتی ہو فقیروں کی ایک صدا یہ بھی تھی "جمعرات بھری مراد دے اللہ کے نام پر" سیکڑوں گھروں میں گیارھویں' بارھویں' کونڈوں' اہل بیت' یا کسی پیر' ولی کی نذر و نیاز کے نام سے سال میں دو چار بار دس بیس غریبوں کو کھلایا جاتا تھا۔

اعلیٰ حضرت آصف جاہ سادس نواب میر محبوب علی خاں کے دسترخوان مشہور ہیں جہاں تکلف کا پلاؤ ہر روز غرباء کو کھلایا جاتا تھا۔ روک کسی کی نہ تھی جو چاہتا جاتا اور پیٹ بھر کے کھاتا کھلانے کا یہ سلسلہ جب شروع ہوتا تو ایک دو دن نہیں ہفتوں چلتا۔ جن دنوں یہ دسترخوان ہو رہے تھے۔ ملک میں تھوڑی سی بھی گرانی ہو جاتی تو کتنے تو سدابرت اور لنگر خانے کھل جاتے' حکومت گرانی الونس دیتی۔ زرمالگزاری جزءً یا کلاً معاف اور امدادی کام جاری کر دیتی۔ ایک گرانی کے زمانے میں اس وقت کے ایک مشہور مسلم تاجر سجن لال نے غلہ کی روزانہ تقسیم اس دریادلی سے کی کہ حاتم کی طرح ان کا نام ملک بھر میں مشہور ہو گیا۔

مختصر یہ کہ داد و دہش کی کثرت کے باوجود غیر پیشہ ور بھیک مانگنے والے اتنے نہ تھے جتنے آج ہیں۔ عام طور پر یہ پیشہ حقیر اور ذلیل ہی سمجھا گیا کہتے تھے کہ اس ذلت کی کمائی سے تو بھیک مانگنا اچھا مگر آج گرانی' ہولناک گرانی' خانماں گرانی' بے روزگاری' کساد بازاری' تحفیف' فرقہ پرستی' لوٹ غارتگری' مصائب و آلام نے ادھر محتاجوں کی تعداد بڑھادی تو ادھر دینے والوں کے ہاتھ تنگ کر دیئے اس لئے اب نہ ویسا غلہ بٹتا ہے نہ کپڑا نہ وہ دسترخوان رہے نہ اطعام طعام' بازار ہو کہ تفریح گاہ مسجد ہو کہ مندر' درگاہ ہو کہ سمادھ' قبرستان ہو کہ مسان ہر جگہ فقیروں کا ایسا ہجوم ہے جیسے جھوٹے پر مکھیاں۔

www.taemeernews.com

فقیروں کو جھڑکنا بھی پاپ سمجھا جاتا تھا۔ "سائیں معاف کرو" "اچھا مائیں پھر کبھی آنا" یہ پہلے کی عذر خواہی تھی۔ چلو، ہٹو، نکلو، ہٹے کٹے ہو کہ بھیک مانگتے شرم نہیں آتی، کوئی کام کرو، مزدوری کرو یہ آج کی ڈانٹ ڈپٹ ہے۔

قوال بہروپے اور ہیجڑے

ایک چھوٹی سی جماعت قوال، بہروپیوں اور ہیجڑوں کی بھی تھی۔ زمانہ قریب تک بہروپیوں کی ایک جاگیر بھی بحال رہی ہے مگر وہ حالیہ انضمام جاگیرات سے پہلے ہی لے لی گئی۔ اب تو بہروپئے کہیں نظر بھی نہیں آتے اور ان کی مانگ یوں بھی نہیں رہی کہ سنیما کے پردے پر ہر روز بیسیوں بہروپئے مختلف روپ میں سامنے آتے رہتے ہیں۔ پہلے تو ایک چھوٹی سی جاگیر ہی انہیں ملی تھی آج ہزاروں لاکھوں کی ان پر وارن پھیرن ہے۔

ہیجڑوں کا بدبخت طبقہ جن میں اکثر اپنے ہاتھوں مردانہ زندگی برباد کرکے اس جماعت میں شریک ہو جاتے ہیں۔ ملک کا بڑا شرم ناک اور گندہ طبقہ ہے یہ گاتے بجاتے اور ناچتے جس گھر میں زچگی ہو وہاں پہنچتے تالی اور ڈھول بجا بجا کر تھرکتے اور انعام لئے بغیر نہیں ٹلتے۔ شہر میں ان کا ایک محلہ آباد تھا اور ایک الاوہ بھی ہیجڑوں کا الاوہ کہلاتا تھا اور اب بھی اسی نام سے موجود ہے۔ اگرچہ کہ پہلی حکومت کی طرف سے ہیجڑہ بنانے کی ممانعت تھی مگر اس طبقہ کے افراد اب تک باقی ہیں پرانے بوڑھے ہی نہیں بلکہ ان میں نوجوان بھی نظر آتے ہیں۔

طوائف

چودھویں صدی فصلی کے ربع دوم کے وسط تک کوئی شادی کوئی تقریب ایسی نہ ہوتی جہاں ایک نہیں متعدد طوائفیں نہ بلائی جاتی ہوں۔ رت جگا، سانچق، مہندی، عقد، چوتھی، ولیمہ، جمعگی یعنی آغاز رسومات شادی سے اختتام تقریب کے کئی کئی دن بعد تک مجرے ہوتے رہتے۔ شادی تو بڑا کاج ہے چھلہ، چھٹی، عقیقہ، سالگرہ، زناربندی،

www.taemeernews.com

بسم اللہ' ختنہ' روزہ کشائی' عید' جاترا طوائف کے گانے کے بغیر سونی سمجھی جاتی تھی حتیٰ کہ اعراس میں ان کا گانا ہوتا اسی زمانے میں بعض نامور طوائف صاحب جائداد دولت مند گزری ہیں اور اس صدی سے تھوڑے ہی قبل صاحب علم و نقارہ بھی رہی ہیں۔ ہر زمانے میں بڑے بڑے ذی شان و ذی اقتدار ان کے قدرداں رہے اونچی اونچی ڈیوڑھیوں میں ان کی رسائی رہی۔ ایسی رسوخ یافتہ طوائف میں سے کوئی محرم یا کسی اور میلے میں تماشہ دیکھنے یا یہ کہئے کہ خود اپنے حسن و جمال کا تماشہ بتانے دولت و اقبال کا مظاہرہ کرنے نکلتی تو اپنے پورے طائفہ کے ساتھ تاش بادلہ' سنہری روپہلی مصالحہ کی اکلائی' پشواز' جگمگاتے قیمتی زیور پہنے عطر میں بسے ایسے ہاتھی پر سوار ہوتی جو بانات جھول کار چوبی گدی اور چاندی کے زیور سے آراستہ ہوتا اور اگر سواری رتھ میں نکلتی تو رتھ کے مخملی قبہ پر چاندی کا کلس دنڈوں پر نقروی خود رتھ کے چاروں طرف اطلسی پردے ریشمی ڈوریوں مقیش کے پھندنوں کے ساتھ لٹکے ہوتے اور سفید انڈے جیسے میسوری بیل اس میں جتے ہوتے۔ بیلوں پر کارچوبی جھول اور چاندی کی سنگوٹیاں ہوتیں۔ اطلس کی شیروانی' بنارسی شملہ باندھا ہوا رتھ بان سرخ ریشمی بگیے تھامے بیلوں کو آہستہ آہستہ ہانکتا رہتا۔ تماش بین اس حسین تماشے کو گھور گھور کے دیکھتے شوخ نوجوان اشارے بھی کرتے فقرے بھی کستے مسکراہٹ کا تبادلہ بھی ہوتا۔

دکھنی طوائف کے علاوہ شمالی ہند کے طوائف بھی کثرت سے یہاں آگئیں۔ لکھنؤ' دلی' میرٹھ' شاہجہان پور' آگرہ کے بعض طوائف عرصہ تک خاص شہرت رکھتی تھیں۔

www.taemeernews.com

فصل دوم

بھارت کا فوجی حملہ

اور

سقوط حیدرآباد

www.taemeernews.com

سقوط حیدر آباد کا پس منظر

معین الدین عقیل / عمر خالدی

بیسویں صدی کے آغاز میں مملکت آصفیہ کی جغرافیائی صورت اس طرح تھی کہ ساری مملکت چاروں طرف سے ہندوستانی علاقوں اور صوبوں سے گھری ہوئی تھی۔ مملکت کی ۸۵ فیصد آبادی ہندو تھی یا ہندو کہلاتی تھی، کیوں کہ "آدی باسی" قبائل اور دیگر قومیتیں بڑی تعداد میں تھیں جو اپنے آپ کو ہندوؤں میں شمار نہیں کرتی تھیں۔ پھر حیدر آباد کی آبادی کا بڑا حصہ "پست اقوام" پر مشتمل تھا، جو خود کو ہندو کہلانا پسند نہ کرتیں۔ کچھ قلیل تعداد عیسائیوں، سکھوں، پارسیوں اور بدھ مت کے پیروؤں کی بھی تھی۔ مسلمانوں کی آبادی کا تناسب تقریباً ۱۳ فیصد تھا اور یہ زیادہ تر شہروں یا قصبات میں آباد تھے۔ سرکاری زبان اردو تھی، مگر عوام کی اکثریت تلنگی، کنڑی اور مرہٹی بولتی تھی۔

سیاسی طور پر مملکت پر آصف جاہی حکمرانوں کا مکمل اقتدار تھا۔ ۱۹۱۹ء سے انتظام مملکت میں ایک نئے نظم و نسق کا آغاز ہوا۔ لیکن کچھ ہی عرصے میں اس وقت کی ہندوستانی سیاسی تحریکوں کے زیر اثر مملکت میں بھی جمہوری تحریکیں ابھرنے لگیں۔ ۱۹۲۷ء کے آس پاس "مجلس اتحاد المسلمین" کا قیام عمل میں آیا، جس کے ساتھ ساتھ "آریا سماج" "ہندو مہا سبھا" اور "حیدر آباد اسٹیٹ کانگریس" بھی وجود میں آئیں اور مملکت میں فرقہ وارانہ سیاست فروغ پانے لگی۔ یہاں تک کہ انگریزوں سے طویل تر جدوجہد آزادی کے بعد ہندوستان تقسیم ہو گیا اور جنوبی ایشیا میں دو مملکتیں بھارت اور پاکستان وجود میں آ گئیں۔ چناں چہ حیدر آباد کی ہندو اکثریتی سیاسی اور فرقہ پرست

www.taemeernews.com

جماعتوں نے مطالبہ کرنا شروع کردیا کہ چوں کہ (ان کے خیال میں) حیدر آباد نسلی' لسانی' جغرافیائی اور معاشی و تہذیبی اعتبار سے ہندوستان (بھارت) کا جزو ہے' اس لئے حیدر آباد میں جمہوری حکومت قائم کی جائے اور ریاست حیدر آباد کا ہندیونین (بھارت) میں انضمام ہو۔

حکومت حیدر آباد کا موقف یہ تھا کہ آزادی ہند کے نتیجے میں برطانوی اقتدار اعلیٰ کا خاتمہ ہوچکا اور دیسی ریاستیں بھی مکمل طور پر آزاد ہو چکیں' گویا وہ اس حیثیت پر واپس جاچکیں' جو برطانوی استعمار واقتدار سے پہلے انہیں حاصل تھی۔ بھارت کی حکومت' انڈین نیشنل کانگریس اور حیدر آباد اسٹیٹ کانگریس اور دیگر ہندو جماعتوں کا دعویٰ یہ تھا کہ جمہوری دور میں اکثریت پر اقلیت کی بالادستی جائز نہیں' اس بنیاد پر وہ حکومت حیدر آباد سے غیرمشروط طور پر بھارت میں شمولیت پر اصرار کرتی رہیں۔ ان کے مقابلے میں حیدر آباد کے مسلمانوں کی اکثریت کا یہ مطالبہ تھا کہ حیدر آباد بھارت اور پاکستان دونوں سے علیحدہ رہے اور ایک آزاد و خود مختار مملکت کی حیثیت سے جنوبی ایشیا میں اپنے نئے دور کا آغاز کرے۔

حیدر آباد اور دہلی کے درمیان ۱۹۴۷ء کی ابتداء سے مستقبل کے سیاسی تعلقات کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔ اس کے نتیجے میں نومبر ۱۹۴۷ء میں دونوں فریقین کے درمیان ایک "معاہدۂ انتظام جاریہ" طے پایا' جس کے ذریعے آئندہ کے تعلقات کا پرامن طور پر حل تلاش کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ لیکن بھارت کی نیت شروع سے خراب تھی۔ وہ جلد یا بدیر مملکت حیدر آباد کو اپنے میں ضم کرنے کا تہیہ کرچکا تھا۔ اس وقت اس کے پیش نظر سوال یہ نہیں تھا کہ آیا مملکت کا انضمام ہو یا نہ ہو' بلکہ یہ تھا کہ یہ انضمام فوری ہو یا اس میں تاخیر گوارا کی جاسکتی ہے؟ بدقسمتی سے اس وقت کے مسلمان حیدر آبادی قائدین نے بھی دور اندیشی' فراست اور سنجیدگی کا ثبوت نہیں دیا۔ "مجلس اتحاد المسلمین" کے قائدین کو بھارت کی اصل نیت اور اس کی فوجی' سیاسی اور معاشی قوت کا یا تو اندازہ نہ تھا یا پھر وہ جانتے بوجھتے ہوئے تمام تر ایک ایسا مہلک خطرہ مول لے

www.taemeernews.com

رہے تھے، جو مسلمانوں کے لئے یقیناً ہر طرح نقصان دہ ثابت ہوا۔

بھارت سے ٹکراؤ کی صورت میں کیا سنگین نتائج ہوسکتے تھے، اس کا حقیقی اندازہ اس وقت کم لوگوں کو تھا۔ "اتحاد المسلمین" کے قائدین لال قلعہ پر آصفی پرچم لہرانے کی بات کر رہے تھے اور دعویٰ یہ بھی تھا کہ وہ دن دور نہیں جب "خلیج بنگال کی لہریں اعلیٰ حضرت حضور نظام کے پاؤں چومیں گی"۔ ۱۹۴۸ء کا نصف سے زائد عرصہ امید وبیم میں گزر گیا۔

اگست ۱۹۴۸ء سے ہندو تحریکوں اور سازشوں کے نتیجے میں اور بھارتی حکومت کی سرپرستی میں مملکت کے سرحدی علاقوں میں مسلمانوں کے خلاف سخت ہنگامے شروع ہو گئے اور مسلمان آبادیوں پر مسلح ہندوؤں، یہاں تک کہ بھارتی فوج کے حملے وقتاً فوقتاً ہونے لگے۔ تا آں کہ ۱۲ اور ۱۳ ستمبر کی رات کو بھارتی فوجوں نے بیک وقت پانچ محاذوں پر اچانک اور بڑے پیانے پر حملہ کر دیا۔ اس حملے میں بھارتی فضائیہ نے بھی حصہ لیا اور بیدر، ورنگل کے ہوائی اڈوں پر زبردست بمباری کی۔ حیدر آبادی فوج نے کچھ تو وسائل کی کمی اور کچھ بے دلی اور کچھ غیر منظم صورت میں، کسی خاص تیاری کے بغیر، بھارت کی بری اور فضائی فوج کے حملوں کا جواب دینے یا ان سے دفاع کرنے کی کوشش کی لیکن ان کی کوششیں مؤثر اور کارگر نہ رہیں۔ ہاں، مجلس اتحاد المسلمین کے رضاکاروں نے بڑی بہادری سے بھارتی فوج کا مقابلہ کیا۔ مگر فریقین میں مقابلہ برابری کا قطعی نہ تھا۔ چناں چہ ۱۸ ستمبر کو حکومت حیدر آباد کی ہدایت پر حیدر آبادی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس طرح دکن میں مسلمانوں کے چھ سو سالہ قابل رشک اور قابل فخر اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔

ع خ

م ع

میجر جنرل احمد العیدروس
کمانڈر۔ان۔چیف ، حکومت نظام

www.taemeernews.com

"آپریشن پولو"

جنرل جے این چودھری

جنرل جے این چودھری ۱۹۰۷ء میں ایک بنگالی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ برطانوی ہند کی فوج میں کم عمری میں داخل ہوئے اور جلد جلد ترقی پائی۔ فروری ۱۹۴۸ء میں بھارتی حکومت نے ان کو "حیدر آباد فتح کرنے کی ذمہ داری" سونپی۔ حیدر آباد پر قبضہ کرنے کی کارروائی کے منصوبے کا خفیہ نام "آپریشن پولو" رکھا گیا تھا۔ غالباً یہ نام حیدر آباد میں پولو کھیل کی مقبولیت کی مناسبت سے رکھا گیا تھا۔ خصوصاً اس لیے کہ یہ کھیل وہاں فوجیوں میں خاصہ مقبول تھا۔ اور حیدر آباد کے ایک پولو کھلاڑی شاہ مرزا بیگ (متوفی ۱۹۳۶ء) ساری دنیا میں اس کھیل کے ماہر تسلیم کیے جاتے تھے۔

فوجی کارروائی کے اختتام کے بعد جنرل چودھری نے اس کارروائی کی مکمل روداد حیدر آباد ہی میں اپنی فرصت کے اوقات میں لکھنی شروع کی تھی، جسے مکمل کرکے انہوں نے: ARMOURED DIVISION IN OPERATION POLO نام دیا، لیکن یہ کتابی صورت میں شائع نہ ہو سکی۔ بعد میں کسی طرح یہ کتاب پاکستان پہنچ گئی اور تقریباً بیس برس بعد "اردو ڈائجسٹ" (لاہور) کے سالنامہ ۱۹۶۸ء میں مقبول جہانگیر کے ترجمہ و تلخیص کے ساتھ شائع ہوئی۔

جنرل چودھری ستمبر ۱۹۴۸ء سے دسمبر ۱۹۴۹ء تک حیدر آباد کے فوجی گورنر رہے، اس کے بعد فوج میں واپس چلے گئے۔ کچھ عرصہ کینیڈا میں بھارتی سفیر بھی رہے۔ ۱۹۸۳ء میں انتقال کیا۔

www.taemeernews.com

"آپریشن پولو"

جے این چودھری

فروری ۱۹۴۸ء کے ابتدائی دنوں میں آرمی ہیڈ کوارٹرز میں جنرل اسٹاف بھارت کی داخلی سیکورٹی کے منصوبوں پر کام کررہا تھا کہ حیدرآباد میں فوجی مداخلت کا سوال بھی زیر بحث آیا۔ ہیڈکوارٹرز کو علم تھا کہ حکومت حیدرآباد کے معاملے میں سوچ بچار کررہی ہے اور جلد یا بدیر اس سلسلے میں کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانے کے احکام جاری ہوں گے پیش قدمی کے طور پر جنوبی کمانڈر کے جی او سی ان چیف جنرل سر ای این گوڈرڈ کو ہدایت کی گئی کہ سکندرآباد پر اگر فوری ضرورت پیش آئے فوجی طاقت سے قبضہ کرنے کا منصوبہ تیار کیا جائے۔ اس اوپریشن کی تکمیل کے لئے جنرل گوڈرڈ کو اختیار دیا گیا کہ وہ ایچ کیو I آرمرڈ ویژن یا ایچ کیو 5 انفنٹری ڈویژن کے متعین دستوں کو اپنی کمان میں لے سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے ایچ کیو I آرمرڈ ڈویژن کا انتخاب کیا جس کی مجموعی طاقت یہ تھی۔

ایچ کیو 1 آرمرڈ ویژن اور ڈویژن ٹروپس

ایچ کیو 1 آرمرڈ بریگیڈ

۱۷ ہارس

۳ کیولری

۹ ڈوگرا

ایچ کیو ۷ انفنٹری بریگیڈ

۱۳ انفنٹری بٹالین

ایچ کیو ۱۹ انفنٹری بٹالین

www.taemeernews.com

ایچ کیو آرٹلری 1 آرمرڈ ویژن

فیلڈ رجمنٹ (ایس پی) آر آئی اے (۲۵ پی آر ایس) ۳۴ ایم اے ٹی کے رجمنٹ (ایس پی) آر آئی اے) ۹ پارا رجمنٹ آر آئی اے (۲۵ پی آر ایس)

اس کے علاوہ تین انفنٹری بٹالین اور ۱۸ کیولری کا ایک ٹروپ بھی بعد میں شامل کر دیا گیا۔

مارچ ۴۸ء کے آخر میں جنوبی کمانڈر کی طرف سے سکندر آباد پر قبضہ کرنے کا پلان آرمی ہیڈ کوارٹر کو موصول ہوا جس میں چند معمولی ترامیم کرنے کے بعد منظور کر لیا گیا۔ یہ پلان دو شاخہ تھا جس کے ذریعے حیدر آباد تک ایڈوانس کا نقشہ مرتب کیا گیا۔ پہلی اور بڑی فورس کو شولا پور، حیدر آباد روڈ کے ساتھ ساتھ تقریباً ۱۲۶ میل اور دوسری فورس کو بزواڑہ حیدر آباد روڈ پر تقریباً ۱۶۰ میل کا فاصلہ طے کر کے آگے بڑھنا تھا۔

آرمی ہیڈ کوارٹرز نے اوپریشن کی تکمیل کے بعد ریاست کا نظم و نسق برقرار رکھنے کا منصوبہ بھی ساتھ ساتھ تیار کیا۔ چنانچہ خاصے بحث و مباحثے کے بعد جون ۱۹۴۸ء میں سول ایڈمنسٹریشن آرگنائزیشن قائم کی گئی اس کے عملے کی ترتیب یہ تھی۔

ایک چیف سول ایڈمنسٹریٹر، ایک انسپکٹر جنرل پولیس، ریلوے، پی ڈبلیو ڈی اور محکمہ صحت کے چند نمائندے شامل تھے اس عملے کو مرکز یعنی حیدر آباد شہر کا کام کرنا تھا۔ اس کے علاوہ ریاست کے سولہ اضلاع کا انتظام کرنے کے لئے ایک ایک سول ایڈمنسٹریٹر اور ایک ایک ڈپٹی پرنٹنڈنٹ پولیس مقرر کیا گیا۔ یہ سب لوگ بمبئی سی پی اور مدراس کے صوبوں سے چنے گئے تھے اور ان کی تربیت اور ٹریننگ شروع ہو چکی تھی۔

اوپریشن کا پلان تیار کرنے والے لوگوں نے اس امر پر سب سے زیادہ غور و خوض کیا تھا کہ جتنی جلد ممکن ہو ریاست کے دارالحکومت حیدر آباد پر قبضہ کیا جائے۔ اوپریشن کو "پولو" کا کوڈ نام اس لئے دیا گیا کہ سکندر آباد میں پولو کھیلنے کے نہایت عمدہ میدان تھے اور انگریزوں کے زمانے میں انڈین آرمی کے اکثر بڑے بڑے افسر یہاں آن کر پولو کھیلا کرتے تھے۔

www.taemeernews.com

ان دنوں، 1 آرمرڈ ڈویژن کے کمانڈر میجر جنرل ایچ ایل اٹل تھے۔ انہوں نے اوپریشن پولو کی تمام تفصیلات کا جائزہ لینے کے بعد اپنے ڈویژن کی قوت کا بھی امتحان کیا اور اس طرح جو نتیجہ سامنے آیا، وہ نہایت حوصلہ شکن تھا۔ ڈویژن کا بڑا حصہ جھانسی میں اور بقیہ ادھر ادھر بکھرا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ تربیت یافتہ افسروں کی بھی کمی تھی اور جوانوں کو جنگی مشقیں بھی نہیں کرائی گئی تھیں موٹر گاڑیوں، ٹینکوں، ہتھیاروں اور دوسرے ضروری سازوسامان کا تقریباً ۴۰ فیصد حصہ غیر تسلی بخش اور ناکارہ تھا چونکہ ملک کی تقسیم تھوڑا عرصہ پہلے ہی ہوئی تھی اور نئے نئے یونٹ کمانڈر بھرتی کئے گئے تھے اس لئے ان کی کارکردگی پر زیادہ اعتماد بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ۳ کیولری ابھی تک نامکمل تھی اور ۱۸ کیولری کی طرف سے صرف ایک ہی کار آمد ٹروپ میسر آسکا۔ ۱ آرمرڈ انفنٹری بریگیڈ کی تربیت پونا میں شروع کی جاچکی تھی بریگیڈیئر اور کمپنی کمانڈر بھی سب کے سب نئے تھے ان میں سے کسی یونٹ کو بھی ابھی تک ٹینکوں پر کام کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ نواں انفنٹری بریگیڈ بلاشبہ آزمودہ کار اور اچھے آدمیوں پر مشتمل تھا لیکن بدقسمتی سے یہ بریگیڈ بھی ان دنوں بہت دور رانچی میں تھا۔ ڈویژن کے جتنے بھی اعلیٰ اور تجربے کار انجینئر تھے سب ہی کشمیر کے محاذ پر جاچکے تھے جس کی جنگ چھ ماہ پیشتر شروع ہوچکی تھی اور انہیں وہاں سے بلانا ممکن نہ تھا پس ایک ایڈہاک انجینئر گروپ جو جنوبی اور مغربی کمانڈر کے زیر تحت تھا جمع کیا گیا لیکن ان کے پاس نہ پورے آلات تھے اور نہ صحیح تربیت اور نہ تجربہ۔ تاہم ان سے کام چلایا جاسکتا تھا چنانچہ ان سب کی زور و شور اور نہایت سختی سے تربیت شروع ہوئی۔

اپریل کے اختتام تک حیدرآباد کی صورتحال (بھارتی نقطہ نظر کے مطابق) خاصی نازک ہوچکی تھی اور اب ضروری تھا کہ کوئی فیصلہ کن قدم اٹھایا جائے۔ چنانچہ ایچ کیو آرمرڈ ڈویژن کو ۱ آرمرڈ بریگیڈ کے ساتھ جنوب کی طرف بڑھنے کا حکم دیا گیا اور ابھی یعنی مئی کے آغاز میں ڈویژن نے حرکت کی ہی تھی کہ ڈویژن کمانڈر اور بریگیڈ کمانڈر کا تبدیل کردیا گیا۔ ۱۴ مئی کو میں نے (میجر جنرل چودھری) ڈویژن کمانڈر کے اختیارات

www.taemeernews.com

سنبھال لئے۔ اس سے دس روز پہلے یعنی ۴ر مئی کو اسٹاف کالج کے بریگیڈیر ایس ڈی ورما بریگیڈ کمانڈر کا عہدہ سنبھال چکے تھے۔ اپریل کے دوران ہی میں نویں انفنٹری بریگیڈ کو رانچی سے بنگلور جانے کا حکم دیا جاچکا تھا۔ اسی طرح ۱۷ ہارس کے ایک اسکوارڈن کو بزوڑہ بھیجا گیا تاکہ مدراس ایریا میں اپنی پوزیشن مستحکم کرے اور ۱۸ کیولری کا ایک ٹروپ ریاست جبل پور کی جانب روانہ ہوا۔ (یہ آزاد ریاست تھی)

مئی کے وسط تک اس تمام نقل و حرکت کے باوجود آرمرڈ ڈویژن اپنی پوری نفری جمع نہ کرسکا اس کی قوت کا بڑا حصہ اب بھی پونا' دھوند' احمد نگر' بنگلور اور اوندھ میں بکھرا ہوا اور زیر تربیت تھا یہ صورتحال میرے لئے انتہائی پریشان کن تھی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اوپریشن کیونکہ پایہ تکمیل تک پہنچے گا۔ میرے ماتحت جتنے بھی اسٹاف اور سروس آفیسر تھے سب کے سب نوجوان اور غیر تربیت یافتہ تھے اور آنے والے حالات کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہوئے خوف کھا رہے تھے۔ میں نے ان تمام حالات کی رپورٹ گورنمنٹ آف انڈیا کو ارسال کی اور گورنمنٹ نے وقت گزارنے کا بہترین طریقہ اختیار کیا۔ حکومت حیدر آباد کو زیادہ سے زیادہ دیر تک سیاسی مذاکرات اور سرکاری سطح کی گفتگو میں الجھائے رکھے۔

رضا کاروں کا خوف

حیدر آباد میں اتحاد المسلمین کے رضا کاروں کا بڑا زور تھا۔ ان کی تعداد دو لاکھ سے بھی تجاوز کر گئی تھی اور یہ لوگ بندوقوں' دستی بموں اور رائفلوں سے مسلح تھے۔ اتحاد المسلمین ریاست کی ایک زبردست سیاسی اور مذہبی جماعت تھی جو ہر وقت قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے پر تلی رہتی تھی۔ ریاست کے چپے چپے اور گوشے گوشے میں اس کے رضا کاروں کا اثر تھا اور انہوں نے ہندوؤں پر اپنی بڑی ہیبت بٹھا رکھی تھی۔ گورنمنٹ آف انڈیا نے نظام حیدر آباد سے کئی مرتبہ ان رضا کاروں کی مذموم اور ہندو دشمن سرگرمیوں پر احتجاج کیا مگر بے سود' واقعہ یہ ہے کہ خود نظام حیدر آباد اس جماعت کی

www.taemeernews.com

پشت پناہی کر رہے تھے۔ اتحاد المسلمین کا لیڈر ایک آتش نوا مقرر قاسم رضوی تھا۔ اس شخص نے اپنی تقریروں سے پوری ریاست میں ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا اور ایک کونے سے دوسرے کونے تک مسلمانوں کے اندر ہندوؤں کے خلاف نفرت و حقارت کی آگ بھڑکا دی تھی۔ گورنمنٹ آف انڈیا کے پاس اس شخص کی سرگرمیوں سے متعلق تمام خبریں تواتر سے پہنچتی تھیں حتیٰ کہ ایک مرتبہ قاسم رضوی نے جلسہ عام میں بھارت کے خلاف انتہائی زہریلی اور جوشیلی تقریر کرتے ہوئے کہا "ایک نہ ایک روز ہم آصف جاہی پرچم لال قلعہ دہلی پر لہرا کر رہیں گے اور خلیج بنگال اور بحیرہ عرب کی لہریں نظام کے قدم چومیں گی" اس نے یہ بھی کہا کہ حیدر آباد بھارت سے نہ صرف ٹکرانے کی قوت رکھتا ہے بلکہ اسے بری طرح مارنے کی سکت بھی اس میں ہے۔"

ریاست حیدر آباد کی پوزیشن بھی عجیب تھی۔ نظام حیدر آباد گورنمنٹ آف انڈیا سے گفت و شنید کے ساتھ ساتھ اپنی فوجی قوت بھی روز بروز بڑھا رہا تھا۔ بیرونی ملکوں مے بڑی تعداد میں ہتھیار ریاست کے اندر اسمگل ہو رہے تھے اور غیر مسلموں سے ہتھیار چھین کر انہیں نہتا اور بے بس کرنے کی مہم زوروں پر تھی۔ تقسیم ملک کے بعد بہت سے مسلمان بھاگ کر حیدر آباد میں پناہ لے رہے تھے۔ ان "نام نہاد پناہ گزینوں" پر مشتمل ایک اور فوج بنائی جا رہی تھی۔ مسلح پولیس کی نفری میں بھی اضافہ کیا جانے لگا۔ حتیٰ کہ کسٹم اور پولیس جیسے محکموں میں بھی ہر ادنیٰ سے ادنیٰ سپاہی اور افسر کو ہتھیار دے دیئے گئے اور بے شمار نئے افراد بھرتی کیے جانے لگے۔ ان سرگرمیوں کے علاوہ حیدر آباد ریڈیو دن رات انڈین یونین کے خلاف بمباسٹک پروپیگنڈہ کرنے میں مصروف تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں ایسی نہ تھیں جن پر غور نہ کیا جاتا۔ پھر یہ بھی اندازہ ہوتا تھا کہ ہم نے حیدر آباد کی قوت کا جو اندازہ کیا تھا' وہ صحیح نہیں' آخر یہ ریاست اتنی دیدہ دلیری کا مظاہرہ کس برتے پر تو کر رہی تھی چنانچہ نئے آرمی لیفٹیننٹ جنرل مہاراج شری راجندر نے اوپریشن پولو کو اس نقطۂ نظر سے ایک بار پھر دیکھا کہ اس میں کون کون سی ضروری تبدیلیاں ناگزیر ہیں اور کیا کیا اضافے آسانی سے کئے

www.taemeernews.com

جاسکتے ہیں۔ طے پایا کہ حیدر آباد کی طرف جو ڈویژن روانہ کیا جائے گا اس کی قوت میں مزید دستے شامل کرنے کے علاوہ ہوائی طاقت کا اضافہ بھی کردیا جائے تاکہ مغرب کی جانب انتہائی تیز رفتاری سے پیش قدمی کرکے جلد از جلد شہر حیدر آباد پر قبضہ کیا جاسکے اس مقصد کے لئے فرسٹ ہارس کو ٹینک مہیا کئے گئے اور پانچ جولائی سے ۱۱ر جولائی تک کا عرصہ ان کی سخت تربیت اور جنگی مشق کے لئے مقرر کیا گیا۔

(۲)

اس سے پیشتر کہ میں ۱۱جولائی ۴۸ء کے بعد کے واقعات قلم بند کروں، پڑھنے والوں کو ایک مہینہ پیچھے لے جانا چاہتا ہوں تاکہ جون میں پیش آنے والے چند اہم معاملات کی تصویر آپ کے سامنے آسکے۔ حیدر آباد کی شرارتیں ان دنوں عروج پر تھیں۔ اس کے رضاکاروں نے پولیس اور فوج کو اپنے ساتھ ملا کر انڈین یونین کے سرحدی گاؤں اور دیہاتوں میں آباد شہریوں کو ستانا اور ان کا مال اسباب لوٹنا شروع کردیا تھا۔ ان کے یہ حملے اتنے منظم اور بھرپور تھے کہ بھارتی سرحدی پولیس اور سول حکام سخت عاجز اور خوف زدہ رہنے لگے اور انڈین گورنمنٹ تک شکایات پہنچنے لگیں۔ چنانچہ ۱۱ر جون کو جنوبی کمانڈ کے نام گورنمنٹ کی یہ ہدایات موصول ہوئیں کہ انڈین آرمی کے چند یونٹ فوری طور پر حیدر آباد، انڈیا سرحد پر روانہ کئے جائیں جو حیدر آبادی حملہ آوروں کی سرکوبی کریں اور اگر ضرورت پڑے تو ریاست کی حدود کے اندر بھی ان کا تعاقب کیا جاسکے۔ آرمی یونٹوں کو سرحد پر بھیجنے کا دوسرا مقصد یہ بھی تھا کہ ہندوستانی سرحدی بستیوں کے لوگوں کو خوف و ہراس سے نجات دلائی جائے۔ اور انہیں اطمینان نصیب ہو۔ اس مقصد کے لئے فرسٹ آرمرڈ ڈویژن کو احمد نگر، شولا پور، بیجاپور اور دھروار کے اضلاع میں سرحدوں کی حفاظت کا کام بھی سونپا گیا۔ یہ سرحد تقریباً چار سو میل لمبی ہے اور ڈویژن کی طرف سے اس اوپریشن کا کوڈ نام اوپریشن کبڈی رکھا گیا۔ یہ تمام اضلاع تین سیکٹروں میں تقسیم کئے گئے اور ڈویژن کے ہر بریگیڈ کو ایک سیکٹر کی نگرانی سونپی گئی۔

اوپریشن کبڈی پر عمل شروع کرنے کے ساتھ ٹریننگ کا کام بھی جاری رہا، طے کیا

www.taemeernews.com

گیا کہ اوپریشن کے لئے کم سے کم ٹروپس لئے جائیں۔ اور زیادہ سے زیادہ کارکردگی دکھائی جائے! چنانچہ ڈویژن میں سے صرف ساڑھے تین بٹالین اور ٹینکوں کے دو ٹروپس مقرر کیے گئے۔ اگرچہ انڈین گورنمنٹ کی طرف سے ہمیں یہ واضح احکام مل گئے تھے۔ کہ ضرورت پڑنے پر ہمارے فوجی دستے شرپسند رضاکاروں کے تعاقب میں ریاست حیدر آباد کی سرحد عبور کرسکتے ہیں۔ لیکن ہم نے یہ کوشش کی کہ ریاست کی حدود پار نہ کی جائیں تاکہ نظام گورنمنٹ کو احتجاج کرنے کا موقع نہ ملے' تاہم ان رضاکاروں کی سرگرمیوں کے بارے میں ہماری طرف سے نظام کو وقتاً فوقتاً وارننگ ضرور دی جاتی رہی۔

اس دوران میں ہمارے گشتی دستوں سے ریاست کے رضاکاروں کی چند جھڑپیں بھی ہوئیں' لیکن ۲۰ جولائی کو ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے ہمارے صبر کا پیانہ لبریز کردیا۔

صبح کے پونے نو بجے ہماری سکھ رجمنٹ کی ایک کمپنی شولاپور کے قریب معمول کے مطابق گشت کررہی تھی۔ جب کمپنی کے جوان ایک گاؤں کے قریب سے گزرے' تو اچانک ان پر شدت سے گولہ باری شروع ہوگئی۔ یہ گولہ باری نانج گاؤں کے باہر سے پہلے تیار شدہ مورچوں میں سے کی جارہی تھی چند منٹ کے اندر اندر سکھ کمپنی کے کئی آدمی ہلاک اور شدید زخمی ہوگئے' لیکن اتفاق سے بٹالین کمانڈر لیفٹیننٹ کرنل پرتھی پال سنگھ موقع پر پہنچ گئے اور انہوں نے صورت حال پر کنٹرول کرلیا۔ انہوں نے کمپنی کے جوانوں کو منظم اور صف آراء کیا اور نانج میں چھپے ہوئے حیدر آبادی رضاکاروں اور پولیس دستوں پر حملہ کردیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے ریڈیو ٹیلی فون کے ذریعے سکھ بٹالین کی ایک اور کمپنی کو وہاں بلوالیا جو اس وقت بارسی کے مقام پر تعینات تھی۔ اس کمپنی نے نانج پر شمال کی طرف سے حملہ کیا۔ تین گھنٹے تک فریقین میں شدید گولہ باری اور خوں ریز جنگ ہوئی۔ آخر حیدر آبادی فرار ہوگئے اور سکھ کمپنی نے نانج گاؤں پر قبضہ کرکے اپنی پوزیشن مستحکم کرلی چونکہ ابتداء حیدر آباد کی طرف سے اچانک ہوئی

www.taemeernews.com

تھی اس لئے سکھ کمپنی کے چھ آدمی ہلاک اور پانچ زخمی ہوئے۔ بعد ازاں پھر جنگ ہوئی، اس میں ہمارا کوئی آدمی ہلاک یا زخمی نہیں ہوا۔ حیدر آباد کا نقصان ہمارے اندازے کے مطابق بہت زیادہ تھا ان کے کم از کم پچاس آدمی مارے گئے ان کی پوزیشنوں اور مورچوں کا معائنہ کرنے سے پتہ چلا کہ وہ گشت کرنے والے بھارتی سپاہیوں پر حملہ بولنے کی تیاریاں کئی دن سے کر رہے تھے اور خاصے عمدہ انتظام کرکے آئے تھے۔ مارے جانے والے بدمعاشوں میں زیادہ تر پٹھان رضاکار شامل تھے اور ریاستی سرحدی پولیس ان کی پشت پناہی کر رہی تھی انہوں نے نانج میں رہنے والے امن پسند دیہاتیوں کو جبرا" گاؤں سے نکال دیا تھا میں نے اس حادثے کی تفصیلات انڈین گورنمنٹ کو روانہ کیں وہاں سے احکام ملے کی نانج پر مستقل طور پر قبضہ کرلیا جائے اور سرحدوں کی نگرانی کے انتظامات مزید کڑے کردیئے جائیں۔

ہمارا خیال تھا کہ نانج میں پٹنے کے بعد حیدر آباد کے شرپسند رضاکار اپنی حرکتوں سے باز آجائیں گے لیکن ایسا نہیں ہوا اس کے تین روز بعد یعنی ۲۷ر جولائی کو خیر تلکی کے مقام پر ایک اور جھڑپ ہوئی ڈویژن کے اگلی پوزیشن پر سیکٹر کمانڈر کو اطلاع ملی کہ دو سو مسلح رضاکاروں کی جمعیت ایک ہندوستانی گاؤں پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہی ہے یہ اطلاع ملتے ہی سیکٹر کمانڈر ٹینکوں کی قوت کے ساتھ خیر تلکی جا پہنچا اور ابھی اس نے کوئی کارروائی نہ کی تھی کہ دوسری جانب سے فائرنگ شروع ہوگئی مختصر سی لڑائی کے بعد رضاکاروں نے حسب معمول راہ فرار اختیار کی ہم نے ان کے ۳۵ آدمی گرفتار کیئے ان میں ۱۹ افراد حیدر آباد پولیس سے تعلق رکھتے تھے تین پولیس انسپکٹر اور ۱۶ عام سپاہی۔

۵ر اگست کو تیسری جھڑپ ہوئی اس مرتبہ جنوبی نصف سیکٹر میں ہیڈ لگی کے مقام پر رضاکاروں نے فرسٹ بہار رجمنٹ کی دو کمپنیوں پر اپنے علاقے کے ایک گاؤں یالا سنگی میں چھپ کر حملہ کی جوابی کارروائی کی گئی اور ۶۲ رضاکار جن میں پٹھانوں کی زیادہ تعداد تھی مارے گئے اس لڑائی میں ہمیں حیدر آباد کی سرحد عبور کرنا پڑی لیکن رضاکاروں کی یورش کم کرنا اور دیہی آبادیوں کو امن و سکون مہیا کرنا تھا اور اس میں ہم خاصے کامیاب

www.taemeernews.com

رہے حتیٰ کہ ریاست کے اندر واقع سرحدی دیہاتوں کے لوگ بھی ہماری فوج کا پرجوش خیرمقدم کرنے لگے، کیونکہ وہ رضاکاروں کے ہاتھوں انتہائی پریشان تھے۔ ابتداء میں ان لوگوں نے ہندوستانی فوج کو مشکوک نظروں سے دیکھا مگر بہت جلد انہیں احساس ہوا کہ ہمارا مقصد انہیں نقصان پہنچانا نہیں بلکہ ان کی حفاظت کرنا ہے۔ وہاں پر آباد لوگوں کے ذریعے خاصی اہم معلومات حاصل ہوئیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے ہمارے ساتھ ہر ممکن تعاون کیا۔

(۳)

آخری جھڑپ اور گذشتہ دو جھڑپوں کی مفصل خبریں ہندوستانی ہندوؤں نے شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کیں اور ہندوستان میں ریاست کی ان مذموم حرکتوں پر خاصے غم وغصے کا اظہار کیا گیا ادھر حکومت حیدرآباد بھی نانج کے واقعے کے بعد ایک نئے بحران میں گرفتار ہو چکی تھی۔ ہندوستان سے لڑائی مول لینے کے مسئلے پر کابینہ دو حصوں میں بٹ گئی۔ حیدرآبادی فوج کے عرب کمانڈر انچیف جنرل العدروس کے بارے میں خبر ملی کہ اس نے استعفیٰ دے دیا ہے اور صورتحال خاصی نازک اور قابو سے باہر ہو رہی ہے انڈین گورنمنٹ حیدرآباد کے ہندوؤں کی جان و مال کی حفاظت کرنا چاہتی تھی اس لئے اس نے طے کر لیا کہ حیدرآباد کا معاملہ انڈین گورنمنٹ کے لئے انتہائی تشویش کا باعث بن گیا تھا اتحاد المسلمین کے لیڈر اور رضاکاروں کے سرغنہ قاسم رضوی نے ریاستی فوج کو حکم دے رکھا تھا کہ انڈین آرمی سے ہر صورت میں نانج گاؤں واپس لیا جائے۔ قاسم رضوی کی جوشیلی تقریروں اور نئے نئے احکام نے رضاکاروں کو پہلے سے بھی زیادہ بھڑکایا، مگر ہمیں اچھی طرح پتہ چل چکا تھا کہ وہ انڈین آرمی سے ٹکر لینے کی جرات نہیں رکھتے۔ انتقام کی آگ کو سرد کرنے کا یہی طریقہ انہیں نظر آیا کہ ریاست کی غیر مسلم آبادی کے خون سے ہولی کھیلی جائے۔ چنانچہ ریاست میں رضاکاروں کے مسلح دستے دن دہاڑے ہندوؤں کو قتل کرنے اور ان کا سامان لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ بازاروں اور گلی کوچوں میں بھی ان کے جتھے گشت کرتے اور جہاں کسی ہندو کو دیکھ پاتے پکڑ کر اس کی

www.taemeernews.com

تلاشی لیتے اور روپیہ پیسہ چھین لینے کے بعد مارتے پیٹتے غلے کے گودام لوٹے گئے تاکہ رضاکاروں کا پیٹ بھرا جاسکے حتیٰ کہ ریلوں میں سفر کرنے والے ہندو مسافروں کو بھی ڈبوں سے کھینچ کر نکالا اور لوٹ کر چھوڑ دیا گیا آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہندو عورتوں کی آبروریزی بھی اعلانیہ کی جانے لگی۔(یہ غلط بیانی کی انتہا ہے بعد کے واقعات نے ثابت کیا کہ کسی مسلمان رضاکار نے کسی ہندو عورت کو بے آبرو نہیں کیا۔ البتہ حیدر آباد پر قبضہ کرنے کے بعد ہندو اور سکھ سپاہیوں نے جو شرمناک حرکتیں کیں ان کی فہرست بہت طویل ہے مترجم)۔

ریاستی پولیس کا یہ حال تھا کہ وہ نہ صرف رضاکاروں کی ان خلاف قانون و اخلاق سرگرمیوں سے چشم پوشی کرتی تھی بلکہ موقع ملتا تو خود بھی ان کے ساتھ لوٹ مار میں شریک ہو جاتی۔ حیدر آباد پر جب ہم نے قبضہ کیا تو ایسے دستاویزی ثبوت ملے جن سے پتہ چلتا تھا کہ ہندو رعایا کے قتل و غارت 'ایذا رسانی میں ریاستی پولیس رضاکاروں کے دوش بدوش کام کر رہی تھی مثال کے طور پر ایک ڈسٹرکٹ پولیس آفیسر نے اپنے ماتحت کو تحریری آرڈر روانہ کیا کہ اس کا ایک جملہ یہ تھا۔

"اس موقع پر میں پولیس کا کوئی سپاہی نہیں بھیج سکتا' البتہ بیس رضاکاروں کو بھیج رہا ہوں۔"

کچھ دنوں بعد ریاست کے ایک سول آفیسر کی ڈائری سے انکشاف ہوا کہ رضاکاروں نے پولیس والوں سے مل جل کر ایک شریف اور مالدار ہندو کا مکان لوٹنے کے بعد نذر آتش کر دیا تھا۔ بعض لوگ ممکن ہے سوچیں کہ ایسے حالات ریاست میں پیدا نہیں ہوئے اور اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس میں مبالغہ آرائی ہے تو ایسے لوگوں کو ان افراد کے بیانات کا مطالعہ کرنا چاہئے جو نہ ریاست حیدر آباد کے ملازم تھے اور نہ ان کا تعلق انڈین یونین سے تھا بلکہ یوں کہے کہ اپنے فرائض کے سوا انہیں فریقین میں سے کسی کے ساتھ کوئی دلچسپی نہ تھی میرا اشارہ ان یورپین مشنریوں کے ارکان کی طرف ہے جو ریاست میں عیسائیت کی تبلیغ کر رہے تھے۔ (جنرل چودھری نے یہ سطریں لکھتے وقت

www.taemeernews.com

یقیناً" سوچا ہوگا کہ ایسی من گھڑت اور بیہودہ باتوں پر لوگ اعتراض کریں گے اس لئے یورپین مشنریوں کو درمیان میں گھسیٹ لیا۔ لیکن تعجب ہے کہ انہوں نے ان مشنریوں سے تعلق رکھنے والے کسی شخص کا حوالہ اپنی کتاب میں نہیں دیا۔ یوں بھی حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں پر مسلمان رضاکاروں اور ریاستی پولیس کے جن مظالم کی لرزہ خیز کہانیاں مشہور کی جاتی رہیں ان کی تائید آج تک کسی طرف سے نہیں ہوئی۔ اس کے برعکس ہندوستان کے اکثر صاحبان عقل و خرد اور انصاف پسند لوگوں اور خود ریاست کے قدیم ہندوؤں نے اعلانیہ کہا تھا کہ مسلمانوں نے ہندوؤں سے کوئی برا سلوک نہیں کیا مترجم۔)

میں یہ نہیں کہتا کہ ریاست کے تمام مسلمان سرکاری افسر اور سبھی پولیس والے ہندوؤں کے ساتھ ایسی حرکتیں کرتے تھے بے شک ان میں شریف آدمی بھی تھے لیکن اکثریت ایسے افسروں کی تھی جو ریاست کے اعلیٰ حکام سے انعام پانے اور ترقی پانے کی امید میں ہندو رعایا کو ظلم و ستم کا نشانہ بناتے تھے۔ ریاست کے بعض ایسے افسر بھی تھے جن کے سامنے سب کچھ ہوتا تھا اور اگر وہ چاہتے تو اسے روک سکتے تھے۔ انہوں نے بے نیازی برتی بعض ایسے تھے جو رضاکاروں کی ان حرکتوں میں سر دیئے بیٹھے رہیں میں نے چند ایسے افسروں کی زبانی سنا جنہوں نے ہندوؤں کے قتل عام پر حکومت حیدر آباد سے احتجاج کیا بلکہ مستعفی بھی ہو گئے نظام حیدر آباد اگرچہ ایک حکمران تھا اور اسے ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے مگر وہ اپنے وزراء کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن چکا تھا اور ان پر مرضی چلانے کے قابل نہ تھا۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ نظام نے عافیت اسی میں سمجھی کی چپ چاپ بیٹھ کر تماشا دیکھے اور اگر وہ کسی بھی لمحے زبان کھولتا تو مشتعل رضاکاروں کے وزراء نظام کا ٹینٹوا دبا دیتے۔ ان وزراء کا حال یہ تھا کہ انڈین یونین سے فضول قسم کی بحث مباحثے میں الجھے ہوئے تھے مگر چپکے چپکے ریاست کے خزانے پر بھی ہاتھ صاف کرتے تھے۔ انہوں نے ایک سال کے اندر اندر خزانے سے ۱۲ کروڑ روپیہ اتحاد المسلمین کی تنظیم کو زندہ رکھنے کے لئے ہڑپ کر لیا۔ ۱۳ اگست تک حیدر آباد پر حملے کرنے کے لئے انتظامات مکمل ہو چکے تھے اور فوجوں کی نقل و حرکت کا حکم آ گیا تھا۔ ابھی ہمارا ڈویژن

www.taemeernews.com

شولا پور میں تھا کہ موسم خراب ہوگیا اور موسلا دھار بارشیں ہونے لگیں۔ ندی نالے چڑھ گئے اور سڑکیں پانی میں ڈوب گئیں۔ پل خطرناک تھے اور ان پر سے شرمن ٹینک گزارنا خاصا مشکل ہوگیا تھا۔ ان حالات نے ہمارے منصوبے کی تکمیل میں تاخیر کردی ۔ادھر حیدر آباد کے حالات نے پلٹا کھایا اور اس کی گرتی ہوئی حالت سنبھل گئی۔

(۴)

حیدر آباد کی فوجی قوت کے بارے میں ہمارے پاس مصدقہ اور غیر مصدقہ خبریں پہنچ رہی تھیں یہ خبریں اپنی انٹیلی جنس کے علاوہ اور دوسرے کئی ذرائع سے ملتی تھیں ان میں اکثر افراد پیشہ ور مخبر تھے اور بعض ریاست کی کانگریسی جماعت کے ارکان جن کی رسم و راہ حیدر آباد کے اونچے حلقوں سے تھی' وہ انتہائی ہوشیاری اور چالاکی سے ہر قسم کی معلومات حاصل کرکے وائرلیس کے ذریعے ہمیں بھیجا کرتے تھے ان کے علاوہ ہندوستان اور ریاست حیدر آباد کے مابین سفر کرنے والے بے شمار مسافر تھے جو خبریں بہم پہنچایا کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم ان تمام اطلاعات کو درست اور قابل اعتبار جانتے تو حیدر آباد سے مقابلہ کرنا خاصا مشکل کام نظر آنے لگتا۔ چنانچہ ہم نے ان خبروں پر کچھ زیادہ اعتماد نہ کیا لیکن جونہی ہماری سگنل رجمنٹ نے حیدر آباد کا فوجی کوڈ حل کرلیا جھوٹی اور سچی خبروں میں امتیاز کرنا آسان ہوگیا۔ انہی دنوں حیدر آباد سے ایک خاص مخبر نے ریاستی فوج کی قوت کے بارے میں جو نقشہ بھیجا وہ انتہائی اہم اور بڑی حد تک صحیح تھا۔

یہ مخبر خود حیدر آباد سے تمام اطلاعات لے کر جنرل ہیڈ کوارٹر میں آئے۔ ان کی بتائی ہوئی خبروں نے ہمیں بے حد فائدہ پہنچایا۔ حیدر آباد پر ہمارا قبضہ ہونے کے بعد جب اصل کاغذات ملے تو پورا پورا اندازہ ہوگیا کہ مخبر کی دی ہوئی اطلاعات حرف بہ حرف درست تھیں۔ حیدر آباد کی فوجی طاقت یہ تھی:

باقاعدہ فوج کی تعداد ۲۲ ہزار جس کے پاس جدید ترین ہتھیار اور بھاری توپیں تھیں اس کے علاوہ آرمرڈ کاروں پر مشتمل تین رجمنٹیں۔

www.taemeernews.com

بے قاعدہ فوج کی تعداد دس ہزار۔ ان میں سے پچیس فیصد کے پاس ہلکے ہتھیار اور بقیہ مزل لوڈنگ بندوقوں سے مسلح تھے۔

عرب فوج کی تعداد دس ہزار ان کے پاس بھی بے قاعدہ فوج کی طرح ہلکے ہتھیار اور مزل لوڈنگ بندوقیں تھیں۔

پولیس اور کسٹم فورسز کی تعداد دس ہزار جدید ترین رائفلوں اور اسٹین گنوں سے مسلح تھے۔

رضاکاروں کی تعداد دو لاکھ ان میں سے تقریباً بیس فیصد رضاکار جدید ترین رائفلوں، بندقوں اور پستولوں سے مسلح تھے۔ بقیہ کے پاس نیزے، تلواریں، اور مزل لوڈنگ بندوقیں تھیں۔

میری بڑی کوشش یہ رہی کہ ہمارے جوانوں یا چھوٹے افسروں کے کانوں تک حیدر آباد کی اس عظیم فوجی قوت کی بھنک پڑنے نہ پائے کیونکہ اس طرح ان کے مورال بگڑنے کا اندیشہ تھا۔ ہم اپنی کوششوں میں کسی حد تک کامیاب بھی رہے۔ جوانوں کو بتایا گیا کہ حیدر آباد پر قبضہ کرنا چند گھنٹوں کی بات ہے دراصل ان کے دلوں پر پہلے ہی سے حیدر آباد کے رضاکاروں کی جو ہیبت بیٹھی ہوئی تھی اسے دور کرنا ضروری تھا۔ اس مقصد کے لئے ہم نے اپنے ہی آدمیوں کے ذریعے ڈویژن کے جوانوں اور چھوٹے افسروں میں یہ پروپیگنڈہ کیا کہ حیدر آباد میں مسلح رضاکاروں کے اندر کشمکش پیدا ہو چکی ہے اور یہ دو گروہوں میں تقسیم ہو کر آپس میں ہی سر پھٹول کر رہے ہیں اس لئے ان پر قابو پالینا کچھ مشکل نہیں۔ جوانوں کا تو ہم نے اس تدبر سے حوصلہ بڑھا دیا لیکن جہاں تک اعلیٰ فوجی افسروں کا تعلق ہے انہیں چونکہ صحیح حالات کا واضح طور پر علم تھا اس لئے ان سے غلط بیانی مناسب نہ تھی۔ ایک روز ہائی کمان کی انتہائی خفیہ میٹنگ میں ہم۔۔۔ اس امر پر سوچ بچار کیا کہ حیدر آباد پر قبضہ ہو جانے کے بعد ان جوشیلے رضاکاروں سے کیونکر نبٹا جائے گا جو گوریلا طرز جنگ کے ماہر ہیں۔ قاسم رضوی کی تقریروں کے باعث جن کی رگوں میں خون جوش کھا رہا ہے چند افسروں کا خیال تھا حیدر آباد آسانی سے تر نوالہ نہیں بنے گا۔

www.taemeernews.com

اس کی فوج تو بے شک ہمارا مقابلہ کرے گی لیکن اصل جنگ رضا کاروں سے ہوگی اور فرض کیجئے ہم اپنے منصوبے کے مطابق حیدر آباد کے اندر داخل ہو بھی گئے تو یہ دو لاکھ رضا کار پوری ریاست کے گلی کوچوں میں نہ صرف بھارتی فوجوں سے دو دو ہاتھ کریں گے بلکہ ہندوؤں کا قتل عام بھی شدت سے ہوگا۔ دوسرے افسروں کی رائے یہ تھی کہ اگر بھارتی فوج ریاست کے دارالحکومت پر قبضہ کر لیتی ہے تو رضا کاروں اور بے قاعدہ فوج میں مقابلہ کرنے کی سکت نہ رہے گی اور وہ مجبورا" ہتھیار پھینک دیں گے۔ بعض افسر ایسے بھی تھے جو اس معاملے کو کسی اور نقطہ نظر سے دیکھ رہے تھے ان کا کہنا تھا کہ حیدر آباد ہندوستان کی سب سے بڑی اور قدیم اسلامی ریاست ہے جو مغلوں کے عہد سے قائم و مستحکم ہے اس کے خزانے میں بے اندازہ دولت ہے جس سے وہ اپنی معاشرتی اور اقتصادی حالت کو تباہ ہونے سے بچا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک اسلامی ریاست ہونے کے سبب دنیا بھر کے تمام اسلامی ملکوں اور عام مسلمانوں کی دلی ہمدردیاں ریاست کے ساتھ ہوں گی اور یہ عین ممکن ہے کہ ضرورت کے وقت حیدر آباد مسلم ممالک سے مدد طلب کرے اور پرتگیزی گوا کے راستے ہتھیار اور دوسرا ساز و سامان حیدر آباد تک پہنچنا کچھ مشکل نہ ہوگا۔ انڈین یونین کی جنگ حیدر آباد سے نہیں پورے اسلامی ملکوں سے ہوگی پھر اس امر کو بھی سامنے رکھنا چاہئے کہ نظام حیدر آباد' برطانیہ کا یار وفادار رہے یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ برطانیہ اس معاملے میں مداخلت کرے۔

(بھارتی فوجی افسروں کے یہ تمام اندیشے بلاشبہ صحیح تھے' لیکن حالات کی ستم ظریفی دیکھیے کہ حیدر آباد کی مدد کرنا تو ایک طرف برطانیہ کے بادشاہ سلامت نے نظام حیدر آباد کے کسی خط کا جواب تک دینے کی زحمت گوارا نہ کی۔ اسلامی ملکوں کی اور ان کے عوام کی ہمدردیاں بے شک حیدر آباد کے ساتھ تھیں اور اب بھی ہیں' لیکن واقعہ یہ تھا کہ حیدر آباد کی کوئی عملی مدد اس وقت کہیں سے ممکن نہ تھی مترجم۔)

ہمارے ایک فوجی افسر قاسم رضوی سے بیحد ناراض تھے اور ان کا کہنا تھا کہ اگر اس شخص کو پکڑ لیا جائے تو رضا کار آپ ہی آپ ٹھنڈے پڑ جائیں گے۔ وہ کہتے تھے کہ یہ

www.taemeernews.com

شخص ضرور کسی نہ کسی طاقت کے بل پر اچھل رہا ہے اور دھمکی دے چکا ہے کہ وہ ہندوستان کو نیچا دکھا کر رہے گا اور ایک دن ایسا آئے گا کہ بحر ہند کا پانی نظام کے قدموں کو بوسہ دے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ کسی تاخیر کے بغیر مشرق کی طرف سے بزواڑہ' مغرب کی طرف احمد نگر اور شولا پور اور جنوب کی جانب بلاری سے حیدر آباد کو گھیرے میں لے کر اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔

میری ذاتی رائے یہ تھی کہ حیدر آباد کا معاملہ اتنا سنگین نہیں اور نہ ہمیں قاسم رضوی کی ان بے ہودہ تقریروں پر کان دھرنے کی ضرورت ہے۔ وہ ایک خود سر' ضدی اور جوشیلی طبیعت کا آدمی ہے' ایسا آدمی دوراندیش نہیں ہوتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رضاکار اس کے حکم پر جان دینے کو تیار ہیں لیکن وہ پرانی بندوقوں اور رائفلوں کے بل پر کب تک ہمارے ٹینکوں اور بکتر بند دستوں کا سامنا کر سکیں گے؟ اس کے علاوہ مجھے یہ بھی یقین تھا کہ کوئی اسلامی ملک اپنی بری فوج مدد کے لئے حیدر آباد نہیں بھیج سکتا۔ کسی کو کیا پڑی ہے کہ ایک چھوٹی سی ریاست کے لئے انڈین یونین سے' جو بہر حال ایک بڑی طاقت ہے' اپنے تعلقات میں بگاڑ پیدا کرے' لہٰذا اس خطرے کا تو ایک فی صد بھی امکان نہیں کہ کوئی غیر ملک ہماری مداخلت میں ٹانگ اڑائے گا۔ البتہ پاکستان سے کسی قدر خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔

پاکستان کی ہیبت

اس سے پیشتر کہ ہم پاکستان کے معاملے پر غور کریں' میں حیدر آباد کی ہوائی قوت کے بارے میں بھی چند باتیں کہنا چاہتا ہوں' ہمیں جو اطلاعات ملی تھیں۔ ان کے مطابق حیدر آباد کے پاس اعلیٰ درجے کے لڑاکا طیاروں کا ایک سکویڈرن تھا۔ ہمیں یہ بھی معلوم تھا کہ حیدر آباد نے بعض مغربی ملکوں سے طیارے خریدے ہیں اور اس وقت یہ طیارے پاکستان پہنچ چکے ہیں اور عنقریب حیدر آباد آجائیں گے۔ تاہم ہمیں اطمینان تھا کہ حیدر آباد کی فضائیہ ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے گی کیونکہ اس کے پاس ہوا باز اور اعلیٰ تربیت یافتہ عملے کی کمی ہے۔

www.taemeernews.com

ہم نے اس امر پر بحث کی کہ حیدر آباد پر حملے کے وقت پاکستان کہاں تک مداخلت کر سکتا ہے اور اس کے ذرائع کیا کیا ہیں۔ ایک سپاہی کے نقطہ نظر سے میں نے اس مسئلے پر خاصا سوچ بچار کیا تھا اور یہ بات بالکل نمایاں تھی کہ بہرحال پاکستان کی بری فوج براہ راست اس جنگ میں مداخلت کرنے کی قوت نہیں رکھتی۔ پاکستانی فوجیں تو پہلے ہی کشمیر کے محاذ پر الجھی ہوئی تھیں۔ زیادہ سے زیادہ اس بات کا خدشہ تھا کہ پاکستان' انڈین یونین کی مغربی سرحدوں پر حملہ نہ کردے اور اگر اس نے یہ حرکت کی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمیں پاکستان سے بھی جنگ کرنی پڑے گی۔ نقشے کا بغور جائزہ لینے سے اندازہ ہوا کہ پاکستان کے بمبار طیارے حیدر آباد تک پہنچنے کی سکت نہیں رکھتے اور نہ حیدر آباد میں ان کے اترنے اور پرواز کرنے کی وہ تمام سہولتیں میسر تھیں جو فضائی جنگ میں ناگزیر ہوتی ہیں۔ اگرچہ پاکستانی بمباروں کے لئے گوا ایک عمدہ اڈہ بن سکتا تھا۔ لیکن ہمیں معلوم تھا کہ وہاں کوئی ہوائی اڈہ نہیں ہے۔ حیدر آباد ریڈیو پورے زور شور سے کہہ رہا تھا کہ اگر انڈین یونین نے ریاست پر حملہ کیا تو حیدر آباد اور پاکستان کی فضائیہ کے لڑاکا اور بمبار طیارے مل کر ہندوستانی فوجوں پر بمباری کریں گے۔ ریڈیو یہ بھی دھمکی دیتا تھا کہ پاکستان اور حیدر آبادی بمبار نہ صرف ہندوستانی فوجوں کو تہس نہس کردیں گے' بلکہ بمبئی' پونا' مدراس اور دہلی کو بھی برباد کئے بغیر نہ چھوڑیں گے۔ ہندوستان کے بڑے بڑے تاجروں اور امیروں میں اس دھمکی آمیز پروپیگنڈے سے انتہائی دہشت پھیل رہی تھی اور خود صوبائی حکومتیں بھی لرزہ براندام تھیں کہ اگر ان بڑے بڑے شہروں پر فضائی حملے شروع ہو گئے تو کیسی قیامت خیز تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لوگ بڑی تعداد میں ان شہروں سے نکل نکل کر دیہاتوں اور چھوٹے شہروں میں پناہ لے رہے تھے۔

(جنرل چوہدری نے اپنی فوج اور ہندو قوم کی ازلی بزدلی کا پول ان سطروں میں کھول دیا ہے۔ ۶۵ء کی جنگ میں پاکستانی فضائیہ نے جس طرح بھارتی فضائیہ کی مرمت کی ہے اس کا تو ذکر ہی کیا' یہ دیکھیے کہ ۴۸ء میں جب کہ پاکستان کے پاس کوئی قابل ذکر بمبار تھا۔ نہ لڑاکا طیارہ اور نہ تربیت یافتہ فضائیہ' اس کی کتنی ہیبت بھارتی فوج اور عوام پر

www.taemeernews.com

بیٹھی ہوئی تھی مترجم۔)

اس موقع پر مجھے ایک اور شخص کا ذکر بھی کرنا ہے۔ یہ ادھیڑ عمر اور مضبوط جسمانی قوت رکھنے والا سڈنی کاٹن تھا۔ آسٹریلیا کا باشندہ' نہایت مکار اور چالاک شخص' دنیا کا کوئی کام اس شخص کے نزدیک مشکل نہ تھا' اس کے ذرائع اور وسائل لامحدود تھے۔ روپے پیسے کا بے حد لالچی' ریاست حیدر آباد روپے پیسے کے بل پر اس شخص کو غیر ممالک سے اپنے ہاں اسلحہ اسمگل کرنے کے لئے استعمال کر رہی تھی۔ سڈنی کاٹن کئی بحری جہازوں اور طیاروں کا مالک تھا۔ یورپ سے اپنے جہازوں میں اسلحہ لاد کر لاتا اور حیدر آباد پہنچا دیتا۔ وہ پاکستانی بندرگاہیں اور ہوائی اڈے کھلے بندوں استعمال کرتا تھا چونکہ اس زمانے میں ہمارے پاس راڈر کا نظام اتنا اچھا نہ تھا۔ اس لئے سڈنی کاٹن کے طیاروں کی پرواز کا سراغ آسانی سے نہ لگتا۔ وہ اسلحے کے ذخائر اپنے ہوائی جہاز میں لادتا اور رات کی تاریکی میں پاکستان کے کسی اڈے سے اڑ کر سیدھا حیدر آباد جا اترتا۔ اس کے علاوہ بیدر اور پھر ورنگل کے چھوٹے ہوائی اڈے بھی اس کی مذموم سرگرمیوں کا مرکز بن گئے۔ اپنی ان ناجائز پروازوں کو وہ مرسی فلائٹ (Mercy Flight) کہا کرتا تھا کہ دوائیں اور اس طرح کی بعض بے ضرر اشیاء لے کر حیدر آباد جاتا ہے۔ حالانکہ وہ اسلحہ پہنچاتا تھا۔

گورنمنٹ آف انڈیا آسٹریلوی بدمعاش سڈنی کاٹن کے ہاتھوں سخت پریشان تھی لیکن کچھ بس نہ چلتا تھا۔ کئی بار اسے پکڑنے کی کوشش بھی کی گئی۔ مگر وہ ہر بار جل دے کر نکل جاتا۔ تاہم حیدر آباد پر ہمارا قبضہ ہونے کے بعد جو ہتھیار دستیاب ہوئے' ان کے معائنے سے فوراً پتہ چل گیا کہ ان کی بڑی تعداد سڈنی کاٹن کے طیاروں نے اُسمگل کی تھی۔

ان تمام حالات کا تفصیلی اور بغور جائزہ لینے کے بعد یہ تین باتیں سامنے آئیں جو سراسر ہمارے حق میں جاتی تھیں اور ہماری کامیابی کا پیش خیمہ تھیں۔

اول: حیدر آباد کے عام مسلمان اپنے مزاج کے اعتبار سے کچھ زیادہ جنگجو اور

www.taemeernews.com

جوشیلے نہ تھے' وہ امن سے رہنے کے خواہش مند تھے اور رضاکاروں کے ہاتھوں سخت پریشان' ان کی اکثریت نظام گورنمنٹ سے بھی خوش نہ تھی ہندوؤں کی بہرحال عددی طاقت زیادہ تھی اور چند قدیم نمک خوار ریاستی ہندوؤں کے سوا' عام ہندوؤں کی پوری ہمدردیاں انڈین یونین کے ساتھ تھیں۔

دوم: ریاستی فوج اور رضاکار اگرچہ تعداد میں بہت زیادہ تھے' تاہم سب کے سب جدید طرز جنگ سے ناواقف اور غیر تربیت یافتہ تھے۔

سوم: ریاستی فوج کے عرب کمانڈران چیف جنرل العیدروس انتہائی نااہل اور بے کار آدمی تھے۔ ریاستی فوج ان سے خوش نہ تھی اور وہ خود بھی نظام کے اتنے وفادار نہ تھے جتنا وفادار انہیں سمجھتے تھے۔

(۵)

ریاستی فوج کی تاریخ بھی خاصی دلچسپ ہے۔ یہاں میں مختصر طور پر اس کے بارے میں کچھ لکھتا ہوں۔ ابتداء میں جب انگریزوں نے انڈین آرمی قائم کی۔ تو اس میں ریاست حیدر آباد کے آدمی بھی بڑی تعداد میں بھرتی کیے۔ لیکن بہت جلد انگریزوں کو اندازہ ہوگیا کہ حیدر آبادی لوگ فوج کے قابل نہیں۔ دکن کی مخصوص آب و ہوا نے ان کی جسمانی ساخت پر تو اثر ڈالا ہی تھا' مزاج بھی نازک ہوگیا اور طبیعتیں تن آسانی کی طرف مائل ہونے لگیں۔ یہ لوگ فوج کے سخت محنت طلب قواعد و ضوابط سے گھبرانے لگے اور آہستہ آہستہ انڈین آرمی میں ان کی تعداد بہت کم رہ گئی یہاں تک کہ ۱۹۳۲ء میں انگریزوں نے حیدر آبادی جوانوں کو فوج میں بھرتی کرنے کا سلسلہ بالکل ختم کردیا۔ لیکن دوسری جنگ عظیم کے دوران میں جب کہ ہندوستان میں بھرتی زور شور سے جاری تھی' حیدر آبادیوں کو دوبارہ فوج میں شامل کرلیا گیا۔ یہ لوگ صرف نام کے فوجی تھے۔ ان میں سے اکثر ملایا میں جاپانیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے' گولی چلائے بغیر ہتھیار ڈال دیئے۔ جنگ کے بعد بھی انہیں فوج میں رکھا گیا۔ لیکن لڑنے کے لئے نہیں' صرف ٹیکنیکل کاموں کے لئے' خصوصاً مواصلات کے شعبے میں یہ اچھا کام کرتے تھے۔

www.taemeernews.com

نظام نے اپنی حکومت اور دبدبے کو بحال رکھنے کی خاطر ریاستی فوج از سر نو منظم کی تھی۔ ان میں زیادہ تعداد عربوں اور رضاکاروں کی تھی۔ فوج میں اعلیٰ عہدے اکثر عربوں کے پاس تھے۔ حتیٰ کہ ریاستی فوج کا کمانڈر ان چیف میجر جنرل سید احمد العیدروس بھی عرب تھا۔ العیدروس کا خاندان تین پشتوں سے سلطنت آصفیہ کی خدمت کر رہا تھا اور اس خاندان کو حیدر آباد میں نہایت عزت اور احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کسی زمانے میں العیدروس کے آباؤ اجداد اچھے سپاہی اور جنگجو لوگ ہوں گے۔ مگر اب ان کی یہ تمام خوبیاں زائل ہو چکی تھیں۔ العیدروس ایک اچھا فوجی بن سکتا تھا' بشرطیکہ انڈین آرمی میں شامل ہوتا اور کڑی محنت اور مشقت کی منزلوں سے گزرتا' لیکن اسے ایسا ماحول نہیں ملا۔ وہ صرف حکم چلانا جانتا تھا اور وہ بھی غلط سلط۔ اس کے علاوہ وہ اپنے کام میں کسی کی مداخلت برداشت کرنے کا عادی نہ تھا۔ نہ کسی کا مشورہ اس کے لئے قابل قبول ہوتا۔ یہی وجہ تھی کہ اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے والے وہ حیدر آبادی نوجوان جو نہایت شوق اور سرگرمی سے ریاستی فوج میں شامل ہوتے' بہت جلد العیدروس سے ناراض ہو جاتے۔ العیدروس اپنے ماتحتوں کو وقت بے وقت معمولی باتوں پر ڈانٹتا اور بعض اوقات گالیاں دینے کے ساتھ ساتھ اس کا ہاتھ پر ان پر اٹھ جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ ریاستی فوج میں اس کی بڑی دہشت پھیلی ہوئی تھی اور عام سپاہی اور رضاکار اسے انتہائی نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ کسی فوج کے کمانڈر ان چیف کا تند مزاج ہونا ایسی بری بات نہیں' مگر اس کے ساتھ ساتھ اس کے لئے تجربہ کار ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر جنرل العیدروس کوئی تجربہ کار اور آزمودہ شخص ہوتا' تو اس کے ماتحت افسر اور سپاہی سبھی اس کی کڑوی کسیلی باتیں برداشت کرتے مگر نااہل اور نالائق شخص کے ماتحت رہنا انہیں پسند نہ تھا۔

حیدر آباد کے سوشل حلقوں میں العیدروس خاصا ہر دلعزیز تھا اور خصوصاً غیر ملکی افراد کے ساتھ بے حد گھل مل گیا تھا جو حیدر آباد میں قیام پذیر تھے (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حیدر آباد کی فوجی قوت کے بارے میں جو صحیح صحیح خبریں چودھری تک پہنچتی رہی ہیں۔

www.taemeernews.com

ان کی براہ راست ذمہ داری اسی عرب کمانڈر ان چیف جنرل العیدروس پر عائد ہوتی ہے۔ غالباً یہ شخص غیر ملکیوں میں زیادہ گھلا ملا رہنے کے باعث شعوری یا غیر شعوری طور پر فوجی راز ان کے سامنے اگل دیتا تھا اور اس طرح یہ راز بھارتی انٹیلی جینس تک پہنچ جاتے تھے یمترجم۔)

جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں' جنرل العیدروس کو کسی جنگ کا تجربہ تھا اور نہ وہ جنگ لڑنے کی اہلیت رکھتا تھا۔ چونکہ اس کے آباؤ اجداد کی فوجی خدمات کو حیدر آباد کے سابق حکمران تسلیم کرتے تھے' اس لئے کمانڈر ان چیف کا عہدہ اسے وراثت میں ملا تھا۔ اس نے اپنی فوجی قوت کا غلط اندازہ کیا اور یہی غلط اندازہ ریاست کے وزیروں اور حکمرانوں کو کرایا۔ دراصل ان لوگوں کا خیال تھا کہ ان کی فوجی نفری بہت زیادہ ہے اور وہ انڈین یونین سے دو دو ہاتھ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ دوسری طرف جنرل العیدروس نے ہماری طاقت کے بارے میں جو اندازہ لگایا' وہ بھی صحیح نہ تھا۔ اس نے اپنے حکمران اور دوسرے ذمہ دار افراد کو پورا یقین دلایا تھا کہ ہندوستان' حیدر آباد کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا اور اگر ہندوستان نے حیدر آباد پر حملہ کرنے کی حماقت کی' تو وہ (جنرل العیدروس) تین ماہ تک ہندوستانی فوجوں کو سرحد ہی پر روکے رکھنے کی طاقت رکھتا ہے۔ انہیں غلط فہمی غالباً دو وجوہ سے تھی۔ پہلی یہ کہ ملک کی تقسیم سے انڈین آرمی بھی پاکستان اور ہندوستان میں بٹ گئی تھی۔ ہندوستان کے حصے میں انڈین آرمی کا جو حصہ آیا وہ سب کا سب مختلف علاقوں میں بکھرا اور پھیلا ہوا تھا اور ابھی تک دوسری جنگ عظیم کے زخم چاٹ رہا تھا۔ دوسری وجہ جنرل العیدروس کی خوش فہمی کی یہ تھی کہ اس نے بھارتی فوجوں کو کشمیر کے محاذ پر پاکستان سے برسرپیکار دیکھ کر اندازہ کیا کہ ان حالات میں ہندوستان' حیدر آباد پر حملہ کرنے کی جرائت نہ کرے گا۔ وہ صرف دھمکیاں دے رہا ہے اور اگر وہ ان دھمکیوں کو عملی جامہ پہنانے کے ارادے سے حیدر آباد پر حملہ آور ہوا بھی تو اس کا یہ حملہ اتنا "کمزور" اور "بے اثر" ہو گا کہ اسے آسانی سے روکا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے حیدر آباد کی سرحدی پولیس ہی کافی ہے۔

www.taemeernews.com

جنرل العیدروس نے نظام حیدر آباد کو ہندوستان کی فوجی قوت کے بارے میں جو مضحکہ خیز اعداد و شمار دیے تھے ان کے مطابق ہندوستان کے پاس کل ساٹھ ٹینک' سولہ توپیں اور چند بکتر بند گاڑیاں تھیں جن میں پچاس فی صد بے کار ہو چکی تھیں۔ جنرل العیدروس نے نظام کو یہ بھی بتایا تھا چونکہ انڈین آرمی میں اب انگریز افسروں کی تعداد بہت کم رہ گئی ہے' اس لئے یہ فوج سرے سے ناکارہ ہے۔ صرف انگریز فوجی افسر ہی ہندوستانی سپاہیوں سے کام لینے کی قابلیت رکھتے تھے۔ مجھے بعد میں پتہ چلا کہ ہندوستانی فوج کے بارے میں حیدر آباد کے عام مسلمان اور خصوصا رضاکار سبھی اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ انگریز فوجی افسر چونکہ اپنا بوریا بستر باندھ کر ملک سے چلے گئے ہیں' اس لئے انڈین آرمی کی دھیا بیٹھ گئی ہو گی مجھے یہ بھی علم ہوا کہ حیدر آباد کے اکثر اونچے حلقوں میں انڈین آرمی کو "بنیا آرمی" کہہ کر مذاق اڑایا جاتا تھا۔

(بھارتی فوج کے لئے جس شخص نے بھی "بنیا آرمی" کی اصطلاح وضع کی ہے' اس کی ذہانت کی داد نہ دینا ظلم ہو گا۔ جنرل العیدروس کے بارے میں جنرل چودھری نے جو باتیں لکھی ہیں ان سب پر ہم یقین نہیں کر سکتے کہ صحیح ہوں گی؟ تاہم ان میں سے چند باتیں مبالغہ سے مبرا نظر آتی ہیں سقوط حیدر آباد میں اس کمانڈر انچیف کی کوتاہیوں' نالائقیوں اور فوجی جنگی اسپرٹ سے ناواقفیت کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ حیدر آباد کے ایک مستند اور باخبر شخص کا بیان ہے کہ جنرل العیدروس کی بیوی یہودن تھی ممکن ہے یہی عورت حیدر آباد کی فوجی طاقت کے راز بھارتیوں تک پہنچاتی ہو مترجم۔)

ستمبر کے پہلے ہفتے تک "اوپریشن پولو" کی تمام جزئیات اور اہم شقوں کو عملی جامہ پہنانے کا پروگرام مکمل کر لیا گیا۔ اس دوران میں ہمارے کمانڈر ان چیف بھی آکر ڈویژن کا معائنہ کر گئے تھے۔ انہون نے اوپریشن کا ہر پہلو سے جائزہ لے کر اطمینان کا اظہار کیا اور مجھے تحریری طور پر مبارک باد دی۔ ادھر دونوں حکومتوں کے مابین تلخی حد سے زیادہ بڑھ چکی تھی۔ آپس کی بات چیت کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا اور حیدر آباد کا اب واحد علاج یہی رہ گیا تھا کہ اس سے دو دو ہاتھ کر ہی لئے جائیں؟ چنانچہ

www.taemeernews.com

ہیڈکوارٹرز کے مشورے سے حیدر آباد پر حملہ کرنے کی تاریخ ۱۳ ستمبر مقرر کردی گئی۔ ریاست پر ہمارا قبضہ ہوجانے کے بعد ۱۳ ستمبر کی تاریخ کے بارے میں بعض لوگوں نے عجیب عجیب باتیں بنائیں اور یہاں تک کہا "۱۳ کا ہندسہ تو بڑا منحوس سمجھا جاتا ہے" بہتر یہ تھا کہ ہندو پنڈتوں سے وقت اور تاریخ مقرر کرائی جاتی۔ ستمبر کی ۱۳ تاریخ حملے کے لئے طے کرنے کے بعد ہم نے محض اس احتیاط سے کہ اس کی خبر حیدر آباد تک نہ پہنچ جائے ہندوستانی اخباروں کے ذریعے کچھ اس قسم کی خبریں چھپوا کر مشہور کرادیں کہ حملہ پندرہ ستمبر کو ہوگا: چنانچہ یہ تدبیر خاصی کامیاب رہی۔

(اس کے بعد چودھری نے اپنی کتاب کا پانچواں باب شروع کیا ہے اور اس میں اوپریشن پولو کی پوری کاغذی تفصیلات درج کی ہیں کہ شہر حیدر آباد پر قبضہ کس طرح کیا جائے گا۔ یہ بات ان کے منصوبوں اور ڈویژن کے مختلف حصوں کی ترتیب اور نقل و حرکت کے پروگرام پر مشتمل ہے جو دوران جنگ کے واقعات میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اسے ہم حذف کرکے چھٹے باب کو لیتے ہیں۔)

۱۱ ستمبر کو' جب کہ ہمارے فوجی دستے حیدر آباد کا فیصلہ کرنے کے لئے حرکت میں آچکے تھے' جناح کے انتقال کی خبر ملی۔ اس خبر سے ہمارے سینئر اور جونیئر افسروں کے حوصلے خاصے بلند ہوگئے اور ہمیں اپنی منزل پر کامیابی سے پہنچ جانے کا یقین ہوگیا۔ اس موقعے پر مجھے صاف صاف کہہ دینا چاہئے کہ جناح کی موت کا یہ اچانک حادثہ ہمارے لئے نیک فال ثابت ہوا' تاہم حکومت کی ہدایت پر ہم نے بھی ماتم کا اظہار کرتے ہوئے اپنے جھنڈے سرنگوں کردیئے۔

بارہ ستمبر کی صبح تک I آرمرڈ ڈویژن کے تمام وہ یونٹ متعین کردہ حدود میں پہنچ چکے تھے اور جنرل ہیڈکوارٹرز کی جانب سے "آخری حرکت" کا آرڈر ملنے کے بے چینی سے منتظر' لیکن یہ حکم ملنے میں ابھی پورا ایک دن باقی تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا یہ خبر کسی بھی غیر متعلقہ شخص کے علم میں آئے کہ ہم ۱۳ ستمبر کی دوپہر کو حیدر آباد پر چڑھائی کردیں گے' ڈویژن کے سینئر افسروں کے علاوہ کسی کو بھی کچھ پتہ نہ تھا کہ "حرکت" کا حکم کب ملنے

www.taemeernews.com

والا ہے۔ اخباروں میں البتہ خاصی قیاس آرائیاں ہو رہی تھیں' لیکن وہ سب دشمن کو فریب دینے کے لئے تھیں۔

ڈویژن کمانڈر کی حیثیت سے میری ذمے داریاں اور فرائض نہایت نازک اور اہم تھے۔ میں شولا پور سب ایریا میں اپنے عارضی آفس کے اندر بیٹھا آرمی کمانڈر کے خاص ٹیلی فون کا انتظار کر رہا تھا۔ لیکن گھنٹی بجتی ہی نہ تھی میرے صبر کا پیمانہ آہستہ آہستہ لبریز ہو گیا۔ اس دوران میں سب ایریا کمانڈر بھی میرے پاس بار بار آتا اور استفہامیہ انداز میں میری طرف دیکھتا۔ ۱۲ ستمبر کو دن بھی اتوار کا تھا اور سب ایریا آفس میں بہت سے بیرونی لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ میں ان ملاقاتیوں کو آنے سے روک سکتا تھا' خود کہیں جا سکتا تھا۔ ان میں ہر طبقہ خیال کے لوگ شامل تھے۔ پولیس آفیسر' ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ' ریلوے کا ٹریفک منیجر' ایک مل کا مالک وغیرہ وغیرہ۔ ہر آدمی یہ جاننا چاہتا تھا کہ حیدر آباد کے سلسلے میں ہم لوگ کیا کر رہے ہیں اور آئندہ کیا کرنے کا ارادہ ہے۔ ان لوگوں کو مختلف حیلے بہانوں سے ٹالا گیا۔ یکایک پتہ چلا کہ سب ایریا ہیڈ کوارٹر کے بہت سے جونیئر افسر یہ دیکھنے کے لئے ہمارے پڑاؤ میں آئے کہ ان کے سینئر افسر کیا کر رہے ہیں ان نوجوانوں کو بڑی مشکل سے ٹرخایا گیا۔

آرمی کمانڈر سے یہ طے پایا تھا کہ وہ ۱۲ ستمبر کو ٹھیک بارہ بجے دوپہر فون پر مجھے آگے بڑھنے کا حکم دے دیں گے' لیکن جب بارہ بج بھی گئے اور فون خاموش رہا تو فطری طور پر میرے اضطراب میں اضافہ ہو گیا اور صدہا خیالات دماغ میں چکر لگانے لگے۔ آخر ایک بج کر پندرہ منٹ پر آرمی کمانڈر کی جانب سے "آخری حرکت" کرنے کی اجازت مل گئی اور میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ فوراً ہی ڈویژن کے فارمیشن کمانڈروں کو فائنل آرڈرز نئے کوڈ میں جاری کئے گئے دو بجے تک سب کو آرڈرز بھیجے جا چکے تھے اور ان کے جواب بھی موصول ہو گئے تھے ہر شخص کا مورال بلند تھا اور اسے اب پورا پورا یقین ہو چکا تھا کہ "آپریشن پولو" کامیابی سے ہم کنار ہونے والا ہے۔

۱۲ اور ۱۳ ستمبر کی درمیانی تاریک رات تھی اور ہمارے لیے بے حد مفید (جنرل

www.taemeernews.com

چودھری ہمیشہ تاریک راتوں ہی میں چوروں کی طرح دبے پاؤں آنے کے قائل ہیں' آسمان بادلوں سے صاف تھا اور گزشتہ ۴۸ گھنٹوں سے اس علاقے میں بارش بھی نہ ہوئی تھی چاند ۱۲ ستمبر کو صبح کاذب سے پہلے نکلنے والا تھا' چنانچہ رات کی تاریکی میں ہم حیدر آباد پر قبضہ کرنے کے ارادے سے یوں روانہ ہوئے کہ کسی کو ہماری آمد کی خبر نہ تھی۔

حیدر آباد۔ شولاپور مین روڈ سنسان پڑی تھی۔ ہمارا ساتواں انفنٹری بریگیڈ جنوب کی طرف نلدرگ برج پر قبضہ کرنے کے لئے چپکے چپکے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس پل پر قبضہ ہو جانے کے بعد اوپریشن پولو کا بڑا حصہ خود بخود مکمل ہو جاتا تھا۔ کیونکہ یہی وہ پل تھا جسے ہمارے اور حیدر آباد کے درمیان ایک اہم مقام کی حیثیت حاصل تھی۔ دوسری سکھ رجمنٹ کو ایک قریبی گاؤں جلکوٹ پر قبضہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا کیونکہ ہمیں معلوم تھا کہ اس پل کی حفاظت کے لئے حیدر آباد والوں نے جلکوٹ میں توپیں نصب کر رکھی ہیں۔ رات کے سناٹے میں ہم نے ریاست کی سرحد پار کی اور کوئی مزاحمت نہ ہوئی جگہ جگہ پانی گڑھوں میں بھرا ہوا تھا اور چھوٹے چھوٹے ندی نالے خوب چڑھے ہوئے تھے' اس لیے ایڈوانس میں خاصی دقت پیش آرہی تھی۔

صبح کے چار بجے تھے کہ انفنٹری بریگیڈ گروپ نل درگ کے پل پر پہنچ گیا۔ ہمارا اندازہ تھا کہ حیدر آبادی فوج اس پل کی کڑی حفاظت کر رہی ہو گی اور جونہی ہم وہاں پہنچیں گی' بھاری توپوں سے گولہ باری شروع ہو جائے گی' لیکن خلاف توقع خاموشی تھی۔ دوربینوں کے ذریعے پل کا جائزہ لیا گیا تو پتہ چلا کہ دشمن نے اسے گرا دینے کی نیت تو کی ہے' مگر نامعلوم وجوہ کے باعث وہ ایسا نہ کر سکا' بہرحال بریگیڈ کمانڈر نے احتیاط سے کام لیا اور اس وقت تک پل پار نہیں کیا' جب تک سکھ رجمنٹ کی طرف سے جلکوٹ پر قبضہ کرنے کی اطلاع نہ مل گئی۔ جلکوٹ پر حیدر آباد والوں نے صرف ایک توپ لگا رکھی تھی' لیکن جونہی انہوں نے سکھ رجمنٹ کو بڑھتے دیکھا فائرنگ کیے بغیر بھاگ نکلے۔ سکھ جوانوں نے توپ پر قبضہ کر لیا۔ نل درگ پل کو عبور کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بریگیڈ میں وائرلیس کا نظام موسم خراب ہونے کی وجہ سے یک لخت بگڑ گیا تھا اور ایک

www.taemeernews.com

دوسرے سے رابطہ قائم کرنے میں بڑی مشکل پیش آرہی تھی۔ ساتواں انفنٹری بریگیڈ جب سے حرکت میں آیا تھا اور حیدر آباد شولاپور روڈ پر ایڈوانس کررہا تھا۔ اس وقت سے لے کر ۱۳ ستمبر کی صبح چار بجے تک اس کے بارے میں ڈویژن ہیڈ کوارٹر کو کوئی خبر نہ ملی اور اس کی وجہ وائرلیس کے نظام میں خرابی تھی۔ قصہ مختصر اس بریگیڈ نے نل درگ گاؤں کے مشرق میں مین روڈ سے کوئی چار میل دور اپنی پوزیشن مستحکم کرلی اور مزید احکام ملنے کا انتظار کرنے لگا۔

حیدر آباد نے نل درگ کو بچانے کی ذمہ داری فرسٹ حیدر آباد انفنٹری کے سپرد کی تھی اور اس کی ایک کمپنی تلجے پور کی حفاظت کر رہی تھی۔ اس کے علاوہ تین سو مسلح رضاکار اور تقریباً سو پٹھان بھی انفنٹری کے ساتھ تھے۔ دشمن نے اس مقام پر خاصا جانی اور مالی نقصان اٹھایا۔ ابتدائی اندازے کے مطابق حیدر آباد کے چھ سو فوجی نل درگ پر ہلاک اور دو سو گرفتار ہوئے۔ گرفتار ہونے والے پانچ بڑے افسروں میں ایک انگریز بھی شامل تھا۔ ان لوگوں سے جب پوچھا گیا کہ حیدر آبادی فوجوں کے بھاگنے کی وجہ کیا تھی تو انہوں نے بتایا اگرچہ ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ زندگی کے آخری سانس تک نل درگ کی حفاظت کی جائے تاہم صحیح کمان نہ ہونے کے باعث افراتفری نمودار ہوئی اور حیدر آبادی جوان حوصلے چھوڑ بیٹھے۔ ان افسروں نے یہ بھی کہا کہ حیدر آباد کے دفاع کے لئے رضاکار اور فوجی اپنی جانیں لڑا دینے کا تہیہ کرچکے ہیں اور بھارتی فوجوں کے لئے ان سے لڑنا آسان نہ ہوگا۔ ہم نے ان سے حیدر آباد آرمی کے آئندہ منصوبوں اور دفاعی انتظامات کی تفصیل پوچھنے کی بڑی کوشش کی اور ہر قسم کے حربے سے کام لیا' لیکن ان بے چاروں کو فی الحقیقت کچھ معلوم نہ تھا اس لئے بتاتے کیا۔ انہوں نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ ہائی کمانڈ نے انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا کہ صرف نل درگ کی حفاظت کرنی ہے۔ جب ہم نے پوچھا کہ نل درگ کی حفاظت کیوں نہ کی گئی' کیوں کہ ہمیں خود بھی حیدر آباد والوں سے یہ توقع تھی کہ وہ اس کی حفاظت کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے؟ ان افسروں نے جو جواب دیا اس کے الفاظ یہ ہیں:

www.taemeernews.com

"ہمیں تو اتنا بتایا گیا کہ بھارتی فوج پندرہ تاریخ سے پہلے حملہ آور نہیں ہو گی۔ اس لئے ہم نل درگ پر اطمینان سے پہنچے' اس کے علاوہ ہمیں جس کمک کا انتظار تھا اور جس کا ہم سے وعدہ کیا گیا تھا' وہ بھی نہیں پہنچی۔"

حیدر آباد کی فوجوں کے لئے ہماری طرف سے دو طرفہ اچانک حملہ انتہائی سراسیمگی اور دہشت پھیلانے کا باعث بن گیا' لیکن پھر وہ لوگ سنبھلے اور جی جان سے مقابلہ کرنے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا وہ کسی قیمت پر بھی نل درگ پل اور گاؤں پر ہمارا قبضہ نہ ہونے دیں گے' مگر دو گھنٹے بعد ہی ان کی طرف سے اپنے دفاع میں سستی کا اظہار ہونے لگا اور پھر وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ اٹھے۔ جس انداز میں حیدر آباد کی فوجیں ہتھیار ڈال کر بھاگی ہیں' وہ خاصا دلچسپ اور مضحکہ خیز تھا۔ مشرق کی جانب سے ہمارے ساتویں انفنٹری بریگیڈ نے سڑک کی پہلے ہی سے ناکہ بندی کر رکھی تھی' تاکہ ادھر سے دشمن کی گاڑیاں نہ گزر سکیں' چنانچہ بہت کم لوگ ایسے تھے جو اپنی جانیں بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہوئے' ورنہ سب پکڑے گئے یا ہلاک ہوئے۔ فرار ہونے والوں میں ان کا گریزن کمانڈر بھی تھا جس کی گاڑی اور بستر وغیرہ ہمارے ہاتھ لگا۔ یہاں ہمیں بے اختیار بھارتی فوج کے میجر جنرل نرنجن پرشاد یاد آرہے ہیں۔ موصوف ۱۹۶۵ء کی جنگ میں اسی حیدر آبادی گریزن کمانڈر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی جیپ اور ذاتی ڈائری چھوڑ چھاڑ بھاگ نکلے تھے' حیدر آباد کے اکثر فوجیوں نے جان بچانے کے لئے اپنی اپنی وردیاں اتار کر سویلین کپڑے پہن لیے اور شمال مشرق کی جانب راہ فرار اختیار کی۔ ہمارے جوانوں نے انہیں سویلین سمجھ کر نہیں روکا' ورنہ کوئی بچ کر نہ جاتا۔

اب میں اس انگریز فوجی آفیسر کا کچھ ذکر کرتا ہوں جو ان کے ساتھ ہی پکڑا گیا تھا۔ اس شخص کا نام لیفٹیننٹ ٹی۔ ٹی مور تھا اور برٹش آرمی کا ایک سابق کمانڈر اور اسپیشل سروس آفیسر۔ اگست ۴۷ء کے بعد یہ شخص حیدر آباد کی فوج میں شامل ہو گیا۔ ساڑھے آٹھ بجے صبح یہ شخص اپنی جیپ میں بیٹھا انتہائی تیز رفتاری سے نل درگ کی طرف جا رہا تھا کہ سکھ رجمنٹ کے جوانوں نے اسے روک لیا۔ پوچھ گچھ کی گئی تو اس نے کہا کہ وہ

IDARE-ADBIYAT-E-URDU
ACC. No.....۳۲۲۹۵۱
Date.....۱۴ نومبر ۱۹۹۷ء
www.taemeernews.com

برطانوی ہائی کمشنر کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے حیدر آباد آرمی سے مستعفی ہو چکا ہے اور جلد سے جلد ریاست سے باہر نکل جانے کا خواہشمند ہے۔ ہمیں اس کے بیان پر یقین نہ آیا اور اس کی خاصی مرمت کرنے کے علاوہ جب جیپ کی تلاشی لی گئی تو اس میں پل اڑانے کا سامان اور ڈائنامیٹ وغیرہ بر آمد ہوا۔ اس کے علاوہ بعض اہم کاغذات بھی دستیاب ہوئے جن کے ذریعے حیدر آباد آرمی کے مختلف یونٹوں سے کہا گیا تھا کہ یہ شخص نل درگ کا پل اڑانے جارہا ہے۔ اسے جانے دیا جائے۔ نل درگ کا پل برباد کرنے کے علاوہ اسے اور بھی اہم پل اڑا دینے کا فریضہ سونپا گیا تھا۔ پوچھ گچھ ہوئی' تو اس نے بھی یہی بتایا کہ حیدر آباد ہائی کمانڈ کا یہی اندازہ تھا کہ بھارتی فوج پندرہ ستمبر کو حملہ کرے گی۔

نل درگ اور اس کی نواحی بستیوں میں ہماری آمد سے خاصا خوف و ہراس پھیل گیا تھا لیکن ہم نے اپنے جوانوں کو ہدایت کردی تھی کہ وہ ان لوگوں کو پریشان نہ کریں اور کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائیں۔ کیونکہ یہ بدنصیب لوگ تو پہلے ہی حیدر آبادی رضاکاروں کے ہاتھوں تنگ ہیں! چنانچہ ان ہدایات پر پورا پورا عمل کیا گیا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے جوان جس بستی یا گاؤں میں بھی گئے' وہاں لوگوں نے ان کے لئے دیدہ و دل فرش راہ کیے۔ نل درگ کی جنگ میں ہمارا نقصان نہ ہونے کے برابر تھا' تاہم جو کچھ ہوا وہ بھی درج کیے دیتا ہوں تاکہ دونوں طرف کی تصویر سامنے آجائے۔

"ہمارے سات آدمی مارے گئے جن میں ایک جے سی او بھی شامل تھا۔ نو آدمی زخمی ہوئے جن میں سے ایک بعد ازاں چل بسا۔ ہمارا کوئی آدمی گرفتار نہیں ہوا۔

حیدر آباد کا جانی نقصان یہ تھا۔ ۳۲ آدمی مارے گئے جن میں دو آفیسر اور چار جے سی او شامل تھے۔ ۱۴ زخمی ہوئے دو سو گرفتار کیے گئے جن میں چار آفیسر اور ایک جے سی او شامل تھا۔

نل درگ کے بعد ہم نے تیزی سے ایڈوانس کیا اور تالمود کی طرف بڑھے حیدر آباد آرمی اور رضاکاروں کے جیش موجود تھے اور ان کا ارادہ یہاں بھی جانیں لڑا دینے کا تھا مگر ہمارے توپ خانے کی شدید گولہ باری کے سامنے ان کی کوئی پیش نہ گئی اور ۱۴ ستمبر

www.taemeernews.com

کے روز رات کے آٹھ بجے موسلا دھار بارش ہو رہی تھی دشمن کے قدم اکھڑ چکے تھے اور ہماری سٹرائک فورس نے تالمود پر قبضہ کرلیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ تالمود پر ہمارے قبضے سے ایک گھنٹہ پیشتر ہی حیدر آباد ریڈیو کی ایک خاتون اناؤنسر نے انگریزی زبان میں خبریں نشر کیں اور سننے والوں کو بتایا کہ تالمود پر انڈین یونین کی فوجوں کا قبضہ ہو چکا ہے۔ خاتون اناؤنسر کی آواز بھرائی ہوئی تھی اور اس سے مجھے اس غم واندوہ کا اندازہ ہوتا تھا جو تل درگ اور تالمود جیسے اہم فوجی اہمیت کے مقامات حیدر آباد کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد وہاں کے عوام پر طاری تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حیدر آباد آرمی کی انٹیلی جنس بالکل نااہل اور بیکار لوگوں پر مشتمل ہے یعنی ان لوگوں نے ایک گھنٹہ پہلے ہی معلوم کرلیا تھا کہ تالمود پر قبضہ ہو چکا ہے۔ خود مجھے بھی یہ سن کر حیرت ہوئی کیونکہ میرے اندازے کے مطابق سٹرائک فورس کو تالمود پر قبضہ کرنے کے لئے ابھی دو گھنٹے درکار تھے۔ بہرحال میں نے سٹرائک فورس کے کمانڈر لیفٹیننٹ کرنل رام سنگھ سے رابطہ قائم کیا اور اس نے مجھے بتایا کہ ہم تو ابھی تالمود سے تقریباً ایک میل ادھر ہی ہیں تب میں نے اسے حیدر آباد ریڈیو کے نشریے سے آگاہ کرتے ہوئے پوری رفتار سے تالمود پہنچنے کا حکم دیا۔

تالمود پر قبضہ مستحکم کرکے سٹرائک فورس کے جوان راجیسور کی طرف بڑھے اور رات کے ڈھائی بجے وہاں پہنچ گئے۔ یہ قصبہ ویران پڑا تھا۔ لوگ اپنے اپنے گھروں کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ البتہ چند سرفروش رضاکار دکھائی دیئے جنہوں نے اپنی بساط اور ہمت کے مطابق ہمارا مقابلہ کرنے کی کوشش کی مگر ٹینکوں کے سامنے رائفلوں اور مزل لوڈنگ بندوق کی بھلا کیا حیثیت تھی بہت جلد ان رضاکاروں کا صفایا کردیا گیا۔

اس دوران میں بریگیڈیئر ورما راجیسو پہنچ چکے تھے اور لیفٹیننٹ کرنل رام سنگھ کے ساتھ مل کر انہوں نے ہومنا آباد کی تسخیر کا منصوبہ بنایا ~~ہم میں~~ سے ہر ایک کو حیرت تھی کہ حیدر آباد آرمی نے تالمود جیسی اہم جگہ اتنی سرعت سے ہمارے حوالے کیوں کی۔ یہ دراصل پہاڑی علاقہ تھا اور اگر حیدر آباد آرمی چاہتی تو اونچی پوزیشن پر ہونے کے باعث

www.taemeernews.com

خاصی دیر تک ہمیں روکے رکھ سکتی تھی لیکن اس نے اپنا اسلحہ اور دوسرا سازوسامان استعمال ہی نہیں کیا اور بھاگنے ہی میں عافیت سمجھی۔ مجھے پورا یقین ہے کہ حیدرآبادیوں کی صرف ایک بٹالین اس جگہ ہمارے پورے ڈویژن کو کم از کم چوبیں گھنٹے تو ضرور روک لیتی۔

ہمنا آباد کے راستے پر ایک چھوٹا سا گاوں عمرگہ نامی آباد ہے۔ خلاف توقع یہاں کے لوگوں نے ہماری آمد سے ڈر کر بھاگنے کی کوشش نہیں کی بلکہ ایک دوسرے کو لوٹنے اور ہلاک کرنے میں لگے رہے۔ دراصل یہ بستی حیدرآباد کے ایک بڑے جاگیردار کی ملکیت تھی اور یہاں ریاست کے احکام اور قوانین نافذ نہیں ہوتے تھے۔ کرنل رام سنگھ نے بستی کے لوگوں کو اس ہنگامے سے باز رہنے کی تلقین کی۔ مگر انہوں نے جواب میں فوج پر فائرنگ شروع کردی۔ یہ بات ناقابل برداشت تھی' چنانچہ ڈنڈے کے زور پر ان لوگوں کو سیدھا کردیا گیا۔

عمرگہ کے ان لوگوں کو امن اور قانون کی پابندی کا حکم سنانے اور سمجھانے میں اتنا وقت لگا کہ حیدرآباد آرمی کے بھاگے ہوئے فوجی رضاکار اور عرب سپاہی جو ان مکانوں میں پناہ لیئے ہوئے تھے چپکے سے کھسک لئے اور یہاں سے جنوب کی طرف چھ میل دور ایک اور گاوں کلیانی پہنچ گئے۔ چنانچہ ۳ کیولری کا ایک اسکویڈرن اور ۴ گوالیار انفنٹری کی ایک کمپنی ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کی گئی۔ چار گھنٹے تک حیدرآباد والوں نے دفاعی جنگ لڑی' مگر چونکہ ان میں کوئی نظام یا رابطہ رائج نہ تھا اور ہر شخص اپنے کام کا خود ہی ذمہ دار تھا اس لئے انہیں ہتھیار ڈالتی ہی بنی۔ تقریباً سو رضاکار مارے گئے اور دو سو گرفتار ہوئے۔ اس کے علاوہ گولہ بارود اور اسلحے کی بڑی مقدار ہمارے ہاتھ لگی۔ ہمارا نقصان صرف اتنا ہوا کہ گوالیار انفنٹری کے تین آدمی مارے گئے۔

یہ معرکہ بھی بارش کے دوران ہوا۔ ۱۵ر اور ۱۶ر ستمبر کی درمیانی رات ایک لمحے کے لئے بھی بارش نہ تھمی۔ تاہم میں نے ڈویژن کو حرکت میں آنے کا حکم دے دیا اب ہمارا رخ ظہیر آباد اور بیدر کی جانب تھا حیدرآباد پر قابض ہونے کے لئے ان دونوں شہروں کی

www.taemeernews.com

تسخیر لازمی تھی۔ اگرچہ حیدر آباد آرمی کے منصوبوں کا کوئی علم اس وقت ہم کو نہ تھا تاہم یہ سامنے کی بات تھی کہ وہ یہاں ڈٹ کر مقابلہ کریں گے اور حیدر آباد کو بچانے کے لئے پوری قوت یہیں جمع کردیں گے۔ بیدر ایئر فیلڈ کو ناکارہ کرنے کا فرض انڈین ایئر فورس کے سپرد کیا تھا چنانچہ اس نے بیدر پر شدید بمباری کی اور حیدر آباد کے کئی فوجی طیارے تباہ کرنے کے بعد اس اڈے پر قبضہ کرلیا تاکہ یہاں سے اپنے طیارے اگر ضرورت پڑے حیدر آباد پر ہوائی حملے کے لئے پرواز کرسکیں۔

ہمنا آباد کی تسخیر کا فرض نویں انفنٹری بریگیڈ کے سپرد کیا گیا جو سٹرائک فورس ظہیر آباد کو گھیرے میں لینے کے لئے آگے بڑھی ساتویں انفنٹری گروپ نے راجیسور اور اس کے نواحی علاقے پر یلغار کی۔ ۱۶ ستمبر کی صبح آٹھ بجے نویں انفنٹری بریگیڈ کے تھکے ہوئے جوانوں نے جب ہمنا آباد کے گرد گھیرا ڈالا تو وہاں کے باشندے حیران و ششدر رہ گئے ابتدا میں انہوں نے انڈین آرمی کے جوانوں کو حیدر آبادی سمجھ کر خوشی سے نعرے لگائے مگر بہت جلد انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ قصہ یہ تھا کہ ان بے چاروں کو حیدر آباد ریڈیو بار بار یہ بتا رہا تھا کہ انڈین آرمی کو نل درگ کے پل پر مار مار کر بھگا دیا گیا ہے۔ ہمنا آباد میں حیدر آباد آرمی کا کوئی شخص موجود نہ تھا اور یہ لوگ راتوں رات ہی وہاں سے راہ فرار اختیار کرچکے تھے۔ چند رضا کار اور ہمنا آباد ٹریژی کی حفاظت کے لئے مسلح عرب گارڈز دکھائی دیئے جنہوں نے معمولی مزاحمت کے بعد اپنے آپ کو ہمارے سپرد کردیا۔

ہمنا آباد میں ہندو اور مسلمان دونوں خاصی بڑی تعداد میں آباد تھے انہوں نے تلاشی کے دوران کوئی غیر معمولی حرکت نہ کی اور نہ ہمارے کام میں روڑے اٹکائے وہ انتہائی مایوسی اور خوف کے عالم میں ہمارے کہنے پر عمل کر رہے تھے۔ بریگیڈیئر ورما نے لوگوں کو یقین دلایا کہ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔ شہر کا انتظام وہ اسی طرح کرتے رہیں جس طرح پہلے سے کرتے آئے ہیں، فوج ان کے کاموں میں کوئی مداخلت نہیں کرے گی۔ میں نے اپنے افسروں اور جوانوں کو بھی حکم دیا کہ مقامی باشندوں کو ہراساں

www.taemeernews.com

نہ کیا جائے چنانچہ اس حکم پر باقاعدہ عمل کیا گیا

ادھر سٹرائک فورس نے تیزی سے ظہیر آباد کی جانب ایڈوانس جاری رکھا اور ہمنا آباد کے مشرق میں تقریباً سات میل دور حیدر آباد آرمی سے ان کی پہلی ٹکر ہوئی حیدر آباد فوج کی دو کھچا کھچ بھری ہوئی لاریاں برق رفتاری سے مغرب کی جانب بھاگی جا رہی تھیں۔ ان لوگوں کی بدنصیبی یہ تھی کہ یہ دونوں لاریاں ہمارے اگلے ٹینکوں کے ہتھے چڑھ گئیں اور چند لمحے بعد دھویں اور آگ کے سوا کچھ نہ تھا۔ ۲۴ آدمیوں کی لاشیں خاک و خون میں لت پت پڑی شمار کی گئیں۔ ۲۴ آدمی پکڑ لئے گے اور بقیہ جانیں بچا کر ادھر ادھر بھاگ نکلے۔ پکڑے جانے والے حیدر آبادی فوجی انتہائی حیرت کی نظروں سے ہمیں دیکھ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ انڈین آرمی ظہیر آباد تک کیسے پہنچ گئی۔ انہوں نے بتایا کہ حیدر آباد ریڈیو یہی کہتا رہا کہ انڈین آرمی کو تالمود کے مقام پر روک دیا گیا ہے اور اسے اس سے آگے ہرگز نہیں بڑھنے دیا جائے گا

ہمنا آباد کی تسخیر کے بعد فرسٹ آرڈر بریگیڈ بیدر کو جانے والی سڑک پر روانہ ہوگیا۔ ڈویژن کے جوان مسلسل تین روز سے حرکت میں تھے اور انہیں آرام کرنے کا ایک لمحہ بھی میسر نہیں آیا تھا۔ تاہم کسی کے لبوں پر حرف شکایت نہ آیا۔ ان میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ حیدر آباد کو اس کی گستاخیوں کی جلد از جلد سزا مل جانی چاہیے۔

ہمنا آباد' بیدر اور ظہیر آباد میں شکست کھانے کے بعد حیدر آباد پر زیادہ دیر تک قبضہ جمائے رکھنا حیدر آباد آرمی کے لئے ناممکن ہوگیا۔ ان کا مورال حد سے زیادہ گر چکا تھا اور سپاہیوں کے حوصلے انتہائی پست تھے۔ بیدر ایر فیلڈ ہاتھ سے نکل جانے کے بعد ان کی رہی سہی آس بھی ٹوٹ گئی۔

۱۷ر ستمبر ۴۸ کو جنوبی کمانڈ کے جی او سی ان چیف لیفٹیننٹ جنرل مہاراج شری راجندر انے حیدر آباد آرمی کے کمانڈر انچیف میجر جنرل العیدروس سے غیر مشروط ہتھیار ڈالنے کے لئے کہا۔ انہوں نے جن الفاظ میں جنرل العیدروس کو براڈکاسٹ کے ذریعے ہتھیار ڈالنے کے لئے کہا تھا وہ یہ ہیں:

www.taemeernews.com

اول: آپ اس حقیقت کو تسلیم کریں گے کہ صورتحال اس نقطے پر پہنچ چکی ہے جہاں آپ کی فوج اب کوئی کام نہیں دے سکتی۔ انڈین آرمی سے مزید مقابلہ بے سود اور بے کار ہے' اس کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہ نکلے گا کہ آپ کا جانی اور مالی نقصان بہت بڑھ جائے گا جو میرے خیال میں دوراندیشی نہ ہوگی۔

دوم: رضاکار اور اس طرح کے دوسرے شرپسند عناصر جو حالات کو اس درجے تک پہنچانے کے ذمہ دار ہیں تتر بتر کئے جا چکے ہیں۔ اب وہ کہیں بھی انڈین آرمی کی راہ میں دیوار نہیں بن سکتے۔

سوم: چنانچہ میں آپ سے انسانی مفاد کے نام پر مطالبہ کرتا ہوں کہ غیر ضروری اور بے سود جانوں کے ضیاع کو روکنے کے لئے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیں۔

چہارم: براہ کرم ۶۶ فریکوئنسی پر اس مطالبے کا جواب فوراً" دیجئے۔ میرا خیال تھا کہ جنرل العیدروس ہتھیار ڈالنے کے غیر مشروط مطالبے کو فوراً" مان لیں گے اس لئے میں نے فرسٹ آرمرڈ ڈویژن کے اگلے دستوں کے کمانڈروں کو ہدایت کردی تھی کہ اگر حیدر آباد کی طرف سے سفید جھنڈے اٹھائے ہوئے کچھ فوجی افسر بر آمد ہوں تو انہیں فوراً" میرے پاس پہنچا دیا جائے' لیکن ایسا نہیں ہوا۔ یہ ہمیں بعد میں علم ہوا کہ جنرل العیدروس نے ہمارے کمانڈر انچیف کا نشریہ ہی نہ سنا اور اگر سنا تو نامعلوم وجوہ کی بنا پر اس سے لاعلمی کا اظہار کیا بہرحال ۱۷ر ستمبر کا تمام دن ہم نے اسی امید میں گزارا کہ جنرل العیدروس ہتھیار ڈالنے کا اعلان کردیں گے۔

اس دوران میں حیدر آباد شہر میں سے ہزارہا کی تعداد میں ہندو نکل کر ہمارے پاس آنے لگے اور انہوں نے بتایا کہ شہر میں سخت خوف و ہراس پھیلا ہوا ہے رضاکار اس شکست کا الزام فوج کے سر پر رکھ رہے ہیں اور فوج والے رضاکاروں کو برا بھلا کہہ رہے ہیں انہوں نے ہر جگہ کام خراب کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جنگ کی ابتداء میں حیدر آباد آرمی اور رضاکاروں نے مکمل تعاون کا مظاہرہ کیا لیکن اعلیٰ منصوبہ بندی کے فقدان اور تجربے کار فوجی قیادت کے بغیر کوئی بھی طاقت میدان جنگ میں زیادہ دیر

www.taemeernews.com

نہیں ٹھہر سکتی اور حیدر آباد کے زوال کی اصل وجہ بھی یہی تھی کہ وہاں فوج اور عوام میں ایک دوسرے کے لئے کوئی ہمدردی نہ تھی اور فوج میں سازشی اور غیر وفادار عنصر کثرت سے تھا۔

حیدر آباد سے زیادہ بیدر میں ہنگامے برپا تھے۔ وہاں مسلمانوں نے ہندوؤں کو لوٹنے اور ہلاک کرنے کی مہم چلا رکھی تھی۔ چنانچہ ا ہنگامے کو روکا گیا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بیدر شہر مسلمانوں سے خالی ہوگیا یہ لوگ کئی میل دور بادشاہوں کے پرانے مقبروں میں پناہ گزین ہوئے اور وہاں بھی انہوں نے ایک دوسرے کو لوٹنے کا بازار گرم کئے رکھا۔

۱۷ اور ۱۸ ستمبر کی درمیانی رات میری فوجی زندگی کی ایک مصروف اور ناقابل فراموش رات ہے ایک ثانیے کے لئے بھی پلک نہ جھپکی اور میرا خیال ہے کہ ڈویژن کے جتنے بھی ذمہ دار افسر تھے ان میں سے بھی کوئی سو نہ سکا۔ جنوبی کمانڈر کی جانب سے ہدایات اور احکام کا ایک بڑا پشتارہ موصول ہوا تھا اور جنوبی کمانڈ کو یہ ہدایات مرکزی حکومت کی طرف سے جاری کی گئی تھیں۔ واقعہ یہ ہے کہ انڈین یونین حیدر آباد کی فتح کو اتنی جلد اور اتنا آسان خیال نہ کرتی تھیں لیکن حالات نے جس سرعت سے کروٹ لی اور حیدر آباد کی فوجی قوت جس طرح بے دست و پا ہوگی اس نے انڈین یونین کو حیران کردیا۔

اس وقت ریاست اور خود نظام کی اندرونی کیفیت کیا تھی؟ اس کا صحیح صحیح اندازہ نہ ہوسکا تاہم حیدر آباد کا یہ معمر، تند مزاج لیکن دانش مند بادشاہ اپنے وزراء کے ہاتھوں سخت نالاں تھا کیونکہ اسی روز اس نے حیدر آباد ریڈیو کے ذریعے اپنی رعایا سے خطاب کرتے ہوئے سقوط کی تمام تر ذمے داری میر لائق علی وزیر اعظم کی کابینہ پر ڈالی اور کہا کہ میر لائق علی نے اپنے گرد "احمقوں" کی بارات جمع کر رکھی ہے۔ رضاکاروں کے لیڈر قاسم رضوی نے ریڈیو سے تقریر نشر کی جسے میں نے بھی سنا اور مجھے تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ تقریر قاسم رضوی کی زندگی کی بہترین اور یادگار تقریروں میں سے ایک تھی۔

www.taemeernews.com

انڈین ایجنٹ جنرل مسٹر کے ایم منشی ان مذاکرات میں الجھے ہوئے تھے کہ انڈین آرمی کو کب اور کس طرح حیدر آباد میں داخل ہونا چاہئے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ نظام نے جنرل العیدروس کو ہتھیار ڈالنے کی اجازت دے دی تھی۔ جنوبی کمانڈر کی جانب سے میرے نام جو حکم اس سلسلے میں جاری کیا گیا اس کا خلاصہ یہ تھا:

(۱) جنوبی کمانڈر کے جی او سی ان چیف کے احکام کے مطابق میجر جنرل جے این چودھری کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ حیدر آباد آرمی سے ہتھیار ڈلوانے کی رسم میں شریک ہوں۔ یہ رسم حیدر آباد سے پانچ میل کے فاصلے پر ۱۸ر ستمبر کو ٹھیک بارہ بجے دوپہر ادا ہونی چاہئے۔

(۲) حیدر آباد آرمی کے ہتھیار ڈالتے ہی میجر جنرل جے این چودھری ریاست کے ملٹری گورنر مقرر کئے جائیں گے اور وہ فوراً" اپنا یہ عہدہ سنبھال کر کام شروع کردیں گے۔ ان کا یہ اولین فرض ہوگا کہ وہ ریاست میں امن وامان کی فضا بحال کریں۔

(۳) ہتھیار ڈالنے کے فوراً" بعد حیدر آباد آرمی میجر جنرل چودھری کی کمان میں آجائے گی اور جنرل چودھری خود اس امر کے مجاز ہوں گے کہ وہ حیدر آباد آرمی سے کیا اور کس نوعیت کا کام لیں۔

(۴) ملٹری گورنر کا عہدہ سنبھالنے کے بعد جنرل چودھری کا فرض یہ بھی ہوگا کہ وہ فوج کو جلد از جلد سکندر آباد چھاؤنی میں پہنچا دیں ۱۸ر ستمبر کی شام تک فوج کی بڑی تعداد ہر صورت میں سکندر آباد کی بیروکوں میں چلی جانی چاہئے۔

(۵) حیدر آباد آرمی اپنی بچھائی ہوئی بارودی سرنگیں خود صاف کرے گی اور اس کام میں کسی قسم کی تاخیر نہ کی جائے گی۔

(۶) ریاست کے سول حکام ۱۹ر ستمبر کو ملٹری گورنر سے ریاست کے نظم ونسق کے بارے میں مشورہ کرنے حاضر ہوں گے۔

(۷) میر لائق علی کی کابینہ کے وزراء فوراً" نظر بند کئے جائیں گے۔

(۸) رضاکاروں کے بڑے بڑے لیڈروں کو یا تو نظر بند کیا جائے گا یا انہیں گرفتار

www.taemeernews.com

کرلیا جائے۔ قاسم رضوی اگر ہتھیار ڈالنے کے بعد بھی حیدر آباد میں موجود ہو تو کسی تاخیر کے بغیر پکڑ لیا جائے۔

ہتھیار ڈالنے کی رسم جتنی سیدھی سادی تھی اتنی ہی موثر اور تاریخی بھی۔ طے پایا تھا کہ اس رسم کے وقت ہزہائی نس پرنس آپ برار (شہزادہ اعظم جاہ ولی عہد ریاست حیدر آباد) مسٹر کے ایم منشی انڈین ایجنٹ برائے حیدر آباد اور کمانڈر انچیف میجر جنرل العیدروس موجود ہوں گے لیکن جب میں اپنی جیپ میں مقررہ جگہ پر پہنچا تو میں نے وہاں صرف جنرل العیدروس کو دیکھا جو اپنے ایک اے ڈی سی کے ساتھ آئے تھے۔ ان کی وردی ڈھیلی ڈھالی اور آنکھوں پر سیاہ شیشوں کی عینک چڑھی ہوئی تھی۔ وہ غم واندوہ کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ میں ان کے قریب پہنچا اور ہم نے ایک دوسرے کو سلیوٹ کیا۔ میرے عقب میں تمام گروپ کمانڈر ایک لائن بنائے کھڑے تھے۔ یہ ایک یادگار لمحہ تھا میں نے کہا۔

"جنوبی کمانڈر کے جی او سی ان چیف لیفٹیننٹ جنرل مہاراج شری راجندر ا کے حکم کے مطابق میں آپ کی فوج سے ہتھیار ڈلوانے آیا ہوں۔"

جنرل العیدروس نے مدھم آواز میں جواب دیا۔

"ہم تیار ہیں"۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ ہتھیار غیر مشروط طور پر ڈلوائے جائیں گے؟

"جی ہاں! مجھے معلوم ہے۔

"آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ جنوبی کمانڈ کے جی او سی ان چیف کے حکم کے مطابق حیدر آباد آرمی میری کمان میں رہے گی؟"

"جی ہاں مجھے یہ بھی معلوم ہے"۔

بس یہی سوال جواب ہمارے مابین ہوئے اور رسم پوری ہو گئی۔ پھر میں نے اپنا سگریٹ کیس نکال کر جنرل العیدروس کو سگریٹ پیش کیا۔ ہم دونوں نے اپنے اپنے سگریٹ سلگائے اور خاموشی سے الگ الگ ہٹ گئے۔ چند لمحے بعد میں نے جنرل

www.taemeernews.com

العیدروس کو حکم دیا کہ وہ بلارم اور سکندر آباد کی بیرکیں حیدر آبادی فوجوں سے خالی کرائیں' کیونکہ وہاں ہمارا آرمرڈ بریگیڈ قیام کرے گا۔ اس کے علاوہ حیدر آباد آرمی پوری ریاست میں امن و امان برقرار رکھنے کی ذمے دار ہو گی۔ جنرل العیدروس کو یہ بھی کہا گیا کہ وہ شام کے سات بجے ریاست کے تمام بڑے بڑے سول حکام کو میری قیام گاہ پر پہنچنے کی ہدایت کر دیں۔ حیدر آباد کے انسپکٹر جنرل پولیس کو حکم دے دیں کہ شام سات بجے سے صبح چھ بجے تک حیدر آباد اور اس کے نواحی علاقوں میں کرفیو نافذ رہے گا اور تمام پولیس افسر' ملٹری گورنر سے ہدایات حاصل کریں گے۔

جنرل العیدروس نے مجھے بتایا کہ حیدر آباد میں حالات کچھ زیادہ ابتر نہیں ہیں۔ البتہ رضاکاروں کا ڈر ہے کہ وہ کہیں گڑبڑ نہ کریں' کیونکہ ان کا لیڈر قاسم رضوی ابھی تک حیدر آباد ہی میں ہے۔ مجھے یہ سن کر حیرت ہوئی' چنانچہ قاسم رضوی کو جلد از جلد گرفتار کر لینے کا حکم دیا گیا۔ جنرل العیدروس کا خیال تھا کہ قاسم رضوی کو ابھی گرفتار نہ کیا جائے' اس سے رضاکاروں میں اشتعال پھیلے گا اور ممکن ہے یہ لوگ خونریزی پر اتر آئیں۔ مگر میں نے العیدروس کی اس رائے کو کوئی اہمیت نہ دی اور چند دلیر قسم کے فوجی افسر قاسم رضوی کو پکڑنے کے لئے بھیجے۔ وہ اس وقت حیدر آباد شہر کے بیرونی حصے میں کسی جگہ اپنے برادر نسبتی کے مکان میں چھپا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں گولیوں سے بھرا ہوا ایک ریوالور تھا۔ جب اس نے فوج کو مکان کا محاصرہ کرتے دیکھا' تو چلا کر کہنے لگا میں اپنے آپ کو ختم کر لوں گا' مگر تمہارے ہاتھ نہیں آؤں گا۔ اس کی اس دھمکی نے فوجی افسروں کو خاصا پریشان کیا۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اسے کیسے پکڑیں' چنانچہ مجھے اطلاع دی گئی۔ میں نے فوراً" اسے پیغام بھیجا کہ وہ چپ چاپ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دے' اس سے بہتر سلوک کیا جائے گا میں دیکھ رہا تھا کہ یہ پیغام میرے ماتحت فوجی افسروں کو بہت برا لگا۔ کیوں کہ قاسم رضوی نے ہندوستانی فوج کو جتنی گالیاں دی تھیں' ان کے باعث وہ اس کی تکابوٹی کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ بہرحال قاسم رضوی نے میرا پیغام سن کر شرافت کا ثبوت دیا اور اپنے آپ کو سپاہیوں کے حوالے کر دیا۔ میں نے

www.taemeernews.com

اپنا وعدہ پورا کیا اور جب تک وہ میرے پاس قید رہا، کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دی۔ چائے، کھانا، بستر اور ضرورت کی ہر شے اس کے لئے مہیا کی گئی۔ قاسم رضوی کی گرفتاری کے ساتھ ہی "اوپریشن پولو" کا ایک حصہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔

www.taemeernews.com

پانچ روزہ جنگ

میر لائق علی

میر لائق علی ۱۹۰۳ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حیدر آباد میں اور انجینئری کی اعلیٰ تعلیم انگلستان کی مانچسٹر یونیورسٹی میں حاصل کی۔ وطن واپسی کے بعد حیدر آباد میں کئی صنعتیں قائم کیں، جو بڑی کامیابی سے چلیں۔ ان صنعتوں میں سرپور کاغذ مل اور حیدر آباد کنسٹرکشن کمپنی نے بڑی شہرت حاصل کی۔ ۱۹۴۷ء میں، جب کہ وہ پاکستانی شہری نہ تھے، قائد اعظم نے ان کو اقوام متحدہ میں پاکستان کا نمائندہ نامزد کیا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قائد اعظم کو ان پر کتنا اعتماد تھا۔ اسی سال یعنی ۱۹۴۷ء میں انہیں حکومت حیدر آباد کا صدر اعظم مقرر کیا گیا۔ فوجی حملے کے بعد وہ گھر میں نظربند کردیے گئے، جہاں سے مارچ ۱۹۵۰ء میں وہ کسی طرح پاکستان پہنچ گئے۔

کراچی پہنچ کر انہوں نے حیدر آبادی مہاجرین کے لئے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ حیدر آباد ٹرسٹ قائم کیا۔ جس کے تحت کئی رفاہی ادارے اور ایک ہسپتال قائم ہوا۔ حیدر آبادی مہاجرین کے لئے حیدر آباد کالونی آباد کی۔ متعدد کارخانے قائم کیے۔ افسوس کہ یہ کارخانے کامیابی سے نہ چل سکے۔ یہاں انہوں نے حکومت پاکستان کی وزارت دفاع کے مشیر کی حیثیت سے بھی وقتاً فوقتاً کام کیا۔ ۱۹۷۱ء میں نیویارک میں انتقال کیا، لیکن تدفین جنت البقیع مدینہ منورہ میں ہوئی۔

"پانچ روزہ جنگ" مرحوم کی تصنیف TRAGEDY OF HYDERABAD کے آخری تین ابواب کا ترجمہ ہے۔ ان ابواب کے مترجم سید شاہ غازی الدین ہیں، جو مہاراشٹرا کے ایک کامیاب وکیل اور صحافی ہیں۔ "پانچ روزہ جنگ" ان کے اپنے جاری کردہ رسالے "آئینہ ایام" میں قسط وار چھپتی رہی ہے۔ شاہ صاحب آج کل "الفیض" کے مدیر ہیں، جو شولاپور (مہاراشٹرا) سے نکلتا ہے۔

میرلائق علی، صدر اعظم (وزیر اعظم)

www.taemeernews.com

پانچ روزہ جنگ

میر لائق علی

۱۳ر ستمبر ۱۹۴۸ء کی ابتدائی ساعتوں میں میرے بستر کے قریب رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی، میں حیدر آبادی فوج کے کمانڈر سے مخاطب تھا۔ فون اٹھانے سے پہلے ہی میں سمجھ چکا تھا کہ یہ فون ہندوستانی حملے سے متعلق ہوگا۔ میرا اندازہ صحیح نکلا بیدر، ورنگل اور اورنگ آباد کے ہوائی اڈوں پر زبردست بمباری ہو رہی تھی۔ کمانڈر مجھ سے ضروری ہدایات لے چکا تھا۔ اس دوران اس وقت کے پولیس چیف کے علاوہ فوج کے ہیڈ کوارٹرس کے دوسرے آفیسرس کے فون آچکے تھے جن میں ہندوستانی فوج کے حملوں اور مزید ٹھکانوں پر ہوائی حملوں کی اطلاع تھی۔ یہ سب کچھ میرے ہمیشہ کے جاگنے کے وقت سے آدھا گھنٹہ قبل ہوا۔ فجر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد اپنے دن بھر کی مصروفیت کے لئے تیار تھا۔

فجر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں حاکم وقت میر عثمان علی خاں نظام سے ملاقات سے قبل فوجی ہیڈ کواٹرز میں داخل ہوا جہاں فوجی کمانڈوس ایک نقشہ پر چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں لگا کر اس بات کا معائنہ کر رہے تھے کہ کن کن مقامات سے ہندوستانی فوج داخل ہو چکی ہے اور دفاعی مورچہ کہاں کہاں واقع ہیں۔ اس وقت یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ ہندوستانی فوج کا سب سے اہم دباؤ مغرب یعنی شولا پور، حیدر آباد شاہراہ سے ہو رہا ہے۔ اور مشرق میں معمولی ٹیم حیدر آباد شاہراہ سے دونوں بازو سے ہندوستانی فوج کی قیادت شرمن ٹینک کی ٹکڑیاں کر رہی تھیں جبکہ باقی تین مرکزوں سے اسٹورٹ ٹینک اور بکتر بند گاڑیوں کے قافلے حملوں میں حصہ لے رہے تھے اس کے علاوہ اور ۵

www.taemeernews.com

مراکز سے صرف بکتر بند گاڑیاں اور موٹروں کے دو سپاہی ڈویژن حیدر آباد کے علاقے میں داخل ہوگئے۔ شمال میں من وار دھاندی کوٹرین سے پار کیا جارہا تھا اس کے علاوہ بہت سارے علاقوں سے ہندوستانی فوج کا داخلہ جاری تھا۔ جنوب مغرب میں سرحدی دریا تنگ بھدرا کو ریلوے پل کے ذریعے پار کیا جارہا تھا۔ غرض نقشہ پوری طرح جھنڈیوں سے گھرا ہوا تھا جو اس بات کی نشاندہی کررہا تھا کہ مختلف مقامات سے فوج داخل ہوچکی ہے۔ جیساکہ کہا جاچکا ہے سب سے پہلا حملہ شولا پور کے راستے سے ہوا تھا جس میں ٹینک کا ایک بریگیڈ اوراس کے ساتھ موٹروں کے ذریعے ایک ڈویژن سپاہی حملے میں حصہ لے رہے تھے۔ اس کی تیاری کئی دنوں سے چل رہی تھی پورا علاقہ عوام کے لئے ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا یا تو سیدھے شولا پور حیدر آباد شاہراہ پر واقع نلدرگ، ہمنا آباد، ظہیر آباد سے گذرتے ہوئے فوجیں حیدر آباد پہنچ سکیں یا پھر نلدرگ کو نظر انداز کرکے شولا پور، عثمان آباد، لاتور روڈ سے ہوتے ہوئے بیدر اور پھر ظہیر آباد سے ہوتے ہوئے حیدر آباد جاسکے یا پھر بیدر سے کسی متبادل راستے سے سیدھے حیدر آباد پہنچا جاسکے۔ چونکہ دکن کے پلاٹو میں جگہ جگہ پہاڑیاں ہیں اور کہیں کہیں گہرے نالے ہیں اس لئے ہندوستانی فوجوں کے ٹینکوں کو آگے بڑھنے کے لئے ان شاہراہوں کو چھوڑ کر دوسرے راستوں کو اختیار کرنا ممکن نہیں تھا۔ چونکہ میں پہلے ہی اس بات کا اندازہ کررہا تھا کہ حملہ شولا پور حیدر آباد سڑک کے راستے ہونے والا ہے اس لئے دفاع کی پہلی لائن نلدرگ پر منظم کی گئی تھی۔ نلدرگ پر ایک بٹالین فوج اور ۲۵ پونڈ کے گولے پھینکنے والی توپیں نصب کی گئیں تھیں۔ نلدرگ کے قریب ندی ایک تنگ گھاٹی سے گزرتی ہے جس کے دونوں جانب ۳ سے ۴ سو فٹ اونچی پہاڑیاں ہیں سڑک پیچ وخم کھاتی ہوئی ایک پل پر سے گذرتی ہے جو اس کھائی کی گہرائی میں بنایا گیا ہے۔ یہ پلان بنایا گیا تھا کہ کسی بھی حملے کے وقت اس پل کو اڑا دیا جائے تاکہ دائیں بازو کے کنارے طویل عرصے تک مورچہ کا دفاع کیا جاسکے۔ پل اڑادینے کے بعد جغرافیائی نقطہ نظر سے اس جگہ کو پار کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس مورچہ کو تیار کرنے کے بعد میلوں دور کے علاقے کا کوئی دفاعی نظام نہیں

www.taemeernews.com

تھا۔ اسی طرف ضلع کے صدر مقام عثمان آباد کو بھی بغیر کسی دفاعی نظام کے چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس علاقے میں دوسرا دفاعی مورچہ لاتور کے قریب مانجرا ندی پر قائم کیا گیا تھا۔ تاکہ بیدر کی طرف جو دفاعی اور فوجی نقطہ نظر سے بہت اہم تھا، کوچ نہ کیا جاسکے نلدرگ سے آگے دالم نامی مقام پر بھی دفاعی نظام قائم کیا گیا دالم اگرچہ یہ کہ جغرافیائی نقطہ نظر سے دفاع کے لئے بہت موزوں تو نہیں تھا مگر پھر بھی بڑھتی ہوئی فوج کی رفتار میں رکاوٹ پیدا کرنے کے لئے مناسب جگہ تھی دالم سے آگے فوجی نقطہ نظر سے ہمنا آباد بھی اتنا ہی اہم تھا جتنا نلدرگ یہاں تقریباً ۱۰ میل تک سڑک پہاڑی علاقے سے گذرتی ہے اور اس سڑک پر ایسے کی مقامات ہیں جہاں سے حملہ آور فوج کے بڑھنے کی رفتار کو کم کیا جاسکتا تھا۔ ہمنا آباد کے بعد صرف ایک مقام قدرتی طور پر دفاعی نقطہ نظر سے اہم تھا اور پھر لنگم پلی کی پہاڑی کے سوائے دارالخلافہ حیدر آباد تک راستہ بالکل صاف تھا۔

۱۳ر ستمبر کو ہندوستانی فوجوں کا ٹینک بریگیڈ شولا پور کے راستے نلدرگ کی طرف بڑھنے سے پہلے ٹینک کا ایک کالم نلدرگ سے کچھ فاصلہ پہلے شمال کی طرف مڑ کر عثمان آباد کی طرف بڑھ گیا۔ نلدرگ کے دفاعی مورچے پر بڑھنے والے فوجی دستوں کی مدد کے لئے نلدرگ کے مورچے پر زبردست ہوائی حملے کئے گئے۔ ٹینک کا دستہ نلدرگ کے قریب آنے پر توپوں سے گولے برسائے گے اور رپورٹ کے مطابق ٹینک تباہ کے گئے۔ ہندوستانی فوج کے اس کالم نے شمال کی طرف کوچ کیا۔ بغیر کسی مزاحمت کے بمباری کرتے ہوئے عثمان آباد ضلع میں داخل ہوا اور پھر وہاں سے ایڑسی سے ہوتا ہوا مشرق کی طرف مڑ کر لاتور کی طرف بڑھ گیا اگرچہکہ کوئی مزاحمت نہیں ہوئی مگر اس کی رفتار بہت سست تھی۔

ریاست کے مشرق کی طرف سے "شرمن" ٹینک کا ایک کالم سوریا پیٹ سے ہوتا ہوا حیدر آباد کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اسی دن سب سے پریشان کن خبر ریاست کی شمال سے آئی یہ خبر راجورہ سے آئی تھی جہاں نظام اسٹیٹ کو ہندوستانی علاقے سے جوڑنے والا واردھا ندی پر ایک ریلوے پل تھا اس محاذ کے دفاع کے لئے صرف ایک ریلوے انجینئر

www.taemeernews.com

کو معہ چند سپاہیوں اور پولیس کے متعین کیا گیا تھا جس کے ذمہ کسی بھی حملے کے وقت پل کو اڑا دینا مقرر تھا معلوم ہوا کہ جس وقت ہندوستانی فوج پل پار کر رہی تھی اس وقت وہ انجینئر ریلوے پل سے تقریباً ۶۵ میل دوری پر آرام سے سو رہا تھا۔ بعد میں اگرچہ حیدرآبادی فوج چھوٹے چھوٹے پلوں کو تباہ کرنے کامیاب ہوئے مگر اس سے ہندوستانی فوج کے آگے بڑھنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئی۔ دوسرے محاذوں سے اطلاعات نامکمل تھیں۔ اور صحیح اندازے لگانا مشکل تھا مجھے بڈگاؤں' ناندیڑ روڈ اور ہنگولی ناندیڑ روڈ کے بارے میں زیادہ تشویش تھی۔ جالنہ سے متضاد خبریں مل رہی تھیں جبکہ اورنگ آباد سے کسی قسم کی خبر نہیں مل رہی تھی۔ مغرب میں بیڑ بھی بغیر کسی دفاع کے چھوڑ دیا گیا تھا یہاں کوئی قابل ذکر فوجی کارروائی نہیں ہو رہی تھی لیکن جنوب مغرب میں منیر آباد کے اس پاس ہبلی منیر آباد ریلوے لائن سے متصلہ کافی فوجی کارروائیوں کی اطلاعات مل رہی تھیں۔ اس علاقے کے دفاع کی ذمہ داری محکمہ آب پاشی کے انجینئرز پر ڈالی گی تھی جنھوں نے اس کو خوب نبھایا۔ ان کا دفاع شاندار تھا اور پوری ریلوے لائن جو ریاست حیدرآباد کے علاقے میں سے گزرتی تھی ان کی تحویل میں تھی۔ اطلاع ملی کہ یہ والنٹیرز ہندوستانی علاقے میں گھس کر ہوس پیٹ اور اس کے آس پاس کے علاقوں پر قبضہ کرنے ہی والے تھے۔ مختلف محاذوں سے مختلف قسم کی رپورٹ مل رہی تھیں مگر سب سے برا حشر' ورنگل' بیدر' رائچور' عادل آباد اور اورنگ آباد کے ہوائی اڈوں کا ہوا یہاں ہندوستانی فضائیہ کے طیاروں نے شدید بمباری کی۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ پوری ریاست میں صرف بیگم پیٹ جو حیدرآباد شہر سے ۱۵ میل دور واقع ہے اس ہوائی اڈے پر طیارہ شکن توپیں نصب تھیں اس کے علاوہ ریاست میں کسی اور ہوائی اڈے پر اس قسم کا کوئی انتظام نہیں تھا اس لئے بیگم پیٹ ہوائی اڈے پر کوئی حملہ نہیں ہوا۔

فوجی ہیڈ کوارٹر میں کچھ وقت گزارنے کے بعد میں نظام سے ملاقات کے لئے گیا۔ صبح سے ہی بذریعہ فون نظام کو تازہ ترین صورتحال سے باخبر رکھا جا رہا تھا۔ ملاقات کے

www.taemeernews.com

وقت تمہیدی جملوں سے بچ کر سیدھے جنگ کی صورت حال اور آئندہ کے پلان کے بارے میں گفتگو کی گئی۔ فوجی صورت حال سے نظام کو واقف کرانے فوج کے کمانڈر کو روانہ کیا گیا تھا نظام نے تفصیلات میں بہت دلچسپی دکھائی لیکن میں نے ان سے درخواست کی کہ فوج کے کمانڈر کا زیادہ وقت نہ لیا جائے انہیں ہیڈ کوارٹرس میں ہی رہنے دیا جائے۔ نظام راضی ہوگئے اور میں خود بھی اجازت لے کر وہاں سے نکل گیا۔

فوجی عہدہ داروں سے دوران گفتگو یہ پتہ چلا کہ وائرلیس پر پیغامات بھیجنے کے لئے جو کوڈ استعمال ہوتا ہے وہ اتنا قدیم تھا کہ اس بات کا پورا امکان تھا کہ ہندوستانی فوج اس کوڈ سے واقف ہونے کی وجہ سے وائرلیس کے پورے پیغامات سن چکی ہے۔ یہ میرے لئے ایک صدمہ تھا۔ وقت جیسے جیسے گزرتا گیا ویسے ویسے اس بات کا حساس ہو رہا تھا کہ فوجی کمانڈر کے پاس کوئی پلاننگ نہیں تھی اگرچیکہ دوسرے تمام آفیسرس انتہائی جوشیلے اور پرعزم تھے کوئی شعبہ ایسا نہیں تھا جس میں بد نظمی نہ ہو میڈیکل سروس' راشن حمل و نقل' اسلحہ کی تقسیم وغیرہ ہر شعبہ میں انتظامات نامکمل اور فوجی کمانڈر مجھ سے اور سیویلین انتظامیہ سے رہبری کا خواہاں تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اب مجھے فوجی ہیڈکوارٹرس میں رہنا چاہئے غلطیوں کے لئے کسی کو الزام دینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ بنیادی غلطی فوجی کمانڈر پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کرنا تھا جب یہ بات نظام کے علم میں لائی گئی تو وہ حیرت زدہ ہوگئے۔ جیسے جیسے وائرلیس سے پیغامات ملنے لگے ویسے ویسے ضروری ہدایات دی گئیں اس بات کا احساس تھا کہ تمام پیغامات' ہندوستانی فوج کو بھی پہنچ رہے ہیں مگر اس وقت کوئی متبادل انتظام کرنا بے معنی تھا۔ فوجی کمانڈر خود اعتمادی کھوچکا تھا وہ پریشان تھا میں نے اس کی ہمت افزائی کی کہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہے۔ دوبارہ میں نے نظام سے ملاقات کی اور دوسرے اہم امور سے متعلق فیصلوں کے لئے اور دوپہر کے کھانے کے لئے آفس آیا۔ اس بحران کے دور میں میرے دست راست ایک تجربہ کار سیویلین محبوب علی خان تھے ان کے ذریعہ کراچی میں مقیم حیدرآباد کے ایجنٹ جنرل مشتاق احمد کو ضروری ہدایات دی گئیں تاکہ وہ ہدایات

www.taemeernews.com

نیویارک میں اقوام متحدہ کے حیدر آباد کے نمائندے کو روانہ کی جائیں۔ ان دنوں حکومت ہند کے نمائندے مقیم حیدر آباد جناب کے ایم منشی کی حفاظت کے نقطہ نظر سے بڑے اہتمام کے ساتھ انہیں لیک ویو گیسٹ ہاؤس میں منتقل کرنا پڑا۔ اس خبر کو حیدر آباد ریڈیو سے بھی نشر کرنا پڑتا تھا۔ حیدر آباد کے نمائندے مقیم دہلی کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کیا جائے جیسے یہاں جناب منشی کے ساتھ کیا جارہا ہے۔

چند گھنٹوں کے بعد میں جب فوجی ہیڈکوارٹرس پہنچا تو اطلاع ملی کہ نلدرگ کا دفاعی مورچہ زبردست بمباری سے تباہ ہوگیا ہے اس کے بچے کچھے سپاہیوں کو ڈالم واپس ہونے کی ہدایات دی گئیں۔

نلدرگ کے پل کے بارے میں فوجی کمانڈر سے معلوم ہوا کہ وہ صحیح وسلام ہے جبکہ اس پل میں پوری طرح سے ڈائنامیٹ لگادیئے گئے تھے اور صرف فیوز کے ذریعہ اڑا دینا آسان تھا یہ پوچھے جانے پر کہ امدادی فوج نلدرگ کو کیوں نہیں روانہ کی گئی؟ جواب ملا کہ بمباری کی وجہ سے یہ ممکن نہیں تھا۔ میرا خود کا اعتماد متزلزل ہوگیا۔

شام ۴ بجے ہندوستانی فوج اطمینان سے نلدرگ کا پل پار کررہی تھی فوجی کمانڈر کے ذریعے یہ بتلایا گیا کہ ڈالم تک پہنچنے کے لئے دوسرا پورا دن لگ جائے گا۔ پھر یہ مشورہ دیا گیا کہ ڈالم سے رہی سہی فوج ہٹا کر ہمنا آباد کی پہاڑی سڑک پر مورچہ بندی کی جائے کیونکہ اس علاقہ میں دفاع اچھی طرح کیا جاسکتا ہے۔

حیدر آباد فوج کے کمانڈر نے فوجی ہیڈکوارٹرس میں ہی پلنگ لگا رکھا تھا اور انہوں نے وہیں مستقل طور پر رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ جبکہ جنرل اسٹاف کے دوسرے اراکین باری باری اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔ اسی دن شام نظام کے ساتھ آدھا گھنٹہ گزارنے کے بعد میں خود فوجی ہیڈکوارٹرس میں رات دیر گئے تک ٹھہرا رہا ہوائی پٹیوں پر بمباری کے علاوہ دوسرے کوئی خاص اہمیت کی اطلاعات نہیں مل رہیں تھیں۔ بیدر کا ہوائی اڈا ہمیشہ سے ہتھیار اور گولہ بارود کے منتقل کے لئے استعمال ہوتا رہا تھا ایسا کرنے کے لئے ہندوستانی فضائیہ کے طیارے بیدر پر مسلسل اڑان بھر رہے تھے اس لئے بیدر

www.taemeernews.com

آنے والے طیاروں کو ورنگل کے ہوائی اڈے پر اترنے کی ہدایت دی جا رہی تھی۔

نلدرگ کے قریب ندی کے پل اور شمال میں واردھاندی کے پل کو ڈائنامٹ سے نہ اڑا دینے کی وجہ سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ فوج کسی کام کے لائق نہیں اس لئے میں نے یہ طے کرلیا کہ یہ کام محکمہ تعمیرات کے انجینئرس کو دیا جائے کیونکہ وہ خود اس قسم کے پلوں کی تعمیر کی تفصیلات سے واقف ہیں۔ اس کام کے لئے مجھے متعدد قسم کے اشخاص کا گروپ مل گیا

۱۴ر ستمبر کی صبح کو کسی اہم فوجی اقدام کی اطلاع نہیں ملی۔ فوجی کمانڈر نے مجھ سے کہا کہ دوسرے دن کوئی اہم فوجی پیش قدمی نہیں ہوگی۔ کیونکہ اب اس فوج کے اگلے دستوں کو رسد کی سپلائی اور آرام کی ضرورت ہے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا مختلف خبریں موصول ہونے لگیں۔ دوپہر کے وقت دہلی ریڈیو نے اطلاع دی کہ ہندوستانی فوج کو سخت ترین مزاحمت کا سامنا ہے۔ درحقیقت یہ اعلان محض بے وقوف بنانے کے لئے کیا گیا تھا جبکہ ہندوستانی فوجوں کو کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ جیسا کہ اس سے قبل لکھا جاچکا ہے کہ ایک دن پہلے ہندوستانی فوج کا جو دستہ شولا پور سے نکل کر شمال کی طرف کوچ کر گیا تھا اس نے آسانی سے عثمان آباد پر قبضہ کیا تھا۔ اگرچہکہ ہندوستانی افواج کو یہ معلوم تھا کہ اس شہر کا اپنا کوئی دفاعی نظام نہیں پھر بھی زبردست گولہ باری کی گئی شہر میں عام شہریوں کا قتل عام ہوا بہت سارے شہری بھاگنے میں کامیاب ہوئے اور کھیتوں کی فصلوں میں پناہ لے کر اپنی جانیں بچائیں۔ یہاں سے یہ فوجی کالم ایڑھی سے اور لاتور سے ہوتے ہوئے بیدر کی طرف گیا مگر نلدرگ کا پل آسانی سے پار کرنے کے بعد ہندوستانی فوج نے پھر لاتور کی طرف سے کسی بڑے حملے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

اس لئے میں نے کمانڈر کو مشورہ دیا کہ اس علاقے کی تمام توپیں میدان جنگ سے نکال کر بیدر میں جمع کی جائیں یا پھر ظہیر آباد حیدرآباد سڑک پر واقع پہاڑیوں میں مورچہ بندی کی جائے۔ مگر کمانڈر نے اس مشورے کو ماننے سے انکار کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر بیدر فتح ہوجائے تو وہاں سے دارالخلافہ حیدرآباد کے لئے کئی متبادل راستے ہیں اور یہ

www.taemeernews.com

اندازہ لگانا مشکل ہے کہ ہندوستانی فوجیں کس راستے کا انتخاب کریں گی۔

۱۴؍ستمبر کی شام میں ہندوستانی فوج کا دستہ شمال میں کلیانی کی طرف بڑھ رہا تھا ہندوستانی فوج کا ــــ یہ قدم غیر متوقع تھا اور نہ سمجھ میں آنے والا تھا کلیانی سے پیغام رسانی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ وہاں سے کوئی اطلاع نہیں مل رہی تھیں۔ نظام سے دوران گفتگو اطلاع ملی کہ اورنگ آباد شہر پر ہندوستانی فوجوں کا قبضہ ہوچکا ہے۔ اس خبر کا ہم دونوں پر اتنا اثر ہوا کہ ہم دونوں کچھ دیر کے لئے خاموش ہوگئے۔ نظام کی آنکھوں سے دو آنسو کے قطرے نکل کر چہرے پر گر پڑے مجھ پر بھی کچھ اس قسم کا اثر ہوا لیکن میرے لئے یہ مناسب نہ تھا کہ میں بھی اندرونی جذبات و احساسات کا اظہار کروں۔ میں فوج کے ہیڈ کوارٹر کی طرف چلا گیا جہاں معلوم ہوا کہ جالنہ ابھی ہمارے ہاتھوں میں ہے اور جالنہ پر قبضے کے لئے ہندوستانی فوج کی دو ٹکڑیاں ٹینک کی مدد کے ساتھ شمال اور مغرب کی طرف سے شہر کی طرف بڑھ رہی ہیں رات تک یا دوسرے دن جالنہ پر قبضہ کے امکانات پیدا ہوگئے۔

جالنہ شہر کو بچانے کا کوئی انتظام نہ تھا مغرب کی طرف سے ہندوستانی فوج کا ایک دستہ بیڑ کی طرف سے بڑھ رہا تھا بیڑ شہر پر بھی جلد ہی قبضہ کے امکانات پیدا ہوگئے شہری آبادی فوج کے کمانڈر کو مسلسل کام کرتے ہوئے ۳۶ گھنٹے گزر چکے تھے اس لئے اس نے انہیں مشورہ دیا کہ کچھ آرام کریں۔ میں نے کمان کا چارج لے کر کمانڈر سے کہلوایا کہ کوئی اہم واقعہ ہونے پر ہی انہیں جگایا جائے گا۔ ریاست حیدر آباد کے محاذ سے بھی ہندوستانی افواج کے آگے بڑھنے کی اطلاع مل رہی تھی۔ حضور آباد ہرمال گوڑہ سڑک کے ذریعے ہندوستانی فوج کا ایک دستہ موسیٰ ندی پار کرچکا تھا۔ اس سڑک کے دفاع کے ذمہ داروں کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی۔ ہندوستانی فوج کے اس دستے کو دارالخلافہ پہنچنے کے لئے دو راستے تھے شمال کی طرف نلکنڈہ پہنچ کر سوریہ پیٹ کی طرف سے بڑھنے والے ہندوستانی فوج دستہ میں شامل ہوجائے یا پھر مغرب کی طرف بڑھ کر وہاں سے مختلف سڑکوں میں سے کسی بھی ایک راستے کا انتخاب کرکے سیدھے

www.taemeernews.com

دارالخلافہ حیدر آباد کی طرف بڑھے اس دوران میں نے حکم دیا کہ سوریہ پیٹ نیکر یکل روڈ پر واقع موسیٰ ندی کے پل کو تباہ کردیا جائے اور حمایت ساگر تالاب کے دروازے کھول دیئے جائیں تاکہ تباہ شدہ پل کے قریب موسیٰ ندی کو پار نہ کیا جائے۔ ان حالات کا جائزہ لینے کے لئے کابینہ کا مختصر اجلاس ہوا۔ شام کو نظام سے ملاقات کی سہ پہر کے مقابلے میں وہ ذرا کم جذباتی نظر آرہے تھے مختلف مقامات سے آئی ہوئی اطلاعات سے انہیں واقف کردیا گیا فوجی کمان کے ہیڈکوارٹرس میں کمانڈر اپنی ڈیوٹی پر موجود تھے اسی وقت قاسم رضوی بھی آموجود ہوئے میں نے ان سے دریافت کیا کہ وہ جنوبی اور مشرقی محاذ کے لئے رضاکار مہیا کرسکتے ہیں؟ جہاں افواج کی بری طرح کمی ہے انہوں نے شہر کا دورہ کرکے آنے کے بعد کہا کہ رضاکاروں کی چار بٹالین تیار ہیں ان میں ان کے خود دو بیٹے شامل تھے۔

رات دیر گئے میں اپنے آفس پہنچا جہاں میرا اسٹاف ان تمام پیغامات کو موصول کررہا تھا جو حیدر آباد کے کراچی میں مقیم ایجنٹ مشتاق احمد روانہ کررہے تھے باہر کی دنیا سے صرف یہی ایک مواصلاتی تعلق تھا۔ حیدر آباد سے جو پیغامات روانہ کئے جارہے تھے وہ کراچی سے لندن میں مقیم حیدر آباد کے ایجنٹ جنرل میر نواز جنگ کو ارسال کئے جارہے تھے۔ مشتاق احمد حکومت پاکستان کو بھی حیدر آباد کے حالات سے باخبر کرتے رہے اس وقت اقوام متحدہ کا ادارہ ہی ایک آخری امید تھی جس پر حکومت حیدر آباد تکیہ کئے ہوئے تھی۔ سیکورٹی کونسل کا اجلاس اس وقت پیرس میں ہورہا تھا۔

حیدر آباد کا ڈیلی گیشن کسی نہ کسی طرح لندن ۱۳ر ستمبر ۱۹۴۸ء کو پہنچ سکا اس بات کا پورا امکان تھا کہ حکومت ہند کا حملہ ایک ہفتے بعد ضرور ہونے والا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح کے اچانک انتقال کی وجہ سے اس ڈیلی گیشن کو کراچی سے روانہ ہونے میں کچھ دیر ہوئی ڈیلی گیشن کے قائد معین نواز جنگ کو اس چیز کا اشارہ دیا گیا کہ قائداعظم کی موت کی وجہ سے ہندوستانی حکومت اپنے مجوزہ پلان سے پہلے ہی حملہ کردے گی اس لئے انہیں ایک منٹ بھی ضائع کرنا نہیں چاہئے۔ لندن جاتے ہوئے دوران سفر ڈیلی گیشن

www.taemeernews.com

جب قاہرہ پہنچا تو حسب توقع ہندوستانی حملہ کی اطلاع مل گئی اس لئے ڈیلی گیشن نے کسی طرح جلد از جلد لندن پہنچنے کے لئے قاہرہ سے ہوائی جہاز بدل دیا۔

بدقسمتی سے اسے اس ہوائی جہاز کو انجن کی خرابی کی وجہ سے ترپولی میں چند گھنٹے اور رکنا پڑا اور اس طرح یہ ڈیلی گیشن ۱۳ر ستمبر کی شام کو لندن پہنچ گیا۔ وہاں سے اولین وقت دوسرے جہاز سے حیدر آبادی نمائندہ ۱۴ر ستمبر کی صبح پیرس پہنچا۔ پیرس پہنچتے ہی ڈیلی گیشن کے قائد معین نواز جنگ نے ضروری دستاویزات اقوام متحدہ کے کارگزار سیکرٹری جنرل مسٹر سولولشیوف کے پاس داخل کر دیئے لیکن کسی بھی طرح ۱۶ر ستمبر ۴۸ء کی سہ پہر سے پہلے سیکورٹی کونسل کی میٹنگ بلائے جانے کی امید نہیں تھی۔

۱۵ر ستمبر ہندوستانی فوج کی کوچ برابر جاری تھی نلدرگ ڈالم ہوتے ہوئے فوج کا وہ کالم جو کلیانی کی طرف بڑھ رہا تھا اس کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں مل رہی تھی۔

۱۵ر ستمبر کی صبح نظام بہت افسردہ نظر آرہے تھے جنگ کی صورتحال کا جائزہ لینے کے لئے بلائے گئے میٹنگ میں کسی بھی قسم کا جوش خروش نظر نہیں آرہا تھا۔ نظام نے صورتحال کے بارے میں میرے تاثرات دریافت کرنا چاہے اور یہ بھی دریافت کیا کہ کیا سیکورٹی کونسل کے کسی فیصلے تک ہندوستانی فوج کے کوچ کو روکا جاسکتا ہے؟

میں نے صاف کہہ دیا کہ سیکورٹی کونسل کا کوئی بھی فیصلہ ایک ہفتہ سے قبل نہیں ہوگا اور اس وقت تک کسی طرح حیدر آباد کا دفاع ضروری ہے۔ فوجی کمانڈر کا کہنا تھا کہ مغرب (نلدرگ اور بیدر کی طرف سے) کی جانب سے بڑھنے والی فوجوں کو اس وقت تک روکا جاسکتا ہے مگر مشرق کی طرف سے بڑھنے والی افواج کو روکنے کے لئے حکومت کے پاس فوج بالکل نہیں ہے پھر بھی دارالخلافہ حیدر آباد کی طرف بڑھنے والی فوج کو روکنا بعید از قیاس نہیں بتلایا۔

اسی دن کابینہ کا مختصر سا اجلاس ہوا۔ اجلاس کے فوری بعد اے ڈی سی نے بتلایا کہ دہلی ریڈیو نے یہ اعلان کیا ہے کہ مغرب سے بڑھنے والا فوجی دستہ بیدر کے قریب اس جگہ پہنچ گیا ہے جہاں سے تاریخی شہر بیدر کے مینار نظر آرہے تھے۔ اور میں اس کمرے

www.taemeernews.com

میں داخل ہوا جہاں دوپہر کے وقت کا نیوز بلیٹن سنا جا رہا تھا۔ پورا نیوز بلیٹن ہندوستانی فوج کی پیش قدمیوں پر مشتمل تھا۔ خبروں کے آخر میں اس بات کو خاص اہمیت دی گئی تھی کہ ہندوستانی فوج کو تاریخی شہر بیدر کے مینار صاف نظر آ رہے تھے۔ میں نے فوراً" کمانڈر بیدر سے رابطہ کیا کمانڈر کو اسی وقت اطلاع ملی تھی کہ کلیانی بیدر روڈ پر ٹینک اور بکتر بند گاڑیوں پر مشتمل فوج کا ایک بڑا کالم کلیانی بیدر روڈ پر حرکت میں ہے میناروں کی اونچائیوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس واقع کی اطلاع کمانڈر نے مجھے دی تو میں نے نقشے پر نظر ڈالی جو دیوار پر آویزاں تھا۔ حیرت کی حد نہیں رہی جب اس نقشے پر کلیانی بیدر روڈ کا وجود ہی نہیں پایا۔ میں نے فوراً" چیف انجینئر سے فون پر رابطہ قائم کیا اس نے اس بات کی تصدیق کی کہ حال ہی میں کلیانی سے بیدر ایک بہت ہی عمدہ سڑک تعمیر کی گئی ہے جسے ٹریفک کے لئے کھول دیا گیا ہے۔ فوج کے کمانڈر کو اس سڑک کے وجود کی اطلاع نہیں تھی مگر ہندوستانی فوج اس سے واقف تھی۔

بیدر یہ ایک رسد کی سپلائی کا مرکز تھا یہاں لڑنے والی فوج کو تعینات نہیں کیا گیا تھا کلیانی سے بیدر جانے والی سڑک پہاڑی علاقوں سے پیچ و خم کھاتی ہوئی گزرتی ہے اس سڑک پر دفاع مقابلتاً" آسان تھا اس سڑک پر مخصوص جگہوں پر فوج کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں آسانی سے دفاعی مورچے سنبھال سکتی تھیں لیکن ہندوستانی فوج بہت آرام سے اس سڑک سے گزر رہی تھی اور اس طرح لاتور' بیدر کے دفاعی مورچے کو چھوڑتے ہوئے اطمینان سے بیدر پہنچ گئی اور چند ہی گھنٹوں میں ہمنا آباد کے دفاعی مورچوں کے عقب میں پہنچ گئیں۔ بہت نازک صورتحال پیدا ہو گی تھی۔ بیدر ظہیر آباد سے تقریباً ۱۲ میل کے فاصلے پر تھا جبکہ ظہیر آباد اور ہمنا آباد تقریباً ۴۰ میل کے لگ بھگ ایک دوسرے سے دور ہیں۔ افراتفری کا عالم تھا کیا کمانڈر نازک صورتحال پر قابو پانے کی پوزیشن میں تھا؟ میں نے فوج کے سینئر آفیسرس کی میٹنگ طلب کی اس وقت تک لاتور کی دفاعی یونٹس ختم ہو چکی تھیں صرف ایک سوال پیش نظر تھا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ہمنا آباد میں مقیم حیدر آبادی فوجوں کو ہمنا آباد سے نکال کر ظہیر آباد پر فوجوں کی تعیناتی کر کے ظہیر

www.taemeernews.com

آباد حیدر آباد روڈ کا دفاع کیا جاسکتا ہے۔ اس سڑک پر کچھ ایسے مقامات ہیں جہاں سے دفاع کے مورچے اچھی طرح سنبھالے جاسکتے ہیں۔ اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔

حیدر آبادی فوج کے کمانڈر اور سینئر آفیسرس کا خیال تھا کہ ہندوستانی فوج کے ٹینک کے دستہ کے حملہ کے لئے یہ ممکن نہیں ہوگا کہ وہ بیدر پر قبضہ کرکے فوری طور پر ظہیر آباد تک پہنچ کر حیدر آبادی فوج واپس ہونے کی سڑک کو کاٹ دیں گے۔ ان کا خیال تھا کہ اب تک کی فوجی کارروائیوں کی وجہ سے ٹینک کافی تھکا ماندہ ہوگا پھر بھی میں نے حکم دیا کہ ہمنا آباد پر تعینات کی گئی حیدر آبادی فوج فوری طور پر ظہیر آباد سے ۱۲ میل دور پر واقع پہاڑیوں تک واپس ہوجائے اور اپنے ساتھ ۲۵ پونڈ گولے پھینکنے والی توپیں اور بھاری جنگی سازوسامان ساتھ لیتے جائیں۔ بیدر والی فوج کو بھی بیدر فوری چھوڑنے کا حکم دیا اور جتنا ممکن ہو اتنا سازوسامان لیتے جائیں۔ اور سوال یہ تھا کہ ہندوستانی فوج بیدر سے دارالخلافہ حیدر آباد پہنچنے کے لئے ظہیر آباد کو نظرانداز کرکے متبادل روڈ کا انتخاب کرے تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے ایسا ہوا تو پھر بہت ہی پریشانی کی صورت حال ہوگی۔ پھر بھی ان مشکلات کا کوئی حل نہیں تھا کیونکہ تمام راستوں کا روکنا ممکن نہیں تھا۔ کیونکہ کمانڈروں کے مشورے سے یہ طے کیا گیا تھا کہ ظہیر آباد' حیدر آباد سڑک پر ہی دفاع کیا جائے' کیونکہ امکان اسی بات کا تھا کہ ہندوستانی افواج اسی راستہ کا انتخاب حیدر آباد پہنچنے کے لئے کریں گی۔ ضروری احکامات دینے کے بعد میں اپنے آفس واپس پہنچا۔ حالات اتنی تیزی سے بدل رہے تھے کہ کوئی پلان بنانا ممکن نہیں تھا۔ آخر میں بڑی سوچ بچار کے بعد اس فیصلہ پر پہنچا کہ صرف دو راستے ہیں ایک تو یہ کہ حیدر آباد ریڈیو پر فوری طور پر حکومت ہند سے اپیل کی جائے کہ فوری فوجی کارروائی بند کرکے خون خرابہ بند کردے اور جو بھی مناسب شرائط حکومت ہند کی طرف سے عائد کی جائیں گی ان کو تسلیم کیا جائے اور اگر اس کا کوئی خاطر خواہ اثر نہ ہو تو آخر تک لڑا جائے۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ فوری طور پر ہتھیار ڈال دیئے جائیں اور تمام مزاحمت روک دی

www.taemeernews.com

جائے۔ میں نے اول الذکر کو مناسب خیال سمجھ کر ۱۵ر ستمبر کی سہ پہر کو حیدر آباد ریڈیو سے ہندوستانی رہنماؤں سے اپیل کی کہ جنگ بند کی جائے۔ ساتھ ہی ساتھ حیدر آباد کے ایجنٹ مقیم کراچی مشتاق احمد کو بھی پیغام روانہ کیا کہ حکومت پاکستان سے رابطہ قائم کیا جائے اور حکومت ہند سے درخواست کی جائے کہ فوری طور پر خون خرابہ بند کیا جائے اور اس وقت کے حالات کی مناسبت سے جو کچھ بھی معاملات طے ہو سکتے ہیں طے کرلے۔ میری اپیل حیدر آباد ریڈیو سے مسلسل نشر کی جارہی تھی مگر رات دیر گئے تک ہندوستانی حکومت کی طرف سے دہلی ریڈیو کی نشریات میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔ میں اس دن نظام سے سہ پہر میں مل چکا تھا پھر بعد میں مزید ملاقات کی ہر گھنٹہ ان کے تاثرات بدل رہے تھے وہ بہت مایوس ہو چکے تھے خود پہ اعتماد کھو چکے تھے بار بار مجھ سے دریافت کررہے تھے کہ کیا اقوام متحدہ کے ادارہ سیکورٹی کونسل سے اب بھی کسی اقدام کی امید ہے؟ اگرچیکہ اس سلسلے میں میں صبح سے کوئی اطلاع نہیں ملی تھی پھر بھی میرا خیال تھا کہ اب بھی امید ہے اس لئے جتنا ممکن ہو دفاع کیا جائے۔

مشرقی اور جنوبی محاذ کی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی مگر مغرب کے محاذ کی صورتحال بہت سنگین تھی میں نصف شب سے کچھ بعد فوجی ہیڈ کوارٹرس پہنچا کمانڈر کچھ آرام سے لیٹے ہوئے تھے مگر دوسرا اسٹاف چوکنا تھا۔ کسی اہم واقعہ کی اطلاع بھی نہیں تھی اور رات گئے تک اس کی امید بھی نہیں تھی۔ مشتاق احمد کراچی سے کچھ ٹینک شکن توپیں ہوائی جہاز سے حیدر آباد پہنچانے میں کامیاب ہوئے مگر ان وزنی توپوں کو ہوائی جہاز سے اتارنے اور پھر ان کو جمع کرکے توپوں کی شکل دینا خود ایک مسئلہ تھا۔ اس لئے ان تمام وزنی حصوں کو ہیڈ کوارٹرس لایا گیا۔ میں نے ان توپوں کا معائنہ کیا کاش کچھ اور توپیں کچھ دن قبل پہنچ جاتیں ان توپوں کو مشرقی محاذ پر فوری طور پر روانہ کیا گیا جہاں دفاعی نظام نہیں تھا اس دوران حیدر آباد پر ہندوستانی افواج کا حملہ ساری دنیا کے اخباروں کی شہ سرخی بن گئی۔ اس کا نوٹس سیکورٹی کونسل کے ممبران کی حکومتوں نے از خود لیا حیدر آباد اور حکومت ہند کے نمائندوں سے نوٹ لیا۔ ہر طرف سے اس حملہ کی مذمت کی گئی

www.taemeernews.com

برطانیہ اور امریکن حکومت کی مذمت ذرا زیادہ تھی۔ مگر سوال یہ تھا کہ دنیا بھر کے عوام کی رائے عامہ کا کوئی اثر کیا اتنا ہوتا کہ سیکورٹی کونسل فوری طور پر کوئی قدم اٹھائے جواب ابھی ملتا تھا پیرس سے یہ اطلاع ملی کہ سیکورٹی کونسل کا اجلاس ۱۶ر ستمبر کو طلب کیا گیا ہے اس سے قبل کچھ ہو نہیں سکتا تھا۔ اس دوران حیدر آباد وفد کے قائد معین نواز جنگ انفرادی طور پر تمام ممبروں سے ملاقات کررہے تھے اور انہیں صورتحال سے آگاہ کررہے تھے۔ قوم پرست چین کی حکومت پوری طرح حکومت ہند کی تائید میں تھی روس غیرجانبدار رہا۔ مگر باقی تمام ممبر حکومت حیدر آباد کے موقف کی تائید میں تھے یعنی وہ حکومت ہند کی فوجی کارروائی کی مذمت کررہے تھے۔ حکومت ہند کا وفد پس پردہ اپنے موقف کی تائید حاصل کرنے کے لئے سرگرم ہوگیا۔ ۱۶ر ستمبر کی صبح ہندوستانی فوج کا بکتربند دستہ بیدر شہر سے گذر کر بیدر' ظہیر آباد روڈ سے گذر رہا تھا۔ اس سے قبل ہمنا آباد میں تعینات فوج اور توپیں ہمنا آباد سے نکال کر ظہیر آباد کے عقب یعنی قادر آباد کی سمت منتقل کردیا گیا تھا اور پہاڑی علاقہ میں مورچہ بندی کی گئی۔ اس دن میں نظام سے صبح اور دوپہر دو مرتبہ ملا۔ نظام کچھ دیر خاموش تھے حیدر آباد ریڈیو سے اس دن میرے کئے گئے اعلان کا دہلی ریڈیو کی خبروں میں ذکر نہیں تھا۔ پاکستان سے بھی امیدیں ختم ہوگئیں تھیں کہ وہ کوئی سیاسی یا دوسرا کسی قسم کا قدم اٹھائے یا اس وقت جبکہ ہندوستانی فوج کے بکتربند دستے پوری طاقت کے ساتھ حیدر آباد کے محاذ پر لگا دیئے گئے تھے۔ ایسے وقت پاکستان کے لئے یہ آسان ہوتا کہ وہ پٹھان کوٹ جموں کے پل پر قبضہ کرکے کشمیر کو ہندوستان سے علیحدہ کرے اور اس طرح کشمیر کے بارے میں کوئی فیصلہ اپنے حق میں کروائے۔ مگر قائداعظم کی وفات کے فوری بعد اس طرح کا کوئی بڑا قدم اٹھانا ممکن نہیں تھا۔ میں اب بھی پرامید تھا کہ سیکورٹی کونسل کی طرف سے کوئی اقدام کیا جائے اور اس وقت تک کسی طرح حیدر آباد کا دفاع کیا جائے مگر نظام میرے نظریہ سے متفق نہیں تھے۔ ۱۶ر ستمبر کی شام میں پیرس میں ہونے والی سیکورٹی کونسل کے اجلاس سے حیدر آباد کی کابینہ میں کافی امید پیدا ہوگئی تھی اور ہر شخص بے چینی سے منتظر تھا۔

www.taemeernews.com

اسی دوران ہندوستانی فوج کا وہ کالم جو جنوب کی طرف ہوتے ہوئے بڑھ رہا تھا اب مغرب کی طرف رخ ہوگیا اور یہ کہنا غیریقینی تھا کہ وہ نلکنڈہ سے گذر کر پھر وہ دیور کنڈہ حیدر آباد روڈ پر پہنچ جائے گا۔ درحقیقت اس سیکٹر میں کوئی دفاع ہی نہیں تھا حیدر آباد کی افواج کے پاس اسلحہ جات کا بہت محدود ذخیرہ تھا جو پورا تقسیم کیا گیا۔ اس ذخیرہ کو صرف جنوبی محاذ پر استعمال کرنے کی ہدایت کی گئی۔ سرنگیں بھی تقسیم کی گئیں اور ان علاقوں میں ان سرنگوں کو بچھانے کی ہدایت دی گئی جہاں سڑک کو چھوڑ کر ٹینک یا وزنی گاڑیوں کا متبادل راستوں سے گذرنا محال تھا۔ اسی دوران نظام سے ہدایت ملی کہ میں نظام سے ملاقات کروں۔ شام دیر تک نظام سے ملاقات کی۔ یہ حالانکہ اسی دن جب میں نظام سے صبح اور دوپہر ملا تھا دونوں وقت نظام کو میں نے بہت غائب دماغ پایا تھا۔ مگر اس مرتبہ وہ چست و چوکنا نظر آرہے تھے تمام دن کی رپورٹ میں نے اس وقت دی اور تازہ ترین صورتحال سے واقف کرایا۔ نظام نے کہا کہ وہ کافی غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ وہ مجھ سے کھلے دل سے گفتگو کرنا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ ان کے سامنے صرف دو صورتیں باقی رہ گئی ہیں۔ پہلی صورت تو یہ ہے کہ اپنی پوری کابینہ کے ساتھ مستعفی ہوجاؤں اور پورا معاملہ انہیں (نظام) کو سونپ دوں اور پھر وہ جو ممکن سیاسی تصفیہ حکومت ہند سے کرنا چاہیں گے کریں گے۔ اگر اس تجویز سے میں متفق نہ ہوسکا تو پھر مجھے یہ اعلان کرنا ہوگا کہ حکومت کے معاملات میں نظام کا کوئی دخل نہیں ہے اور موجودہ صورت حال کے جو بھی نتائج ہوں گے اس کے لئے میں اور میری کابینہ ذمہ دار رہے گی۔ اس پر میں نے نظام سے دریافت کیا کہ کس قسم کا سیاسی تصفیہ ان کے پیش نظر ہے؟ نظام نے جواب دیا کہ اس وقت وہ صرف اتنا کہنا چاہیں گے کہ اپنی ذاتی سمجھ بوجھ اور اختیارات کا استعمال موقع محل کو سامنے رکھ کر جو مناسب ہوگا وہ کریں گے۔ پھر وہ کچھ دیر کے لئے خاموش ہوگئے اور مجھ سے کہا کہ دوسرے دن صبح ۹ بجے سے پہلے میرا جواب انہیں چاہئے اور اس بات کی بھی تاکید کی کہ میرا جواب قطعی اور آخری ہونا چاہئے۔ میں نے صبح سے نظام کے رویے سے اندازہ لگایا تھا کہ کوئی اہم چیز واقع ہونے

www.taemeernews.com

والی ہے۔ میں نے کہہ دیا ہے کہ دوسرے دن جو وقت مقرر کردیا گیا ہے اس سے ایک گھنٹہ قبل ہی جواب دیا جائے گا لیکن یہ جواب میرا ذاتی ہوگا۔ کابینہ اس کے لئے ذمہ دار نہیں رہے گی۔ میں نے مزید کہا کہ اپنا جواب دینے کے بعد دوسرے دن صبح ۱۰ بجے کابینہ کا اجلاس بلاؤں گا اور کابینہ کا جو بھی قطعی فیصلہ ہوگا اس سے واقف کرادیا جائے گا۔ اس پر نظام نے کچھ ناراضگی کا اظہار کیا۔ لیکن آخر میں میرے موقف سے اتفاق کیا میں نے پیلس سے آنے کے بعد نظام سے گفتگو پر غور کیا۔ فوجی ہیڈ کوارٹر پہنچنے تک میں بھی اس نتیجے پر پہنچا کہ کچھ تلخ حقائق کو سامنے رکھ کر مجھے بھی کوئی فیصلہ کرنا چاہیے۔ میں نے سوچا کہ اگر تھوڑا بھی ممکن ہو تو مزاحمت کی جائے گی اس کے لئے نظام کا ساتھ ہویا نہ ہو۔ میں نے یہ بھی سوچا کہ بغیر نظام کے تعاون کے یہ کام اور بھی مشکل ہوجاتا ہے۔ ایسی صورت میں حید آباد اسٹیٹ کی باقی رہی سہی فوج کا کیا رول رہے گا؟ فوجی کمانڈر سے کس انداز سے سلوک کرنا پڑے گا؟ کیا مجھے ایسے موقع پر کسی کو اعتماد میں لینا پڑے گا؟ کیا مجھے ایسے موقع پر کسی سے مشورہ کرنا پڑے گا؟ یا پھر خود ہی مجھے کوئی فیصلہ کرنا پڑے گا؟ یہ کچھ مسائل تھے جو میرے ذہن میں باربار پیدا ہورہے تھے۔

جنگ کے میدان سے کوئی اہم واقعہ فوجی ہیڈکوارٹرس کو رپورٹ نہیں ہوا۔ فوجی کمانڈر تھوڑی سی تبدیلی کے لئے اپنے گھر جاچکے تھے۔ میں سینئر آفیسرس سے اس وقت کے حالات پر گفتگو کررہا تھا۔ جس رفتار سے ہندوستانی فوج کی پیش قدمی جاری تھی اور جو کچھ بھی مزاحمت کی جارہی تھی۔ ان تمام واقعات کو پیش نظر رکھ کر ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہندوستانی فوج تین دن میں دارالخلافہ حیدرآباد پہنچ جائے گی۔ تمام آفیسرس یہ جاننا چاہتے تھے کہ اس دوران سیکورٹی کونسل کیا برموقع موثر کارروائی کرسکتی ہے؟ اسی دوران کمانڈر واپس آگئے انہوں نے اس وقت کہا کہ مشرقی محاذ کے دفاعی یونٹوں میں مزاحمت کی صلاحیت تقریباً ختم ہوگئی ہے اس لئے انہیں ڈر ہے کہ مغرب کے محاذ کی طرف ہندوستانی افواج کی پیش قدمی زیادہ تیز رفتار ہوگی۔ اس وقت قاسم رضوی صاحب نے بھی اطلاع دی کہ ایک ہزار رضاکار تیار

www.taemeernews.com

ہیں جو کسی بھی محاذ پر جانے کے لئے تیار ہیں۔ میں نے فوری حکم دیا کہ رضاکاروں کو اور دوسرے شہریوں کو جو ان میں شامل ہونا چاہتے ہیں فورا مشرقی محاذ پر روانہ کردیا جائے۔ ان رضاکاروں کو اور شہریوں کو سڑکوں کے کنارے خندق' مورچے کھودنے اور بارودی سرنگیں بچھانے کی ضروری معلومات دے کر روانہ کرنے کی تاکید کی گئی تاکہ ہندوستانی افواج کی پیش قدمی کو سست بنایا جائے۔ میں نے فوجی کمانڈر سے ظہیر آباد کے مشرق میں واقع پہاڑیوں میں دفاعی مورچوں پر فوجیوں کی تعیناتی کے بارے میں پوچھ تاچھ کی۔ دفاعی مورچوں کی کمان ایک بریگیڈیئر کو سونپی گئی جو اس سے پہلے بیدر میں متعین تھا۔ حملے کے بعد سے ہی حیدر آبادی افواج ٹین کے ڈبوں میں رکھی ہوئی غذا استعمال کررہے تھے۔ اس لئے اولین فرصت میں تازہ غذا کا انتظام کیا گیا۔ نظام سے گفتگو کے بعد جو صورتحال پیدا ہوئی تھی اس پر اچھی طرح غور کرکے کوئی فیصلہ کرنے کے لئے مجھے وقت نہ مل سکا۔ فوجی ہیڈکوارٹر سے میں شاہ منزل (وزیراعظم کی سرکاری رہائش گاہ) کی طرف چل دیا کیونکہ مجھے اطلاع ملی تھی کہ کراچی سے حیدر آباد کے ایجنٹ مشتاق احمد کا کوئی پیغام آیا ہے۔ شاہ منزل پہنچنے پر معلوم ہوا کہ نظام نے مجھے فوری بلوایا ہے۔ مشتاق احمد کے آئے ہوئے پیغام پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے پیلس کی طرف روانہ ہوا اور میں سوچ میں پڑ گیا نظام کو اور کیا کہنا ہے مجھ سے۔ نظام سے دوران گفتگو فوجی ہیڈکوارٹر سے دو پیغامات ملے جس میں کہا گیا تھا کہ دونوں محاذوں پر کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی۔ دوران گفتگو نظام کے پیلس پر دو ہوائی جہازوں نے نہایت نیچی پروازیں کیں۔ یہ نہ معلوم ہوسکا کہ یہ ہندوستانی فضائیہ کے لڑاکا طیارے تھے یا نظام کے سپلائی کے طیارے۔ تھوڑی ہی دیر میں برین گن سے فائرنگ کی آوازیں آئیں اور پھر خاموشی طاری ہوگئی۔ مجھے یہ بے چینی ہو رہی تھی کہ کہیں ہمارے طیارے مار گرائے نہ جائیں۔ میں بہت بے چین تھا کہ کسی طرح فوجی ہیڈکوارٹرس پہنچ جاؤں مگر تقریباً ایک گھنٹہ گذر چکا تھا مجھے جانے کی اجازت نہیں ملی۔ میں نے یہ تاثر لیا کہ نظام مجھے ٹٹول کر دیکھ رہے ہیں جو بات انہوں نے پچھلی شام کو کہی تھی اس کا مجھ پر کیا ردعمل ہوا میں نے خود بھی اپنے کسی قسم کے ردعمل کا

www.taemeernews.com

اظہار نہیں کیا۔ جانے سے پہلے میں نے وعدہ کیا کہ پیرس میں جلد ہی ہونے والی سیکورٹی کونسل میں جو بھی فیصلہ ہوگا اس سے حتیٰ الامکان جلد از جلد مطلع کردوں گا۔ میں نے پہلی مرتبہ محسوس کیا کہ ذہنی طور پر ہم دونوں کے درمیان کوئی نظر نہ آنے والا پردہ حائل ہو رہا ہے اور ہم دونوں کچھ کھلے طور پر گفتگو نہیں کر رہے ہیں۔ اس سے مجھے تھوڑی سی بے چینی ضرور محسوس ہوئی مگر جذباتی بننے کے لئے مطلق وقت نہیں تھا۔ فوجی ہیڈکوارٹر پہنچنے پر معلوم ہوا کہ کوئی خاص قابل ذکر تبدیلی محاذ پر نہیں ہوئی ہے کہ فوجی ہیڈکوارٹر اب صرف فوجی آفیسروں کے لئے ہی مخصوص نہ تھا بہت سارے سویلین جمع تھے جو رسد کے مختلف شعبوں سے متعلق اپنی خدمات انجام دے رہے تھے۔ دفاعی امور سے متعلق تمام گفتگو میں وہ حصہ لے رہے تھے۔ قاسم رضوی خود کئی مرتبہ آچکے تھے اور رضاکاروں کو محاذ پر روانہ کرنے کے بارے میں مختلف انتظامات میں حصہ لے رہے تھے۔ فوجی صورتحال سے انہیں مطلع کیا جارہا تھا مگر انہیں کسی قسم کی تشویش نہیں ہو رہی تھی وہ ہمیشہ کی طرح نہایت چاق وچوبند نظر آرہے تھے۔

آدھی شب گذر چکی تھی مغربی دفاعی مورچوں کے بریگیڈیئر فوجی کمانڈر کے کمرے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے بتلایا کہ ہندوستانی افواج کے بکتربند دستے ابتدائی شب ں چاندنی میں ظہیر آباد سے حیدرآباد کی طرف سڑک سے کوچ کرچکے ہیں۔ شرمن ٹینک د پونڈ گولے داغنے والی توپوں کی زد میں آتے ہی توپوں سے حملہ کیا گیا اور حملہ کے ساتھ ٹینک کا کالم پیچھے کی شکل میں منتشر ہوکر ظہیر آباد لوٹ گیا اور صبح تک کسی مزید پیش قدمی کی امید نہیں ہے۔ اس لئے وہ مزید ہدایات کے لئے حیدرآباد آیا ہے بریگیڈیئر بے چین اور پریشان اور گھبرایا ہوا نظر آرہا تھا۔ اس کی گفتگو میں ربط نہیں تھا۔ اس کے جانے کے بعد فوجی کمانڈر نے اس چیز کو محسوس کرکے کہا کہ یہ بریگیڈیئر اب کمان کے لائق نہیں ہیں اس لئے فوجی ہیڈکوارٹرس سے کسی دوسرے بریگیڈیئر کو کمان دی جائے۔ اس کو ہدایات دی گئیں اور میں نے شخصی طور پر اس سے اپیل کی کہ کسی طرح ہندوستانی افواج کی پیش قدمی کو روکا جائے۔ کیونکہ حیدرآباد کی قسمت کا فیصلہ اس کے ہاتھوں میں

www.taemeernews.com

ہے۔ بریگیڈیئر نے پورا یقین دلایا کہ وہ کسی قیمت پر آخری لمحوں تک دفاع کرے گا۔
دفاعی کارروائیوں کا مرکز اب مغربی محاذ تھا۔ مشرقی محاذ کی طرف سے کوئی رپورٹ مل نہیں رہی تھی۔ میں ذہنی طور پر پریشان تھا اور سوچ رہا تھا کہ فوجی کمانڈر اس صورتحال سے کس طرح نمٹ سکتا ہے میں نے فوجی کمانڈر سے کہا کہ وہ فوری مغربی محاذ پر جاکر ذاتی طور پر فوجی صورتحال کا جائزہ لے۔ کمانڈر جانے کے لئے تیار ہوا اس کی جگہ ایک سینئر آفیسر کو کمانڈر کی جگہ مقرر کیا گیا۔ تمام اسٹاف سرنگیں مشرقی اور مغربی محاذ کو بھیجنے کا کام کرنے لگا۔ اس کام کے لئے کئی سویلین کو مامور کردیا گیا۔ ۱۷ر ستمبر کی صبح تقریباً ۸ بج چکے تھے سینئر آفیسروں نے مجھ سے درخواست کی کہ میں آرام کروں، پچھلی دو شب میں ایک لمحے کے لئے بھی لیٹ نہ سکا تھا۔ اپنے مکان واپس جاتے ہوئے شاہ منزل کے اس کمرے میں جھانک کر دیکھا جہاں اسٹاف مشتاق احمد ایجنٹ حیدر آباد مقیم کراچی کے پیغامات کو پڑھ رہے تھے۔ پیرس میں ہونے والی سیکوریٹی کونسل کی میٹنگ کے سلسلے میں کوئی پیغام نہیں تھا۔ پیرس سے آنے والے پیغام فوری طور پر مجھ تک پہنچانے کی ذمہ داری کی ہدایت دے کر وہاں سے میں اپنی قیام گاہ پر آیا۔ میں جوں ہی لیٹنا چاہا ریلوے کے آفیسر نے فون سے اطلاع دی کہ بی بی نگر ریلوے اسٹیشن کے اسٹیشن ماسٹر نے اطلاع دی ہے کہ اسٹیشن کے قرب وجوار میں بموں کے دھماکوں کی آوازیں آرہی ہیں اور ہندوستانی فوج کی بی بی نگر، حیدر آباد روڈ سے حیدر آباد کی طرف پیش قدمی جاری ہے۔ میں حیرت زدہ ہوگیا۔ بی بی نگر اسٹیشن کے قریب دھماکے! یہ کیا ماجرا ہے؟ میں نے ریلوے والوں سے دوبارہ اس خبر کی تصدیق کی میرے لئے یہ ناقابل یقین تھا کہ ہندوستانی فوج دارالخلافہ سے صرف ۳۰ میل دوری پر ہے اور وہ حیدر آباد کی طرف بڑھ رہی ہے اس سڑک سے جسے بغیر کسی دفاع کے چھوڑ دیا گیا تھا۔ میرے لئے یہ زندگی کا سب سے بڑا دھکا تھا۔ یہ صرف اس صورت میں ممکن تھا کہ یا تو نکرکل میں متعین دفاعی حیدر آبادی فوج کا مکمل صفایا ہوگیا ہے یا پھر ان دفاعی فوجوں کو ایک طرف چھوڑ کر ہندوستانی فوجیں نکرکل جن گاؤں روڈ سے حیدر آباد کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ مغربی محاذ پر بھی ہندوستانی

www.taemeernews.com

فوجیں والم پر متعین فوجوں کو ایک طرف چھوڑ کر اچانک بیدر میں نمودار ہوئیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہاں بھی وہی ہوا ہے۔ میں نے فوری فوجی ہیڈ کوارٹرس سے فون پر رابطہ قائم کیا۔ مجھ سے کہا گیا کہ مشرقی محاذ پر کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ اور دفاع مکمل محفوظ ہے اگرچہ کہ ہندوستانی فضائیہ کے طیارے مشین گن سے گولیاں برسا رہے ہیں۔ جب میں فوجی ہیڈ کوارٹرس کو ریلوے کے چیف کی طرف سے آئی ہوئی اطلاع سنائی تو اس پر جواب دیا گیا کہ صرف ایک منٹ قبل ریلوے کے چیف سے انہیں بھی یہ اطلاع ملی ہے۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ اگر یہ خبریں صحیح ہیں تو اس پیش قدمی کو روکنے کے لئے کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی اور اس رفتار سے ہندوستانی افواج ۴ سے ۵ گھنٹے میں حیدر آباد پہنچ جائیں گے۔ میرے لئے اب یہ تمام معاملہ اختتام تک پہنچ چکا تھا۔ ہندوستانی افواج بی بی نگر اسٹیشن اور حیدر آباد تک ایسی سڑک پر جس پر دفاع کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ پہنچ چکی تھی۔ اب کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں نے ریلوے والوں سے دوبارہ اس حقیقت کی تصدیق کی۔ اب میں نے محسوس کیا کہ مجھے کچھ نہ کچھ فورا" کرنا چاہئے۔ میں نے فوز" وضو کیا اور فجر کی نماز ادا کی۔ قرآن پاک سے کچھ آیات کی تلاوت کی اور دن بھر کی مصروفیات کے لئے تیاری کر رہا تھا کہ فوجی کمانڈر آئے۔ میں نے انہیں کافی دینے کے لئے ملازم کو ہدایت دی اور گفتگو کرنے کے لئے کمانڈر کے ساتھ بیٹھ گیا۔

سیکورٹی کونسل کی میٹنگ جس کا سب کو بے چینی سے انتظار تھا۔ آخر کار ۱۶ر ستمبر کی شام پیرس میں منعقد ہوئی جس کی صدارت برطانیہ کے نمائندے سرکیٹ گان نے کی۔ میٹنگ کے سامنے پہلے یہ مسئلہ پیش آیا کہ کیا حیدر آباد کی درخواست قابل سماعت ہے؟ حیدر آباد کے مندوب کے لئے بھی یہ انتہائی نازک مسئلہ تھا۔ ڈر تھا کہیں خالصتا" ایک تکنیکی نکتہ پر حیدر آباد کی درخواست مسترد نہ کی جائے۔ قوم پرست چین کے نمائندے نے مشورہ دیا کہ میٹنگ ۲۰ر ستمبر تک ملتوی کی جائے۔ کیونکہ انہیں ان کی حکومت سے ضروری ہدایات موصول نہیں ہوئیں۔ لیکن برطانوی نمائندے کا کہنا تھا کہ معاملہ کی

www.taemeernews.com

نوعیت اور اہمیت کے پیش نظر فوری قدم اٹھانا ضروری ہے۔ اس لئے کم از کم بحث شروع کرنے میں دیر نہ کی جائے۔ فرانس کے نمائندے نے برطانوی نمائندے کی تائید کی۔ بلجیئم کا نمائندہ ایک دن کے لئے میٹنگ ملتوی کرنا چاہتا تھا۔ روس کے نمائندے کا کہنا تھا کہ چونکہ برطانیہ ہندوستان کی آزادی کے لئے ذمہ دار ہے اس لئے برطانیہ کا نمائندہ ہی اس موقف میں ہے کہ حیدر آباد کی قانونی حیثیت پر روشنی ڈال سکے۔ اس پر برطانوی نمائندے نے مناسب موقع پر ضروری معلومات مہیا کرنے کا وعدہ کیا۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے نمائندے مسٹر جیسپ نے اس بات کی تائید کی کہ حیدر آباد کی درخواست میٹنگ کے ایجنڈے پر لی جائے۔ انڈونیشیا کے نمائندے ہونے اس بات کی بھرپور تائید کی اور کہا' کہ جب کہ دنیا کے ایک خطہ میں ایک ملک نے دوسرے پر جارحیت کی ہے اور عوام کا قتل ہو رہا ہے' لوگ زخمی ہو رہے ہیں ایسی صورت میں اقوام متحدہ کا ادارہ سیکورٹی کونسل ایسی میٹنگ کو کسی حالت میں ملتوی نہیں کرسکتا۔ کافی بحث کے بعد اس تجویز پر ووٹنگ ہوئی کہ حیدر آباد کی درخواست پر بحث ہونا چاہئے یا نہیں۔ ۸ ممبران نے تائید کی اور ۳ غیر حاضر رہے۔ اور اس طرح سے درخواست پر بحث کرنا طے ہوا۔ اور حیدر آباد کے نمائندے معین نواز جنگ کو دعوت دی گئی کہ وہ اپنا موقف پیش کریں۔ حیدر آبادی نمائندے نے پوری طاقت سے اور موثر طریقہ سے اپنی حکومت کے موقف کو پیش کرتے ہوئے کونسل سے درخواست کی کہ وہ فوراً" مداخلت کرے اور ان کے ملک کو تباہی اور خون خرابہ سے فوری طور پر بچائے اور دیرپا امن کے لئے کوشش کرے۔ اس کے بعد حکومت ہند کے نمائندے راما سوامی آئنگار نے بحث کا جواب دیا۔ جہاں تک جارحیت کا سوال تھا حکومت ہند کا موقف کمزور تھا ان کی بحث کا مرکز صرف یہ تھا کہ حیدر آباد کی حکومت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنا کیس کونسل میں پیش کرے۔ انہوں نے کونسل سے یہ وعدہ کیا کہ وہ اپنے موقف کی تائید میں دستاویزی ثبوت پیش کریں گے اور یہ ثابت کریں گے کہ حیدر آباد کبھی آزاد ملک کی حیثیت سے نہیں رہا۔ اس طرح سے اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ سیکورٹی کونسل میں اپنا

www.taemeernews.com

دعویٰ پیش کرے۔ طرفین کے بحث کی سماعت کے بعد کونسل کے صدر نے تمام ممبران کو معاملہ پر غور کرنے کے لئے بروز پیر ۲۰؍ ستمبر ۱۹۴۸ء تک کے لئے کونسل کا اجلاس ملتوی کردیا۔ اگرچہکہ حیدر آباد کے نمائندے کو بنیادی طور پر کامیابی ہوئی کہ وہ اپنا کیس کونسل کے سامنے رکھنے میں کامیاب ہوا لیکن ۲۰؍ ستمبر تک اجلاس کا التوا ایک مایوس کن پہلو تھا۔ حیدر آبادی نمائندے کو اس بات کا پورا پورا احساس تھا کہ صورتحال نہایت سنگین ہے اور ۲۰؍ ستمبر تک اجلاس کا التوا فیصلہ کن ثابت ہوسکتا ہے اس لئے حکومت حیدر آباد کے وفد کے نمائندوں نے کونسل کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ اس پر جو رد عمل ہوا وہ کافی ہمت افزا تھا مگر پھر بھی کونسل کے صدر کا یہ خیال تھا کہ ۱۸؍ ستمبر یعنی ہفتہ (سنیچر) سے قبل اجلاس بلانا ممکن نہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے اس بات سے اتفاق کیا کہ ۲۰؍ ستمبر تک ملتوی شدہ اجلاس ہفتہ کے روز بلایا جائے۔ انفرادی ملاقات کے وقت ہر ممبر نے اس بات سے اتفاق کیا کہ جنگ بندی کے لئے فوری قرارداد منظور کی جائے۔ صرف قوم پرست چین نے اس سے اختلاف کیا اور ایسا لگا کہ روس کسی ممکنہ اجلاس میں غیر حاضر رہے گا۔ یہ سب کچھ ممکن تھا اگر حکومت حیدر آباد آخر تک صورتحال کو قابو میں رکھ سکے۔ اس طرح یہ بھی ظاہر تھا کہ جبکہ ہندوستانی فوج کے بکتربند دستے بغیر کسی دفاع کے شہر کی طرف بڑھ رہے ہیں' اقوام متحدہ کے کسی امکانی قدم کی افادیت بہت کم تھی۔ اگر ہندوستانی فوج پوری طرح جنگ کرنے کی تیاری سے شہر کی طرف داخل ہو تو شہری آبادی کا کتنا خون خرابہ ہوگا۔ اس کے بارے میں قیاس کرنا ممکن نہیں تھا۔ ہندوستانی افواج کے عثمان آباد کلیانی' بیدر اور دوسرے شہروں میں داخلے کے بعد جو قتل عام ہوا تھا وہ میرے پیش نظر تھا علاوہ اس کے شہر میں فرقہ وارانہ فسادات بھڑک اٹھے تو اس سے بھی کیا صورتحال پیدا ہوسکتی ہے وہ بھی بعید از قیاس تھی۔ اب میں مزید وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا میں نے سوچا کہ ممکن ہے نظام اس کے لئے خود قدم اٹھائیں اور شہری قتل عام سے بچ جائیں' اس لئے میں نے طے کیا کہ فوراً" میں اپنا استعفیٰ پیش کروں اور ساتھ ہی اپنی کابینہ میں شریک ساتھیوں کو یہ مشورہ دوں کہ

www.taemeernews.com

وہ بھی مستعفی ہو جائیں۔

جوں ہی فوجی کمانڈر چلے گے میں سیدھے شاہ منزل پہنچ گیا اس دوران حیدر آباد کے ایجنٹ مقیم کراچی مشتاق احمد کے بہت سارے پیغامات کو پڑھ چکا تھا۔ ایک پیغام میں مجھے پاکستانی رہنماؤں کی طرف سے ہدایت دی گئی تھی کہ میں فوراً" حیدر آباد چھوڑ دوں اور ہندوستانی فوج کے ہاتھوں گرفتار ہونے سے بچ جاؤں۔ علاوہ اس کے سیکورٹی کونسل کے اجلاس کے بارے میں تفصیلات ان پیغامات میں شامل تھیں۔ میں نے صبح ساڑھے نو بجے کابینہ کا اجلاس طلب کرنے کا حکم دیا۔ اسی دوران قاسم رضوی صاحب کا فون آیا اور میری خیریت دریافت کی۔ میں نے صورتحال سے انہیں واقف کرایا۔ میں نے انہیں یہ بھی تاکید کی کہ کسی طرح حالات کو قابو میں رکھیں' فرقہ وارانہ فسادات سے شہر کو کسی طرح بچائیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ اس قسم کا ایک بھی واقعہ ہندوستانی حملے کے بعد سے نہیں ہوا اور ان کا خیال تھا کہ حیدر آباد کے ہندو اور مسلمان دونوں کو تباہی کا سامنا کرنا ہے۔ میں نے اس بات سے اتفاق کیا اور دوبارہ اس بات کی اہمیت بتلائی کہ امن اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور میل ملاپ کی جتنی ضرورت آج ہے اتنی شاید کبھی نہیں تھی۔ صبح ۸ بجے میں نظام سے ملاقات کے لئے گیا اس وقت تک وہ فوجی کمانڈر سے بات کر چکے تھے انہیں سیکورٹی کونسل کے اجلاس کی روداد سنائی گئی۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر کونسل جنگ بندی کے سلسلے میں کوئی قرارداد منظور کر بھی لیتی ہے تو اس سے کیا فائدہ؟ اب جبکہ ہم ہندوستانی فوج کے قیدی ہوں گے یا ان کے ہاتھوں مارے جائیں گے تب ایسی صورت میں سیکورٹی کونسل کے اقدامات کیا معنی رکھتے ہیں؟ چند ہی گھنٹوں میں ہندوستانی افواج اپنی پوری طاقت کے ساتھ شہر میں داخل ہونے والی ہیں۔ ایسی صورت میں کیا مزید انتظار کیا جائے؟ کیا ہم نے یہ سوچا بھی ہے کہ اگر ہندوستانی فوج لڑائی کے جذبہ سے شہر میں داخل ہو تو کتنا خون خرابہ ہوگا؟ ہندوستانی افواج جن شہروں سے گذریں وہاں کیا حشر ہوا ہے؟ یہ کچھ ایسے سوالات تھے جن کا جواب نظام مجھ سے مانگ رہے تھے۔ میں نے انہیں بتایا کہ جو دریافت کیا جا رہا ہے۔ اس سے بھی زیادہ

www.taemeernews.com

میں جانتا ہوں۔ اس کے باوجود آزادی کے لئے موت کا استقبال کروں گا۔ اور میں نے کہہ دیا کہ ان کے جذبات اور خیالات کی قدر کرتا ہوں۔ میں ان کے راستے میں رکاوٹ بننا نہیں چاہتا اور میں نے اس بات کا بھی اظہار کردیا کہ میں مستعفی ہونا چاہتا ہوں اور اپنی کابینہ کے ساتھیوں کو یہی مشورہ دے رہا ہوں۔ پھر میں وہاں سے واپس ہوا اور واپسی میں فوجی ہیڈ کوارٹرس کے سامنے کچھ منٹوں کے لئے ٹھہر گیا۔ فوجی کمانڈر وہاں موجود نہیں تھے۔ کچھ افسروں نے بتایا کہ صورتحال میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی جس کی رپورٹ دی جائے اور مجھے یہ بھی بتا دیا گیا کہ وہ سپاہی جو بی بی نگر حیدر آباد روڈ پر ہندوستانی افواج کی پوزیشن کا پتہ لگانے گئے تھے ابھی لوٹ کر نہیں آئے۔ اس وقت تک کابینہ کے تمام وزراء اور سینئر سیکرٹری شاہ منزل میں اکٹھا ہوگئے تھے۔ میرے پہنچتے ہی اجلاس شروع ہوا۔ میں نے تازہ ترین صورت حال' سیکوریٹی کونسل کی روداد' فوجی کمانڈر سے گفتگو' نظام کی طرف سے مجھے دی گئیں ہدایات وغیرہ وغیرہ سے متعلق تمام تفصیلات کابینہ کے سامنے رکھیں۔ اس کے بعد میں نے کابینہ کے اراکین سے درخواست کی وہ اپنے اپنے خیالات کھلے دل سے اظہار کریں۔ کچھ دیر کے لئے مکمل خاموشی طاری ہوئی۔ نائب وزیر اعظم ونکٹ راما ریڈی نے سکوت کو توڑا اور کہا کہ وہ ملک اور حاکم وقت کے لئے اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اگر حاکم وقت حالات پر قابو پانے کے لئے کوئی بھی قدم اٹھانے کو تیار ہیں تب ایسی صورت میں وہ اپنے عہدہ کو چھوڑ کر کسی بھی حکم کو بجا لانے کے لئے تیار ہیں۔ انہوں نے اس بات کا بھی اعتراف کیا کہ وہ پورے خلوص اور اعتماد سے کہہ سکتے ہیں کہ ریاست کے ہر شہری' ہر وزیر نے ریاست کے دفاع کے لئے ہر ممکن کوشش کی ہے اور وزیر اعظم کے زیر رہنمائی کوئی بھی اپنی ذمہ داری سے ذرا بھی متزلزل نہیں ہوا۔ انہوں نے مزید کہا کہ اگرچہ ہم نے ہر ممکن جدوجہد کی لیکن اس کے باوجود ہندوستانی افواج کی طاقت کے سامنے ہمیں گھٹنے ٹیکنا پڑے' مگر جو کچھ ہر وفادار شہری نے کیا ہے اس پر کوئی بھی نادم نہیں۔ وینکٹ راما ریڈی نے مزید کہا کہ شاید وہ آخری مرتبہ مخاطب ہیں اور کچھ ہی گھنٹوں کے بعد گولی

www.taemeernews.com

سے مار دیئے جائیں گے۔ مگر یہ موت کسی بھی طرح بے عزتی کی موت نہیں ہوگی۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر انہوں نے کہا کہ اگر آپ مستعفی ہو رہے ہیں تو وہ بھی استعفیٰ دے رہے ہیں۔

یہ مختصر مگر بہت جذباتی تقریر تھی۔ ان کے بعد ہر رکن کابینہ نے کم و بیش ان ہی خیالات کا اظہار کیا۔ پھر ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں کہا گیا کہ حکومت نے حتی الامکان اپنے ملک کو بچانے کی کوشش کی لیکن طاقتور ظالم حکومت کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی راستہ نہیں رہ گیا۔ اس لئے کابینہ اپنا استعفیٰ نظام کے سپرد کردی ہے پھر اس قرارداد کو نظام کے پاس روانہ کردیا گیا۔ جب میں کابینہ کے اجلاس سے باہر آیا تو میرے اسٹاف کے کچھ آفیسرس میرے منتظر تھے۔ انہوں نے کہا کہ وہ سپاہی جو بی بی نگر تک ہندوستانی افواج کی پیش قدمی کے بارے میں معلومات لانے گئے تھے انہیں بی بی نگر اور اس کے قرب و جوار میں اور سڑک پر ہندوستانی فوج کا نام و نشان تک نہیں ملا۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ ریلوے والوں کے ذرائع سے جو اطلاعات انہیں ملی تھیں کہ ہندوستانی افواج گولہ باری کرتے ہوئے حیدر آباد کی طرف بڑھ رہی تھی وہ غلط تھیں۔ انہوں نے یہ بھی بتلایا کہ نہ تو مغربی محاذ سے اور نہ تو مشرقی محاذ سے کسی بڑے حملے کا امکان ہے۔ ہاں البتہ ہندوستانی افواج کی کچھ ٹکڑیاں فوجی حالات کا سروے کرتے دیکھی گئی ہیں۔ مگر حیدر آبادی افواج جو اگلے مورچوں پر تعینات تھیں۔ ان پر مسلسل لڑاکا طیاروں کے ذریعے بمباری کی جارہی تھی۔ میں نے آفیسرس سے کہا کہ پوری کابینہ مستعفی ہوگئی ہے تو ان کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ آفیسرس سے بتلایا گیا کہ شاید نظام اب صلح اور امن کے لئے کوشش کریں گے۔ اس پر جواب ملا "وہ کچھ دن اور ہندوستانی افواج کی پیش قدمی کو روک سکتے ہیں" میں نے کہا "شاباش ہم ختم ہوجائیں گے مگر جوش و جذبہ 'ولولہ' حوصلہ اور روح قائم و دائم رہیں۔"

اس دوران مجھے ایک ارجنٹ فون آیا۔ نظام سے فوراً" ملاقات کرنے کی ہدایت ملی۔ میں حیرت میں تھا کہ نظام اب مجھ سے کیا بات کرنا چاہتے ہیں۔ میں جب ان سے ملا

www.taemeernews.com

تو وہ پولیس چیف اور فوجی کمانڈر سے نئی حکومت کی تشکیل کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ اس سے قبل ہی وہ ہندوستانی نمائندہ کے ایم منشی کو یہ اطلاع پہنچا چکے تھے کہ میری حکومت مستعفی ہوگئی ہے اور وہ جلد نئی حکومت کے تشکیل کے لئے ضروری تجاویز ان کو روانہ کردیں گے تاکہ منشی سے حکومت ہند کے نمائندے کی حیثیت سے نئی حکومت کی تشکیل کے لئے ضروری رضامندی اور ہدایت مل جائے۔ میں نے اس وقت کی گفتگو میں کسی قسم کا حصہ نہیں لیا۔ پولیس چیف اور فوجی کمانڈر کے چلے جانے کے بعد میں نے نظام سے کہا کہ معاملات اتنے آسانی سے طے ہونے والے نہیں جیسا کہ وہ سمجھ رہے ہیں اور اسی وقت میں نے نظام سے زور دے کر کہا کہ ان کے آفس کے تمام حساس اور مخفیہ دستاویزات اور ریکارڈ تلف کردیئے جائیں۔ میرے مشورے پر انہوں نے کچھ دیر غور کیا اور پھر اپنے پرسنل سیکریٹری کو طلب کرکے اس ضمن میں ضروری ہدایات دیں۔ میں نے خود فوراً شاہ منزل جاکر اپنے اسٹاف کو اس قسم کی ہدایات جاری کئے اور تمام خفیہ دستاویز کو اور وہ تمام کوڈ جس سے مشتاق احمد ایجنٹ مقیم کراچی سے وائرلیس کے ذریعے پیغامات موصول کئے جاتے تھے تلف کرنے کی تاکید کی۔ اس سے قبل میں نے مشتاق احمد کو ایک پیغام روانہ کیا جس میں کہا گیا کہ ہندوستانی فوج کی زبردست طاقت کو پیش نظر رکھ کر اور نظام کی خواہشات کا خیال رکھتے ہوئے میں نے استعفیٰ دیا ہے۔ پیغام میں یہ بھی کہا گیا کہ یہ ان کا آخری پیغام ہے۔ اور کچھ ہی گھنٹوں کے بعد شاید وہ اس دنیا میں نہیں رہیں گے۔ مزید ہدایت دی گئی کہ حیدرآبادی پرچم لہراتے رکھنا اور معین نواز جنگ کو یہ پیغام پہنچانا تمام اداروں میں اور خاص طور پر سیکوریٹی کونسل میں حیدرآباد کے لئے جدوجہد کرتے رہنا۔ اسٹاف کا ہر فرد نہایت افسردہ نظر آرہا تھا اور اشک بار تھا۔ میں واپسی میں منشی سے ملا۔ وہ حکومت ہند سے رابطہ قائم کرنے کے لئے حیدرآباد کے مواصلاتی نظام کو استعمال کرنا چاہتے تھے۔ مجھے ایسے لگا کہ کسی بھی نئی تشکیل ہونے والی حکومت میں کے ایم منشی خود کو ایک ایڈوائزر (مشیر) کا رول ادا کرنے کے خواہش مند ہیں۔ میں نے منشی کو اس بات کی یاد دہانی کروائی کہ حیدرآباد کے خلاف زبردست

www.taemeernews.com

پروپیگنڈا کے باوجود اس دور میں کہیں بھی ہندو مسلم فساد نہیں ہوا میں نے منشی سے اپیل کی کہ وہ ہندوستانی فوج کے کمانڈروں پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کرکے عوام کو کسی ممکنہ قتل عام سے بچائیں، جیسا کہ کچھ دن قبل ہندوستانی فوج کے مفتوحہ علاقوں اور اضلاع میں ہوا۔ مجھے ایسا لگا کہ میری اپیل سے وہ کافی متاثر ہوئے اور مجھے یقین دلایا کہ وہ شہری آبادی کو ہندوستان فوج کے ہاتھوں ہونے والے خون خرابے سے ضرور بچائیں گے اور اس کے لئے وہ حتی الامکان کوشش کریں گے۔

نظام نے فون پر مجھ سے خواہش کی کہ جمعہ کی نماز میں ان کے ساتھ باغ عام مسجد میں پڑھوں۔ نماز کے بعد نظام نے مجھ سے خواہش کی کہ سہ پہر کے وقت میں ان سے کچھ دیر کے لئے ملوں۔ میں اس بات کے لئے راضی ہوا۔ میں سیدھے شاہ منزل گیا اور اس بات کا اطمینان کیا کہ تمام خفیہ ریکارڈ تلف کردیا گیا ہے۔ مشتاق احمد کو میرا آخری پیغام بھی پہنچادیا گیا تھا۔ سہ پہر سے کچھ دیر قبل میں حیدر آباد ریڈیو سے حیدر آباد کے عوام سے مخاطب ہوا اور چند الفاظ میں عوام کو واقف کرادیا کہ حیدر آباد اس موقف میں نہیں ہے کہ ہندوستان کی طاقتور فوج کی مزاحمت کی جاسکے اور چونکہ حیدر آباد کی حکومت ملک کی آزادی کا تحفظ نہیں کرسکی اس لئے مستعفی ہوگئی ہے۔ میں نے اپیل میں ہر مرد اور عورت سے کہا کہ آنے والی تباہی کو جرات اور ہمت سے برداشت کرے اور خود اپنے آپ کو اس نئے طرز زندگی میں ڈھالنے کی کوشش کرے جو بالکل مختلف ہوگی۔ ایک ایسا نظام زندگی جس سے حیدر آبادی عوام کے آباؤ اجداد مانوس تھے نہ موجودہ عوام نے انہیں کبھی واسطہ دیا۔ اپیل میں فرقہ وارانہ ملاپ اور امن عامہ کی اہمیت بتلائی گئی جو حیدر آبادی عوام کی اجتماعی زندگی کا خصوصی پہلو ہے۔ ایک بھی ناخوشگوار واقعہ نہ ہو ایسی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے عوام سے خدا پر بھروسہ کرنے کی تلقین کرتے ہوئے ان کو اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں چھوڑ دیا۔ ریڈیو اسٹیشن سے جب میں واپس ہو رہا تھا اس وقت میں نے دیکھا کہ دکانوں اور عوامی ٹھکانوں پر ریڈیو کے اطراف لوگوں کے ہجوم ٹھہرے ہوئے تھے۔ تقریباً ہر شخص مٹھی دبائے ہوئے تھا اور آنکھوں سے

www.taemeernews.com

آنسو جاری تھے اس منظر کو دیکھ کر میری آنکھوں سے بھی دو آنسوؤں کے قطرے نکلے۔ شاہ منزل واپس ہو کر میں نے قاسم رضوی کو فون کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ ریڈیو سے فرقہ وارانہ ملاپ اور امن عامہ کے لئے عوام سے اپیل کریں۔ پہلے تو انہوں نے کچھ تامل کیا پھر ریڈیو اسٹیشن جا کر بہت ہی پر اثر تقریر کی اور عوام سے امن قائم کرنے اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لئے اپیل کی۔ میرے لئے دوسرا اہم مسئلہ زیادہ سے زیادہ ہتھیار گولہ بارود تباہ کرنے کا تھا اس لئے میں نے ضروری ہدایات جاری کیں۔ تعجب کی بات تو یہ تھی کہ اگر جب کہ میں اقتدار پر نہیں تھا مگر اس کے باوجود میرے احکامات کی تعمیل ہوئی۔

اسی دوران ایک چھوٹا سا واقعہ ہوا جس کا مجھ پر بہت اثر ہوا۔ رحیم جو میرے کابینہ میں تھے۔ انہوں نے مجھ سے درخواست کی کہ کسی طرح قاسم رضوی کو پاکستان یا کسی اور ملک کو بذریعہ طیارہ بھجوانے کا انتظام کیا جائے۔ جس وقت وہ قاسم رضوی کے بارے میں کہہ رہے تھے انہیں خود اس بات کا یقین تھا کہ ہم سب لوگ مارے جائیں گے۔ مگر اس کے باوجود ان کا یہ جذبہ قاسم رضوی کے لئے قابل تعریف تھا۔ میں نے اس سلسلے میں فون پر فوجی کمانڈر سے دریافت کیا کہ کیا وہ کسی طیارے کے ذریعے جس میں بھرپور ایندھن ہو قاسم رضوی کو کسی دوسرے ملک منتقل کر سکتے ہیں۔ جواب ملا کہ یہ ناممکن ہے کیونکہ ہندوستانی لڑاکا طیارے ہر طرف اڑان بھر رہے ہیں اور حیدر آباد کے ہوائی اڈے سے کسی بھی اڑنے والے طیارے کو آسانی سے مار گرا دیا جائے گا۔ اس دوران اگر جبکہ میں نظام سے ملاقات نہیں کرنا چاہتا تھا مگر مجھے بار بار بلایا جا رہا تھا۔ ایک وقت میری موجودگی میں یہ بات چل رہی تھی کہ ہندوستانی افواج کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی رسم کون ادا کریں۔ حیدر آبادی فوجی کمانڈر کا خیال تھا کہ وہ خود اس رسم کے لئے زیادہ مناسب ہے جب کہ دوسرے جو وہاں موجود تھے ان کا خیال تھا کہ پرنس آف برار جو رسمی کمانڈر آف چیف ہیں اس کام کے لئے مناسب ہیں۔ کے ایم منشی نے نظام سے اصرار کیا کہ وہ ریڈیو اسٹیشن سے عوام سے خطاب کریں اور پیغام ؛ ۲۰ ایک پیغام

www.taemeernews.com

کا مسودہ منشی نے خود تیار کیا تھا۔ اس تقریر میں اس بات کا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا تھا کہ انہوں نے اقوام متحدہ میں حیدر آبادی مندوب کو تاکید کی ہے کہ حیدر آباد کی درخواست واپس لے لی جائے اس کے بعد منشی نے خود عوام سے خطاب کیا۔ دونوں تقاریر کا حاصل یہ تھا کہ حیدر آباد کی پچھلی حکومتوں نے بہت ساری غلطیاں کی ہیں جس کے لئے کچھ رہنما ذمہ دار ہیں اور اب حکومت ہند کی سرپرستی میں نئی حکومت قائم کی گئی ہے تاکہ تمام غلطیوں کو درست کیا جائے۔ دوسرے دن صبح مجھے موقع ملنے پر میں نے دریافت کیا کہ کیا وہ تمام خفیہ دستاویز جن کی نشاندہی کی گئی تھی تباہ کی گئیں؟ انہوں نے یقین دلایا کہ ایسا ہوا ہے۔ اسی دن شام یعنی ۱۸ ستمبر کو ہندوستانی افواج کے میجر جنرل جے این چوہدری جن کے ہاتھ میں مغربی محاذ کی کمان تھی حیدر آبادی فوج کے کمانڈر ان کے اسٹاف کے ساتھ جیپ کے ذریعے بلارام کی ریڈیڈنسی میں داخل ہوئے۔ نظام نے ان کے استقبال کے لئے اپنی طرف سے ذوالقدر جنگ' ابوالحسن سید علی' علی یاور جنگ اور دوسرے حضرات پر مشتمل ایک وفد روانہ کیا۔ اس وفد کا ایک تو مقصد میجر کا استقبال کرنا تھا اور دوسرے یہ کہ نئی حکومت کی تشکیل کے لئے میجر جنرل چودہری کی منظوری لی جائے جس کے بارے میں پہلے ہی کے ایم منشی سے مشورہ کیا گیا تھا۔ اس کے بعد نظام نے مجھے طلب کیا۔ جس وقت میں ان سے گفتگو کر رہا تھا وفد کے تمام اراکین افسردہ چہروں کے ساتھ واپس ہوئے اور بتلایا کہ حکومت کے تشکیل کے سلسلے میں چوہدری کسی قسم کی بات چیت کرنا نہیں چاہتے۔ نظام کا کوئی مشورہ نہیں چاہتے۔ انہوں نے مزید کہا کہ چوہدری جلد ہی مارشل لاء کا اعلان کرنے والے ہیں اور اپنے تحت فوجی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ نظام حیرت زدہ ہوئے اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ منشی سے جو کچھ طے ہوا ہے یہ اس کے خلاف ہے۔ میں نے پوچھا "منشی سے کیا طے ہوا ہے؟" اس پر وہ خاموش رہے۔ میں نے فوراً" تاڑ لیا کہ میری موجودگی وہاں اب ناپسندیدہ ہے۔ اس لئے وہاں سے نکل جانے کی اجازت مانگ کر اٹھ گیا۔ نظام نے مجھ سے کہا کہ دوسرے دن صبح میں ان سے ملوں۔ میں نے وعدہ تو کیا مگر وہ وعدہ پورا نہ کر سکا۔ گھر پہنچنے کے بعد

www.taemeernews.com

معلوم ہوا کہ ہندوستانی افواج مغرب کی سمت سے ۱۷ ستمبر کی دوپہر کے وقت اور مشرقی سمت سے سہ پہر کو شہر میں داخل ہوں گی۔ شام میں ایک سپاہی محکمہ پولیس کی طرف سے ایک لفافہ لا کر مجھے دے گیا۔ لفافے میں فوجی حکومت کی طرف سے حکم اجراء کیا گیا تھا کہ میں اپنے مکان میں زیر حراست ہوں اور مجھے مکان نہ چھوڑنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس وقت تک میں نے اپنی بیوی ' بچوں اور بہن کو شہر کے نامعلوم حصے میں اپنے دوستوں کے گھر روانہ کردیا تھا تاکہ میری موجودگی میں ان کی بے حرمتی نہ ہو اور مجھے ان کی موجودگی میں قتل نہ کیا جائے۔ حکم ملنے کے بعد میں اطمینان سے اپنے مکان میں بیٹھ گیا۔ میرا ایک خانگی اتالیق جو نسل سے عرب تھا اور جس نے بچپن سے میری تربیت کی تھی میرے پاس کھڑا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ مجھے پولیس چیف کا ایک فون آیا اور اس نے مجھ سے اس بات کی معافی مانگی کہ حسب وعدہ نظام سے ملاقات نہ کریں اور ساتھ ہی ساتھ اس بات کے لئے بھی کہ انہوں نے حراست میں لینے کا حکم دیا ہے جن کے لئے وہ مجبور تھے۔ میں نے جواباً" کہا کہ میں ان کی مجبوری کو سمجھ سکتا ہوں۔ میں نے قاسم رضوی صاحب کے مارے میں دریافت کیا تو مجھے بتایا گیا کہ صبح انہیں بھی حراست میں لینا ہے تھوڑی دیر کے بعد قاسم رضوی صاحب کا فون آیا ان کی آواز سے لگ رہا تھا کہ وہ ہمیشہ کی طرح چاق ہیں۔ انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ وہ صبح ناشتہ پر آرہے ہیں جیسا کہ وہ کبھی کبھی کیا کرتے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا جواب دیا جائے پھر بھی میں نے کہا کہ ضرور آجائیں۔ بظاہر وہ اس بات سے واقف نہیں تھے کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ مجھ سے علیحدہ رہنا یہ میری فیملی کے لئے شاید ناقابل برداشت تھا۔ میرے ساتھ جو کچھ بھی ہونے والا ہے شاید اس میں وہ بھی شریک ہونا چاہتے ہیں۔ اس لئے دوسرے دن یہ لوگ اچانک آگئے۔ میرے ٹیلی فون کے تار کاٹ دیئے گئے تھے۔ پھر بھی کچھ کچھ خبریں مل رہی تھیں۔ مغربی اور مشرقی محاذ سے ہندوستانی افواج فاتحانہ انداز سے شہر میں داخل ہو کر بلارام فوجی چھاؤنی میں داخل ہوئیں۔ رات دیر گئے ایک اونچے قد والے ہندوستانی فوج کے افسر نے میرے مکان پر مجھ سے ملنے کی

www.taemeernews.com

خواہش ظاہر کی۔ میں نے نچلی منزل میں اس سے ملاقات کی۔ یہ فوج میں کرنل تھا۔ اس نے نہایت ہی شائستہ انداز میں کہا کہ دوسرے دن صبح مجھے لیا جایا جائے گا۔ میں نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔ کیا فائرنگ اسکوائڈ تیار رہے گا؟ مگر میں حیرت زدہ تھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے وہ معافی مانگتے ہوئے جواب دیئے بغیر فوجی اندازمیں سلام کرکے چلا گیا۔ یہ معلوم کرکے کہ مجھے دوسرے دن صبح لے جایا جائے گا میری بیوی' بہن اور بچوں پر ایک دم سکتہ طاری ہوا پھر جلد ہی انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ساری رات کوئی بھی سو نہ سکا تھا پھر جو کچھ وقت بچا رہا اس میں اپنے خاندان کے افراد سے بات چیت کرتا رہا اور پھر سو گیا۔ صبح فجر کی نماز ادا کی دوسرے دن علی الصبح فوجی گاڑیاں میرے مکان کے آس پاس دیکھی گئیں لیکن مکان میں کوئی داخل نہیں ہوا۔ میں انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ کافی دیر ہوگئی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ یہ یونٹ اپنے ہیڈ کوارٹر سے وائرلیس کے ذریعے رابطہ قائم کئے ہوئے ہے۔ جس طرح یہ فوجی دستہ مختلف گاڑیوں سے آیا تھا واپس چلا گیا۔ ہم نے بہت دیر تک انتظار کیا مگر کچھ ہوا نہیں شاید اس کا تعلق کونسل کے اجلاس سے ہو۔ پھر گھنٹے دنوں میں بدل گئے دن مہینوں میں اور مہینے سالوں میں۔ اس کے بعد میرے سامنے کوئی چیز ایسی نہیں آئی جو ضبط تحریر میں لائی جائے۔ پھر ایک دن خدا کا فضل ہوا کہ میں ہجرت میں کامیاب ہوگیا۔

مرزا ظفرالحسن

www.taemeernews.com

حملہ ہند

مرزا ظفرالحسن

۱۹۱۴ء میں سنگاریڈی میں پیدا ہوئے۔ جامعہ عثمانیہ سے فارغ التحصیل ہوئے اور وہاں بھرپور طالب علمانہ زندگی گزاری۔ فراغت تعلیم کے بعد نشرگاہ حیدر آباد سے وابستہ ہوئے اور وہاں بھی نام کمایا۔ وہاں پر ان کی جو حیثیت رہی' اس کا اندازہ ذیل کے اوراق سے لگایا جا سکتا ہے۔ سقوط کے بعد پاکستان ہجرت کی اور اولاً" ریڈیو پاکستان سے منسلک ہوئے' لیکن پھر ایکشن کے محکمہ سے وابستہ ہو گئے۔ ملازمت کے آخری عرصہ میں ۱۹۶۹ء میں غالب کی صد سالہ تقریبات کی مناسبت سے کراچی میں ادارۂ یادگار غالب کی بنیاد رکھی اور ایک مثالی کتب خانہ "غالب لائبریری" قائم کیا' جو اپنے قیمتی ذخائر کے علاوہ کراچی کا ایک ادبی و تہذیبی مرکز بھی کئی سال تک بنا رہا۔ اس ادارے نے غالب کی مناسبت سے متعدد کتابیں بھی شائع کیں۔ اپنے انتقال (۱۹۸۴ء) تک وہ اس ادارے کے معتمد بلکہ اس کے سب ہی کچھ رہے۔

ادب کا بے پناہ ذوق تھا۔ آغاز میں افسانہ نگاری کی' لیکن پھر لکھنے کا مشغلہ ترک کر دیا۔ قریباً" تیس برس کے وقفہ کے بعد پھر لکھنے کی طرف راغب ہوئے اور اپنے دلنشیں اسلوب تحریر سے پڑھنے والوں کو گرویدہ بنا لیا۔ "دکن اداس ہے یارو"۔ "ذکر یار چلے" اور پھر نظر میں پھول مہکے" دکن سے متعلق ان کی یادداشتوں کے دلچسپ مجموعے ہیں۔ ان کے علاوہ "عمر گزشتہ کی کتاب" اپنے دو محبوب دوستوں مخدوم محی الدین اور فیض احمد فیض کے تقابلی مطالعہ پر مشتمل ہے۔ چند سالوں تک ادارۂ یادگار غالب کے سہ ماہی مجلّہ "غالب" کے مدیر بھی رہے۔

www.taemeernews.com

حملہ ہند

مرزا ظفرالحسن

میں سیاست داں ہوں نہ مورخ وقائع نگار' ایک دیانتدار عینی شاہد اور اس ڈرامے کے ایک کردار کی حیثیت میں وہی کچھ لکھ رہا ہوں جو میں نے دیکھا اور جس طرح سنا تاکہ مستقبل کے مورخ کی کوئی مدد ہوسکے۔ نشرگاہ میں میرا فن میری فکر کا آئینہ دار اور میرا عمل اس علم کے تابع رہا کہ اعلیٰ حضرت ریاست کے ہندوؤں اور مسلمانوں کو اپنی دو آنکھیں کہتے تھے۔ فنکار اگر سرکاری ملازم ہے تو احکام سرکار کا پابند رہے گا۔ اختلاف کی صورت میں سرکار کو سلام کرکے ملازمت سے سبکدوش ہوجائے گا۔

کہنے کو سقوط دکن کے بعد کئی مسلمانوں نے کہا کہ حیدرآباد کے ہتیا چار کا ریڈیو برابر کا اور میں بطور خاص ذمہ دار رہا اور بعض ہندوؤں نے کہا۔(میں ایک جلسے میں خود سرگوشیاں سن چکا ہوں) اس شخص کی گدی سے زبان کھینچ ڈالو۔ مگر میں اپنے بنائے اور نشر کئے ہوئے پروگراموں پر آج بھی کسی کے آگے شرمندہ نہیں ہوں۔ نشریات میں نہ پاکستان کی بے وجہ توصیف کی گئی نہ ہندوستان کی کوئی اہانت۔ ہاں اس کی تعریف نہیں کی گئی کیونکہ وہ آزادی کا منکر اور اس فکر میں تھا کہ ہر طرح حیدرآباد کا حقہ پانی بند کردے۔ معرکہ کامیاب ہوجائے تو انقلاب فرانس کہلاتا ہے اور ناکام ہوجائے تو انگریز کی تاریخ میں "غدر" کہلاتا ہے جب وہ تاریخ دوبارہ کوئی اور لکھتا ہے تو اسے جنگ آزادی قرار دیتا ہے۔ نشری پروگراموں میں اعلان آزادی کے بعد جہاں رضیہ سلطانہ کا ذکر کیا وہیں جھانسی کی رانی کا بھی بیان ہوا۔ میرے بنائے ہوئے اور نشرکردہ پروگراموں کے بنیادی نکات (خصوصاً آزاد حیدرآباد کے آخری چند ہفتوں اور دنوں میں) آج لکھنے

www.taemeernews.com

بیٹھا ہوں تو اس طرح یاد آرہے ہیں۔ حلفاً نہیں کہوں گا یہی سب کچھ تھا ممکن ہے کہیں کوئی تبدیلی یا ترمیم ہوئی ہو، مگر وہ بھی بہرطور تعمیری ہوگی۔ تخریبی نہیں اگر میرے مندرجہ ذیل نکات نادرست ہوتے تو جس شخص نے آزادی حیدر آباد کا ۱۵ر اگست ۴۷ سے پورے چار سو دن تک شدومد کے ساتھ پرچار کیا۔ سقوط کے بعد آل انڈیا ریڈیو سے آئے ہوئے افسر اسے بے دست وپا کردیتے مگران کے دور میں بھی اسسٹنٹ اسٹیشن ڈائرکٹر (پروگرام) رہا اور حیدر آباد سے رخصت ہونے کے آخری لمحے تک۔

۱۔ اندرون ریاست امن بھائی چارہ اور مملکت دکن ؏سے بلالحاظ مذہب، ملت، محبت۔

۲۔ بیرون ریاست ہونے والے ہر مخالف پروپیگنڈے کا دندان شکن جواب۔

۳۔ مثبت اقدام سے منسلک اور منفی سے گریز۔

۴۔ نہ بیرون ریاست کوئی ضرب نہ اندرون ریاست کسی تقسیم کا تذکرہ۔

۵۔ بحیثیت ایک ذریعہ ابلاغ عام ریڈیو کی شائستگی برقرار اور فن نشر کا احترام ملحوظ خاطر۔ میں دوسری جنگ عظیم میں اناؤنسر تھا، خبریں بھی پڑھتا اور روزانہ نشر ہونے والے بچوں کے پروگرام کا مرتب اور اس میں "ماموں جان" بھی تھا۔ میرے بچوں کے پروگرام کی ایک نوعمر سامع آج پاکستان کی ممتاز افسانہ نگار اور ناول نویس اختر جمال ہے۔ ان دنوں میں لندن، برلن، روم، اور ٹوکیو کی اردو نشریات سنتا تھا۔ اتحادی (انگلستان، فرانس، روس، امریکہ) اور محوری (جرمنی اٹلی اور جاپان) ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالتے تھے۔ ہند۔حیدر آباد قضیہ کے دوران دکن ریڈیو سے ایسا کوئی پروگرام نشر نہیں کیا گیا۔ ہاں ایک پروگرام "سنی سنائی" ضرور ایسا تھا جس نے ہندوستانی حلقوں میں حشر برپا کردیا تھا۔ اس کا ذکر آئندہ کروں گا۔

پروگراموں کی ترتیب و نشر میں میرے قریبی رفقائے کار علی احمد، ثناء اللہ، نذیر احمد، احمد عبدالقیوم، تحسین سروری اور چند دوسرے تھے، مائیکروفون کے مجاہد عبدالماجد، وراثت مرزا (اس وقت مرزا وراثت علی بیگ) بدر رضوان اور حمایت علی شاعر تھے۔ تیلگو شعبے میں اپنا پرانا رفیق کشن راؤ تھا جس کے ساتھ قاسم خاں نامی ایک متنفی اور

www.taemeernews.com

ریشہ دوان تیلگوواں کی وجہ سے بڑی ناانصافی ہوئی۔

شعبۂ اخبار بالکل آزاد شعبہ تھا۔ اور عزیز رضوی اس کے سربراہ۔ عزیز نے جس لگن، دیانت اور کارکردگی کے ساتھ اس شعبے کو چلایا وہ اپنی جگہ ایک مثال بھی ہے اور تاریخ نشریات دکن کا اہم باب بھی۔ عزیز نے ہند اور بیرون ہند کی ایسی خبروں سے مجھے روزانہ باخبر رکھا جن سے پروگرام مرتب ہوسکتے تھے اور کئے گئے۔ بلاشبہ اس نوجوان نے کسی ستائش یا صلے کی تمنا میں کام نہیں کیا اور اپنا فرض ہر خوف و خطر سے بے نیاز ہوکر انجام دیا اور انگریزی، تیلگو، مرہٹی، کنڑی، فارسی، عربی کے علاوہ بنگالی حتیٰ کہ انڈونیشی زبان میں بھی خبریں نشر کیں۔ عزیز نے تن تنہا سارا بوجھ سنبھال رکھا تھا کیونکہ شعبہ اخبار میں صرف مترجم تھے کوئی قابل ذکر نائب یا مددگار نہیں تھا۔

پروگراموں میں ہندو، مسلمان، پارسی عیسائی، سب ہی مقرروں نے حصہ لیا۔ یہ ممکن ہے کہ پروگراموں کی نوعیت بیان کروں اور نہ ان کے نشر کرنے والوں کی کوئی تفصیل۔ کہانی لمبی اور اس کے کردار بے شمار ہیں البتہ نشرگاہ کی پالیسی سے اختلاف کرنے والوں کا سرسری ہی سہی ذکر ضرور کروں گا۔ مسلمانوں میں مجلس اتحادالمسلمین کا ایک گروہ چاہتا تھا کہ حیدرآباد کو ایک مسلم مملکت کے طور پر پیش کیا جائے۔ ہندوؤں میں ہندوستانی کانگریس کے حامی کسی طور ہماری پالیسی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک حلقہ ان ہندوؤں کا تھا جو دل میں چاہے کچھ ہی چاہتے ہوں علی الاعلان اپنے کسی منفی ردعمل کا اظہار نہیں کرتے تھے راے جانکی پرشاد آنجہانی جیسے بزرگ بھی تھے جو سقوط دکن کے بعد طلب کئے جانے پر وہاں انہوں نے بلا جھجک کہا کہ ان کی تہذیب وہی ہے جو مسلمانوں کی ہے یہ بات خود جانکی پرشاد صاحب نے مجھے بتائی اور بلارم چھاؤنی سے سیدھے نشرگاہ آکر۔ اگر ان کے دل میں کوئی دوسرا درد ہوتا تو کیا ضروری تھا کہ وہ سقوط کے بعد نشرگاہ آکر فوجی حکمرانوں سے اپنی ملاقات کی داستان من و عن بیان کرتے اور فخر کے ساتھ۔

۱۰ر ستمبر ۱۹۴۸ء کی رات کو گھر لوٹتے ہوئے محض اتفاق کہ میں نے چوکیدار سے کہا رات کسی وقت کوئی واردات یا واقعہ ہو تو فوراً" مجھے مطلع کرنا، میرا گھر نشرگاہ کے بہت

www.taemeernews.com

قریب تھا۔ دوسری صبح کوئی چھ بجے کے قریب چوکیدار ہانپتا کانپتا آیا اور خبر لایا کہ قائداعظم کا انتقال ہوگیا ہے' عزیز رضوی صاحب نے نشرگاہ بلایا ہے۔ میں نشرگاہ پہنچا تو دیکھا کہ ہر شخص سوگوار اور آبدیدہ' سرکاری موٹریں دوڑائیں کہ کچھ قاریوں' ابراہیم جلیس' نظرحیدر آبادی اور دوسرے اہل قلم کو لے آئیں۔

بدر رضوان کی ڈیوٹی تھی آنکھوں سے آنسو جاری' کبھی اسٹوڈیو میں جائیں کبھی کسی اور طرف چلے جائیں' مجھے ڈر ہوا کہ قائد کے انتقال پر ملال پر میرا تحریر کردہ اناؤنسمنٹ نشر کرتے ہوئے رو نہ پڑیں میں نے بدر سے کہا کہ لاؤ وہ پرچہ مجھے دو میں اناؤنسمنٹ کرتا ہوں۔ میں نے جب شروع کیا تو "----اس دارفانی سے رحلت----" کہہ کر خود رو پڑا۔

قاری' ادیب' شاعر' وغیرہ ایک پلٹن کی صورت میں جمع ہوگئے۔ نظم و نثر کا ایک کارخانہ کھل گیا رات بارہ بجے تک تعزیتی پروگرام نشر ہوتا رہا۔ جس میں اکابر' مشاہیر' وزرا' امرا' سب ہی نے حصہ لیا۔

۱۲ر ستمبر ۱۹۴۸ کو پھر علی الصبح عزیز رضوی کا پیام آیا کہ ہندوستان نے حیدر آباد پر حملہ کردیا ہے۔ دوبارہ میں نے ادیبوں' شاعروں اور دوسرے اہل قلم حضرات کا لشکر جمع کیا۔ تین مورچے بنائے۔ ایک وہ جہاں تخلیقی کام ہو' دوسرا میرا کمرہ جہاں میں تمام تحریروں کی منظوری دیتا ان میں کوئی ترمیم کرتا یا مسترد کرکے میز کی دراز میں رکھ دیتا تاکہ لکھنے والے کی حوصلہ شکنی نہ ہو۔ تیسرا مورچہ اسٹوڈیو تھا' ماجد' وراثت اور بدر اس مورچے کے سپاہی بھی تھے اور سردار بھی۔ دس گیارہ بجے میں نے اپنی بیوی کو چٹھی لکھی حیدر آباد پر حملہ ہوگیا ہے میرا بستر اور کچھ کپڑے بھیج دو اور تم کچھ ضروری سامان لے کر بچوں کے ساتھ اپنے میکے چلی جاؤ۔ جنگ جیت گیا تو ملاقات ہوگی ورنہ تم لوگوں کا اللہ حافظ۔

حملے کے دن پروگرام صبح آٹھ بجے شروع ہوا اور کسی وقفے کے بغیر رات بارہ بجے تک جاری رہا' سقوط کے اعلان تک ایسا ہی ہوتا رہا۔ اس میں دوسری زبانوں کے

www.taemeernews.com

پروگرام بھی شامل تھے' ڈیسمنڈ شین چند ماہ پہلے کلکتہ سے شارٹ ویو کے تین ٹرانسمیٹر لے آیا تھا اس لئے اردو پروگرام صبح سے رات تک کسی ایک یا دو ٹرانسمیٹروں پر ضرور نشر ہوتے تھے۔ سامعین ان کے میٹروں سے واقف تھے اس لئے وہ حسب ضرورت میٹر تبدیل کردیتے تھے۔ البتہ ہوائی حملے کے خطرے کا سائرن بجتا تو میڈیم ویو کے ٹرانسمیٹر بند کردیئے جاتے تھے۔

پہلے دن کوئی بارہ بجے سالم بن سعید صاحب نے ایک حکم نامہ بھیجا کہ تمام نشر شدنی مسودات کی مجھ سے منظوری لینے کے بعد نشر کریں میں نے جواب میں لکھا کہ ہم حالت جنگ میں ہیں نہ ایک لمحہ ضائع کرسکتے ہیں اور نہ پروگرام میں کہیں کوئی رخنہ پڑسکتا ہے۔ اگر ارباب اختیار کو مجھ پر اعتماد ہے تو کسی پابندی کے بغیر مجھے پروگرام نشر کرنے دیا جائے یا پھر یہ کام کسی دوسرے کے سپرد کیا جائے جو آپ کی منظوری لیتے ہوئے پورے تسلسل کے ساتھ نشر کرسکتا ہے اس جواب کے بعد کوئی اور حکم نامہ نہیں آیا۔ میرا گمان ہے کہ موصوف نے محبوب علی طاہر صاحب کو جو اس وقت کنٹرولر تھے صورتحال بتائی ہوگی اور ان ہی کے مشورے پر خاموش ہوگئے ہوں گے۔

دوران جنگ

ایک لطیفہ بھی ہوا۔ شاید تیسرے دن ایک کپتان صاحب نشرگاہ تشریف لائے مجھ سے راز میں گفتگو کی کہ ہندوستانی فوج کا ایک میجر پکڑا گیا ہے جس کا انٹرویو نشر کرنا ہے اسے کب لاؤں۔ میں حیران کہ ہمارے فوجی صاحبان اختیار ایک ہندوستانی فوجی قیدی کو کھلے عام نشرگاہ لانا چاہتے ہیں۔ میں نے اس کی مخالفت کی اور کہا مناسب یہ ہے کہ اس کی ریکارڈنگ نشر کی جائے۔ ٹیپ ریکارڈ ابھی نکلے نہ تھے۔ البتہ ہمارے پاس ایک وائر ریکارڈر تھا۔ میں نے کہا یہ وائر ریکارڈر ساتھ لے چلتا ہوں۔

فتح میدان میں فوج کا ایک ذیلی ہیڈ کوارٹر تھا۔ وہاں پہنچے کسی کرنل صاحب کے سامنے پیش ہوئے تو پتہ چلا کہ کوئی افسر وفسر پکڑا نہیں گیا ہے البتہ خود ہمارا ایک افسر

www.taemeernews.com

جنگی قیدی کے روپ میں کوئی کہانی سنائے گا۔ یہ کہہ کر انہوں نے پہلے سے لکھی ہوئی کہانی کا مسودہ مجھے دیا۔ پڑھ کر میں حیران رہ گیا کہ اتنی مفرس اور معرب زبان دوسرے ہندو تو جانتے ہیں مگر کوئی ہندوستانی فوجی کاہے کو جانے گا۔ میں نے یہ نکتہ کرنل صاحب کو سمجھایا تو انہوں نے مجھ سے متبادل صورت پوچھی میں نے کہا کہ مجھے ہندی نہیں آتی' بریں ہم ان دقیق الفاظ کی جگہ آسان الفاظ لکھ دیتا ہوں۔ چنانچہ اس کے بعد فتح میدان کے تہہ خانے قسم کے کمرے میں ریکارڈنگ کرائی۔ خود بھی سنی کرنل صاحب کو بھی سنائی اور بتایا کہ بہتر ہے کہ یہ ناٹک نہ کھیلا جائے کیونکہ آپ کی قید میں کوئی ہندوستانی افسر ہو یا نہ ہو سامعین کو معلوم ہو جائے گا۔ نشر کرنے والا جنگی قیدی ایک ناتجربہ کار اداکار تھا شکر کہ کرنل صاحب نے میرا مشورہ مان لیا۔

اس کے مقابلے میں انجینئر صادق علی خان نے کچھ بے قاعدہ اور نیم فوجی ہجوم کے ساتھ اور اپنی قیادت میں یلغار کرتے ہوئے ہاسپیٹ پر قبضہ کرلیا اور حیدر آباد کا پرچم بلند کردیا۔ بعد میں وہ اور ان کے ساتھی وہیں شہید کردیئے گئے۔

زیادہ خبریں ہندوستانی افواج کی پیش قدمی اور قبضے کی آنے لگیں خصوصاً آل انڈیا ریڈیو سے جواب میں افواج آصفی کی جانب سے سرکاری طور پر کہا جانے لگا کہ ہندوستان کی پیش قدمی حیدر آباد کی پسپائی نہیں بلکہ محاذ جنگ کو چھوٹا کرنا ہے۔

اورنگ آباد ہاتھ سے نکل گیا تو دیگر پریشانیوں کے علاوہ ذاتی طور سے میں اشفاق' علی وغیرہ غمگین ہوگئے کہ میر حسن پر کیا بیتی ہوگی۔ جو اس وقت وہاں مہتمم نشرگاہ تھا اور دونوں جگہ یکساں پالیسی تھی۔ حیدر آباد ریڈیو نے چھپایا مگر آل انڈیا ریڈیو کی خبروں کے علاوہ جس لمحہ اورنگ آباد سے اناؤنسمنٹ ہوا۔ "یہ آل انڈیا ریڈیو اورنگ آباد ہے" تو لوگوں کے حوصلے پست ہونے لگے کیونکہ حیدر آباد کے بعد سب سے بڑا اور اہم ترین شہر اورنگ آباد تھا۔ اس کے باوجود نہ کسی نے ٹیلی فون پر کوئی لعن طعن کی اور نہ طعنے دیئے صرف استفسارات کیئے کہ اب کیا صورتحال ہے؟ کیا امید کی جائے؟ خدانخواستہ کوئی اور بری خبر تو نہیں وغیرہ۔ اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ سامعین کو نشریات

www.taemeernews.com

پر اعتماد تھا۔ اس سے ان کی آس بندھتی تھی سکون ملتا تھا' ہمت بڑھتی تھی۔ حملے سے سقوط کے دن تک اشفاق میرے ساتھ رہا۔ اس کا مکان نشرگاہ سے بمشکل تین چار سو گز دور تھا۔ رات نشریات ختم ہونے کے بعد اپنے گھر جاسکتا تھا مگر مجھ سے چمٹا رہا۔ نہ کوئی پروگرام لکھا نہ نشر کیا مگر چوبیس گھنٹے سائے کی طرح میرے ساتھ رہا' قہقہے لگا کر' گالیاں دے کر' بار بار چائے پی کر اور دوسروں کو چائے پلوا کر ہر ایک کو خوش دل رکھنا چاہتا تھا حالانکہ لحہ بہ لحہ حالات اسے بھی پژمردہ کررہے تھے۔ رات دو ایک بجے تک مجھ سے باتیں کر کے میرے ساتھ فرش پر سوجاتا اورنگ آباد کے ذکر پر آبدیدہ اور میر حسن کے خیال سے غم زدہ ہوجاتا۔ اشفاق کو ان دونوں سے بڑا پیار تھا کام نہ کرنے کے باوجود اشفاق کی سنگت نے میری کارکردگی میں بڑا اضافہ کیا۔

۱۵ر ستمبر تک حالات مزید خراب ہوگئے۔ علاقوں پر علاقے ہاتھ سے نکل گئے مایوسی میں اضافہ ہوسکتا تھا کمی قطعاً" نہیں۔ ان چار دنوں میں کسی افسر نے پلٹ کر بھی ہم سے نہ پوچھا کہ اپنی ضروریات یا مشکلات بتاؤ یا فلاں کام کرو اور فلاں نہ کرو۔ صرف ایک مرتبہ حمید الدین احمد صاحب آئے اور ایسے وقت جبکہ عملے کے کچھ کم پڑھے لکھے لوگ مجھے مجبور کررہے تھے کہ میں اعلان کردوں کہ حیدرآباد ایک مسلم مملکت ہے۔ میں نے انکار کردیا اور حمید الدین احمد صاحب کو صورتحال بتائی تو وہ کچھ کہے سنے بغیر الٹے پاؤں واپس ہوگئے اور پھر کبھی نشرگاہ نہیں آئے۔ ادیب اور شاعر بلا معاوضہ پروگرام لکھتے تھے ان کے اور پورے عملے کے لئے کینٹین کے دروازے کھلے تھے جس کا جو جی چاہے جتنا جی چاہے کھائے پیئے اور نشر کے بعد سرکاری موٹر میں اپنے گھر جائے۔ اس مدت میں ہندوؤں اور مسلمانوں نے نہ مجھ سے ایک دوسرے کی کوئی شکایت کی نہ ایک دوسرے پر کوئی شبہ کیا ایسا بھی نہیں ہوا کہ کوئی گھر بیٹھ گیا ہو۔ میں لڑکیوں سے کہتا تھا کہ وہ نشرگاہ نہ آئیں۔ ضرورت ہوئی تو انہیں بلوایا جائے گا مگر ہندو اور مسلمان لڑکیاں نہایت پابندی کے ساتھ آتی رہیں۔

کوتوال بلدہ

www.taemeernews.com

۱۶ر ستمبر کو دو تین بجے سالم بن سعید صاحب نے مجھ سے فرمایا نواب دین یار جنگ پروگراموں کے متعلق کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ پروگرام آپ اپنی مرضی سے بناتے اور نشر کرتے تھے۔ آپ ہی ان سے گفتگو کرسکتے ہیں بہ اعتبار رتبہ مجھ میں اور کوتوال میں بہت فرق تھا آدھی بادشاہت، کوتوال کرتا تھا کوتوال سے کیسے ملنا چاہئے تھا آپ سوچ لیں، بھیجا مجھے گیا۔

میں پہنچا اپنی حاضری کا سبب بتایا تو کوتوال صاحب کے پرسنل اسسٹنٹ نے کہا کہ کوتوال صاحب نے فرمایا ہے کہ آپ فلاں انسپکٹر سے بات کریں۔ میں نے انکار کردیا کہ میں تھانیدار سے نہیں کوتوال صاحب سے بات کروں گا۔ ہمارے زمانے کے ریڈیو والوں کو چاہے وہ آل انڈیا ریڈیو ہو ریڈیو پاکستان ہو یا دکن ریڈیو اپنے ادارے کی عزت اور بلند مقام کا بہت احساس تھا اور وہ خود کو اس مقام کا محافظ سمجھتے تھے۔ ان کا ایک خاص مزاج ہوتا تھا جس میں تبدیلی کا کوئی امکان نہ تھا جب ہم دونوں ایک دوسرے سے اصرار و انکار کرنے لگے تو غوث صدیقی میری آواز سن کر اپنے کمرے کے باہر آئے اور خود مجھے کوتوال صاحب کے پاس لے گئے۔ غوث حیدرآباد سول سروس کے آدمی اور اس وقت مددگار کوتوال تھے۔

کوتوال صاحب سبزہ زار پر کھڑے آٹھ دس آدمیوں سے جو نہ جانے کیوں ایک قطار میں کھڑے تھے گفتگو کررہے تھے۔ تعارف کے فوری بعد فرمایا "آپ اپنے تمام پروگرام بند کرکے صرف گریموفون ریکارڈ بجائیں" میں نے کہا "اتنی سی بات کے لئے مجھے طلب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ پالیسی کا معاملہ ہے آپ معتمد نشریات کو فون کردیتے اوپر سے مجھے ہدایت ملتی تو میں اسے عملی جامہ پہنا دیتا۔" تحکمانہ لہجے میں جیسا کہ پولیس والوں کا وطیرہ ہے' فرمایا' اب میں آپ کو ہدایت دے رہا ہوں۔ مجھے اور زیادہ غصہ آیا اور میں نے کہا کہ میں صرف اپنے افسران بالا دست کی ہدایت کا پابند ہوں۔ کوتوال صاحب اور لوگوں کو چھوڑ کر مجھے ذرا دور لے گئے اور کہا "میاں اعلیٰ حضرت کا فرمان ہوا ہے میں کوئی اپنی طرف سے تھوڑا ہی کہہ رہا ہوں"۔ میں نے جواب دیا "فرمان

www.taemeernews.com

واجب التعظیم ہے مگر آپ میرے افسروں سے فرمایئے کہ وہ اسے واجب التعمیل بنائیں۔"

دین یار جنگ نے کہا "شاید آپ کو علم نہیں کہ ہندوستانی فوجیں کہاں تک گھس آئی ہیں شہر سے بس بیس پچیس میل دور ہوں گی"۔ میں نے کہا کہ "ہم اسٹالن گراڈ کی یاد تازہ کردیں گے۔" اس پر فرمایا "بابا نعرے بازی کا وقت گذر گیا اب صرف ریکارڈ بجاؤ" میں نے کہا "پہلے ہی ریکارڈ پر لوگوں کے سینے شق ہوجائیں گے" میں واپس آگیا۔

نشرگاہ میں ماجد' وراثت مرزا اور بدر رضوان منہ لٹکائے میرا انتظار کررہے تھے۔ کہنے لگے سالم بن سعید صاحب کہہ رہے ہیں کہ نعرے بند کرو اور ریکارڈ بجاؤ۔ میں نے انہیں اپنے ساتھ لیا اسٹوڈیو میں گیا اور اپنے ساتھ ان سے نعرہ لگوایا "آزاد تھے' آزاد ہیں' آزاد رہیں گے" مگر میری سمجھ میں آگیا کہ بس چند گھنٹوں کی یا ایک آدھ دن کی بات ہے اور ڈرامے کے ڈراپ کا پردہ گر جائے گا۔ کسی کو کچھ بتایا نہیں' نہ سالم بن سعید صاحب کو نہ اشفاق کو' اشفاق نے کوئی کرید بھی نہیں کی۔ رات بارہ بجے تک معمول کی طرح پروگرام نشر کرنے کے بعد میں اور اشفاق ڈیوٹی روم میں سو گئے۔ تعمیل حکم سے میرا اور میرے ساتھیوں کا انکار مورخ کو لحہ فکر فراہم کرتا ہے کہ اس زمانے میں اعلیٰ حضرت سے لے کر کسی ادنیٰ حضرت تک سب کتنے ہراسان و پریشان تھے۔ یہ پوچھنے والا نہ تھا کہ اعلیٰ حضرت کے حکم کی تعمیل میں ریکارڈ بجانے کی بجائے نعرے کیوں لگائے جارہے ہیں۔

سقوط دکن کا پہلا اعلان

۱۶ر اور ۱۷ر ستمبر کی درمیانی صبح کو چار بجے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی جو میرے اور اشفاق کے سرہانے فرش پر رکھا ہوا تھا۔ اشفاق نے اٹھایا' ادھر کی بات سنی اور زور سے ریسور پٹخ کر ایک فحش گالی دی۔ پوچھا کیا ہے؟ "بولا حرام زادہ کہہ رہا تھا میں میسرم سے بات کررہا ہوں (شہر سے کوئی آٹھ دس میل دور) یہاں توپوں کی آواز سنائی دے رہی ہے"

www.taemeernews.com

میں نے کہا "سوچا صبح معلوم کریں گے"۔ اشفاق نے پوچھا "پیارے یہ بھا اگر حیدر آباد بھی ختم ہو گیا تو کیا ہو گا؟ میں نے کہا کہ "پاکستان چلے جائیں گے"۔ اس پر اشفاق نے ایک اور سوال کیا جو میں حذف کر رہا ہوں۔

صبح ساڑھے پانچ بجے چپراسی نے جگایا کہ رضوی صاحب دوسرے فون پر ہیں۔ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ان سے کہو کچھ دیر بعد میں خود فون کرلوں گا۔ میں سمجھا عزیز رضوی کا فون ہے۔ چپراسی نے واپس آکر کہا کہ وہ عزیز رضوی صاحب نہیں قاسم رضوی صاحب ہیں اور اسی وقت بہت ضروری بات کرنا چاہتے ہیں۔ میں گیا بولے "ظفر میاں میں قاسم رضوی ہوں" میں نے معذرت کی کہ "میں سمجھا ہمارے نیوز ایڈیٹر عزیز رضوی کا ٹیلی فون ہے" تو فرمایا خیر اس کی کوئی بات نہیں، مشہور ہو گیا ہے کہ میں سڈنی کاٹن کے جہاز میں پاکستان فرار ہو گیا ہوں اس لئے ریڈیو پر تقریر کرنا چاہتا ہوں "فوری طور پر میں نے ہاں تو کہہ دیا اور وقت نشر ساڑھے دس بجے بتایا مگر فکر یہ ہوئی کہ اب یہ موقع نہیں ہے کہ یہ "فائر برینڈ" مقرر فی البدیہہ تقریر کرے، لازم تھا کہ حکام بالا سے اس کی اجازت لی جائے اور ان سے عرض کیا جائے کہ وہ بھی نشر کے وقت موجود رہیں۔

مہتمم نشرگاہ سالم بن سعید صاحب سے معتمد نشریات حمید الدین احمد صاحب تک ایک ایک کو پچاسوں ٹیلی فون کئے، گھنٹی ہر جگہ بجی اٹھایا کسی نے نہیں۔ حالانکہ تھوڑی تھوڑی دیر سے اس تقریر کا اعلان نشر کیا جا رہا تھا۔ کوئی ساڑھے نو بجے قاسم رضوی صاحب وردی پہنے اپنے اے ڈی سی سجاد کے ساتھ آگئے۔ سجاد کا بچپن سے میرے سسرال آنا جانا اور وہ میرے چچازاد بھائیوں کا دوست تھا۔ پاکستان میں کافی عرصے تک پی آئی اے میں پائلٹ رہ چکا ہے۔ میں نے استقبال کیا، رضوی صاحب کو مہمان خانے میں بٹھایا، موت کا سا سناٹا تھا ہر ایک خاموش اور شاید اس کا منتظر کہ گفتگو میں دوسرا پہل کرے۔ اب بچا ہی کیا تھا جس پر کوئی بات کی جاتی۔

افسروں کی طرف سے مکمل مایوس ہونے کے بعد آخری چارۂ کار یہ تھا کہ میں "

www.taemeernews.com

دلکشا" فون کروں اور صدرِ اعظم میر لائق علی صاحب سے کہوں کہ وہ رہبری کریں۔ بڑی مشکل سے یہ فون ملا تو پتہ چلا کہ میر صاحب اعلیٰ حضرت کے پاس کنگ کوٹھی گئے ہوئے ہیں۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ وقت اس سے زیادہ تیزی سے گذر رہا تھا۔ رضوی صاحب کی تقریر کا مقررہ وقت قریب سے قریب تر ہو رہا تھا اور انہیں عجلت تھی کہ جلد مائیکرو فون پر خطاب کریں۔ میں ادھر ایک ایک کو فون کر رہا تھا اور ادھر رضوی صاحب سے کہہ رہا تھا کہ آپ کی تقریر کے کچھ اور پیشگی اناؤنسمنٹ ہو جائیں، اس کے بعد آپ کو اسٹوڈیو لے جاؤں گا۔ وہ بہت بے چین مگر اس حد تک مطمئن تھے کہ میں انہیں دھوکہ نہیں دے رہا ہوں۔

مشکل سے پندرہ منٹ باقی ہوں گے اور اب میں دلکشا کی طرف سے بھی ناامید ہونے لگا۔ اتنے میں صدرِ اعظم کی موٹر نشرگاہ کے سامنے آکر رکی۔ عبدالرحیم صاحب جو اس وقت وزیر تھے موٹر سے اتر کر نشرگاہ آئے اور صدرِ اعظم دلکشا چلے گئے۔ رحیم صاحب، قاسم رضوی صاحب کو یہ کہہ کر اپنے ساتھ دلکشا لے گئے کہ صدرِ اعظم کوئی فوری گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ میری جان میں جان آئی۔ ان کے جاتے ہی میں نے ممتاز کو ٹیلی فون کیا جنہوں نے صدرِ اعظم سے گفتگو کر کے مجھے بتایا کہ رضوی صاحب کو فی البدیہہ تقریر کرنے کی اجازت ہے۔ کنگ کوٹھی سے ٹیلی فون کرنے پر لائق علی صاحب کو رضوی صاحب کے گھر سے بتایا گیا تھا کہ وہ نشرگاہ میں بیٹھے ہیں۔ اس لئے دلکشا جاتے ہوئے وہ رحیم صاحب کو نشرگاہ کے گیٹ پر چھوڑ گئے کہ رضوی صاحب کو دلکشا لے آؤ۔

دلکشا اور نشرگاہ کے درمیان بہت کم فاصلہ تھا اس لئے صدرِ اعظم سے گفتگو کرنے کے بعد دس پندرہ منٹ کے اندر رضوی صاحب واپس نشرگاہ آگئے اور مائیکرو فون پر خطاب کیا جو کچھ اس طرح تھا۔

"میرے متعلق یہ افواہ اڑائی گئی ہے کہ میں پاکستان چلا گیا ہوں۔ میں دکن میں پیدا ہوا اور دکن ہی میں دفن ہوں گا، آپ کے ساتھ جیا ہوں آپ ہی کے ساتھ مروں گا،

www.taemeernews.com

میں نے آپ کے خون کا پہلا قطرہ لیا ہے اب آخری قطرہ نہیں لوں گا جو بھی افتاد پڑے اسے صبر و سکون اور امن و اطمینان سے برداشت کیجئے کہ دکن اور اہل دکن کے مقدر میں یہی لکھا تھا۔ مشیت ایزدی کو یہی منظور تھا"

بلاشبہ قاسم رضوی صاحب نے نہایت خوبصورت اور اثر انگیز تقریر نشر کی اور سوائے اس کے کہ ایک جگہ انہوں نے "بھارتی درندے" کہا تقریر کا ایک لفظ بھی قابل اعتراض نہ تھا۔ تقریر کے بعد اسٹوڈیو کے باہر آئے تو عملے کے کارکن ان سے لپٹ گئے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ بڑی مشکل سے انہیں اس ہجوم سے نکالا "کمپاؤنڈ میں اپنی موٹر کے قریب پہنچ کر انہوں نے عمارت کی بالائی منزل کی طرف دیکھا' چھت پر آصفی پرچم لہرا رہا تھا پرچم کو سلوٹ کیا اور پھر وہاں سے چلے گئے۔ قاسم رضوی صاحب کی تقریر کے فوری بعد بدر رضوان نے یہ ریکارڈ بجایا۔

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہم ہی سو گئے داستاں کہتے کہتے

ٹیلی فون آنے شروع ہوئے' کسی کی آواز بھرائی ہوئی' کوئی رو رہا ہے' کوئی ماتم کر رہا ہے' خواتین کی دلدوز چیخیں ناقابل برداشت تھیں۔ حیدر آباد کے ماہر قانون بیرسٹر سری کرشن کے فرزند ارجمند کا ٹیلی فون آیا "ظفر تمہیں ذرا سی بھی پریشانی ہو تو اپنے بیوی بچوں کے ساتھ میرے گھر آجاؤ کہو تو موٹر بھیج دوں" سقوط کے بعد سروجنی نائیڈو کی دختر نیک اختر پدمجا نائیڈو نے مجھے اپنے گھر طلب کرکے جو گفتگو کی میں تفصیل کے ساتھ "ذکر یار چلے" میں لکھ چکا ہوں ایسے بہت سے واقعات ہوئے جن سے بعد کے دنوں میں میری ڈھارس بندھی اور خوف کم ہونے لگا۔

شام پھر نشرگاہ آیا کیونکہ میر عثمان علی خاں خطاب کرنے والے تھے۔ کے ایم منشی بھی آئے اور ان ہی کی تحریر کردہ تقریر اعلیٰ حضرت نے نشر کی اور کنگ کوٹھی واپس ہو گئے' نہ ترانہ' نہ بینڈ' نہ سرخ بانات کا فرش' نہ ہوشیار خبردار کی آوازیں' اور نہ کوئی اور انتظام' مائیکرو فون پر آخری بار ان کا نام "ہز اگزالٹیڈ ہائی نس دی نظام آف

www.taemeernews.com

حیدر آباد اینڈ برار لیا گیا اور سارا قصہ تمام ہوگیا۔ ان کی انگریزی تقریر کا ترجمہ تک نشر نہیں ہوا۔ نہ کسی نے کہا نہ ہم نے کیا اس موقع پر بھی اعلیٰ افسروں میں سے کوئی بھی موجود نہیں تھا۔

نشر گاہ حیدر آباد کے آخری لمحے

انور عنایت اللہ

بنیادی شہرت افسانہ نگاری میں حاصل کی اور ادب میں چند دلنشیں افسانوں کا اضافہ کیا۔ فراغت تعلیم کے بعد نشر گاہ حیدر آباد سے منسلک ہو گئے تھے۔ سقوط کے بعد پاکستان ہجرت کی اور یہاں اطلاعات کے محکمے، پھر صحافت اور آخر میں امریکی قونصل خانہ کراچی سے منسلک رہے۔ "قلعہ مضبوط تھا" سقوط حیدر آباد کے آس پاس کے دنوں کی ان کی خودنوشت یادوں پر مشتمل ہے، جو ۱۹۵۶ء میں کراچی سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کا زیر نظر اقتباس مرزا ظفر الحسن کے اقتباس کے تکملہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

www.taemeernews.com

نشر گاہ حیدر آباد کے آخری لمحے

انور عنایت اللہ

حیدر آباد ---- ۱۳ر ستمبر ۱۹۴۸ء

علی الصباح شہر انگڑائیاں لیتا جاگ اٹھا تو آناً "فاناً" یہ خبر پھیل گئی کہ بھارتی فوجوں نے ریاست پر حملہ کردیا ہے۔ بھارتی فوج کشی کی پہلی خبر کیا آئی ریڈیو اسٹیشن کا نقشہ ہی بدل گیا۔ اب وہ پروپیگنڈہ کا بہت بڑا کارخانہ ہوگیا تھا آن کی آن میں چاروں سرکاری موٹریں ادیبوں، شاعروں، اور فنکاروں کے گھر بھیج دی گئیں۔ ایک گھنٹہ کے اندر اندر تمام ادیب پہنچ گئے ان کے آنے سے پہلے بڑے بڑے کمروں میں میز کرسیاں ڈال دی گئی تھیں، کاغذ پینسل، قلم دوات، اخباروں کتابوں رسالوں وغیرہ کے انبار لگا دیئے گئے۔ فنکاروں کی آمد کے ساتھ سارا کارخانہ حرکت میں آگیا۔ دھڑا دھڑ دھڑا دھڑ پروگرام لکھے جانے لگے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کسی خودکار مشین نے نظمیں کورس، تقریریں، فیچر خاکے وغیرہ آپ ہی آپ قیامت کی رفتار سے ڈھل ڈھل کر نکل رہے ہیں۔ دوسری طرف نشر کرنے والوں کی قطاریں تھیں، جن میں آواز کی موزونیت کے لحاظ سے پروگرام تقسیم ہو رہے تھے میڈیم ویو کے ایک اور شارٹ ویو کے چار ٹرانسمیٹروں پر اردو انگریزی کے علاوہ تیلگو، مرہٹی، کنڑی، تامل، فارسی، عربی، پشتو، گجراتی، بنگالی، انڈونیشی، زبانوں میں خبریں اور پروگرام نشر ہو رہے تھے۔ ہر محاذ پر رضاکار ڈٹے ہوئے تھے لیکن طاقتور دشمن کا دباؤ بڑھ رہا تھا۔ ریاست میں ہر جگہ لوگ پرسکون تھے اور ان کے حوصلے

www.taemeernews.com

بلند تھے اس کے برعکس بھارتی علاقوں میں بھگدڑ مچ گئی تھی وجئے واڑہ خالی کردیا گیا تھا۔ مدراس کے کئی علاقوں میں ہوائی حملوں کے ڈر سے عوام کا برا حال تھا۔ بمبئی جیسے صنعتی شہر کے لکھ پتی کروڑ پتی شہر خالی کر رہے تھے۔ بدحواسی کا یہ عالم تھا کہ ریل کا دس روپے کا ٹکٹ تین تین سو تک فروخت ہونے لگا تھا۔ انسان موت کے بازار میں بھی کاروبار کرتا ہے!

ادھر حیدر آباد میں ہندو سہمے ہوئے تھے اور مسلمان ڈٹے ہوئے تھے اور دونوں اپنے اپنے فرائض ایمانداری کے ساتھ انجام دے رہے تھے۔ جنگ جاری تھی قلعہ مضبوط تھا۔

حیدر آباد - ۱۶ر ستمبر ۱۹۴۸ء

جمعرات کا دن تھا۔ نشرگاہ میں گہما گہمی کا وہی عالم تھا۔ یکایک دو بجے کمشنر پولیس کا ٹیلی فون آیا کہ کنٹرولر نشریات ---- ریڈیو کے پروگراموں کے سلسلے میں فوراً" کمشنر پولیس سے ملاقات کریں۔ کنگ کوٹھی مبارک سے کوئی فرمان آیا تھا جس میں پروگراموں کا ڈھانچہ فوراً" بدلنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ کنٹرولر نشریات محبوب علی طاہر نے سالم بن سعید' اسٹیشن ڈائریکٹر کو حکم دیا کہ وہ فوراً" جائیں اور ہدایتیں حاصل کریں۔ اسٹیشن ڈائریکٹر نے اپنے اسسٹنٹ ڈائریکٹر کو حکم دیا کہ وہ فوراً" جائیں اور ہدایتیں حاصل کریں چنانچہ اس مرحلے سے بھی گذرنے کا سہرا مرزا ظفرالحسن ہی کے سر رہا۔ پے درپے کی پسپائیوں کے بعد قلعہ کی مضبوطی پر عوام تک شبہ کرنے لگے تھے۔ ظاہر ہے افسر تو پہلے سے ہی بھانپ سکتے تھے کہ یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا چنانچہ تمام بڑے افسران نے بڑی دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے آپ کو اس نئی مصیبت سے دور رکھنے کی کوشش کی۔ آخر کار مرزا ہی کو جانا پڑا۔

کمشنر پولیس کے لئے ریڈیو کا اسسٹنٹ ڈائریکٹر ایک حقیر افسر تھا اس نے اپنے پولیس انسپکٹر سے کہا کہ وہ گفتگو کرے۔ تھانیدار ہر جگہ اور ہر وقت تھانیدار ہی رہتا ہے اس نے نہایت کرخت لہجہ میں کہا "سرکار کا فرمان ہے --- آپ فوراً" فلمی گانے نشر

www.taemeernews.com

کیجئے۔"

مرزا ظفرالحسن کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ ہونٹ خشک ہو گئے اور اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اسے کہا کیا جا رہا ہے۔ اس نے فوراً" ڈرتے ڈرتے پوچھا کیا میں اس موضوع پر کمشنر صاحب سے گفتگو کر سکتا ہوں۔"

چنانچہ ازراہ کرم کمشنر صاحب سے ملاقات کرائی گئی۔ صاحب موصوف نے ایک سانس اور ایک ہی طویل جملہ میں فرمایا۔

"آپ ٹیپو اور فاتح خیبر کی قسمیں کھا رہے ہیں اور نعرے لگا رہے ہیں اور ادھر بھارتی فوجیں حیدر آباد سے صرف بائیس میل دور رہ گئی ہیں کنگ کوٹھی مبارک سے فرمان آیا ہے کہ یہ نعرے فوراً" بند کر دیئے جائیں اور فلمی گانے نشر کئے جائیں۔ ––– جایئے ––– فوراً" اس فرمان کی تعمیل کیجئے!!!!

کنگ کوٹھی مبارک کا یہ فرمان مرزا ظفرالحسن کی سمجھ میں نہیں آیا۔ دکن کے مسلمان اپنے آقا ولی نعمت کی شان میں قصیدے گاتے ہوئے ٹیپو اور فاتح خیبر کی قسمیں کھا رہے تھے کہ وہ دکن کی آن پر' اس مقدس سرزمین پر اپنی جان و مال سب کچھ نچھاور کر دیں گے اور کنگ کوٹھی مبارک فرما رہی تھی۔ "اے ناعاقبت اندیش احمقو! بند کرو یہ بکواس۔ نشر کرو فلمی گانے۔ "آواز دے کہاں ہے ––– دنیا مری جواں ہے –––" بیٹھی ہوں تیری یاد کا لے کر سہارا ––– آجاؤ کہ چمکے مری قسمت کا ستارا ––– سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کس کا"۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ سیاں ابھی حیدر آباد سے بائیس میل دور تھے اور آج حیدر آباد میں مائی کا ایسا کوئی لال نہیں تھا جس میں اس آگ سے کھیلنے کی ہمت تھی جو دکن کے لاکھوں بہادر نوجوانوں کے سینوں میں بھڑک رہی تھی مرزا بیچارا تو دکن ریڈیو کا ایک حقیر افسر تھا۔ اس نے نشرگاہ واپس آکر فوراً" کے بعد دیگر کئی اہم ٹیلی فون کئے تنکے کو سہارا مل گیا۔ جوشیلے پروگرام اسی طرح نشر ہوتے رہے!!!!

حیدر آباد ––– ۱۷ار ستمبر ۱۹۴۸ء

جمعہ ––– مطلع ابر آلود ––– سورج کہیں روپوش جیسے منہ چھپانا چاہتا ہو۔ فضا

www.taemeernews.com

پر ایک عجیب سکوت، جیسے کسی قیامت کا پیش خیمہ ہو۔

جنگ جاری تھی ----- کم از کم عوام کا یہی خیال تھا کہ جنگ جاری ہے صبح کے دس بج گئے یکایک نشرگاہ میں ٹیلی فن کی گھنٹی زور سے بجی مرزا ظفرالحسن نے فوراً ریسور اٹھایا۔

ظفر میاں ---- میرے متعلق مشہور ہوگیا ہے کہ میں پاکستان سے بھاگ گیا ہوں اس لئے میں ابھی ریڈیو سے تقریر نشر کرنا چاہتا ہوں۔

مجاہد اعظم کی پروقار بارعب آواز ----- لہجہ بے حد اداس۔ یوں جیسے کلیجہ منہ کو آرہا ہو تقریر نشر ہوئی لاکھوں ریڈیو سیٹ کھلے ہوئے تھے لاکھوں کان بے چینی سے اپنے عزیز رہنما کی آواز سننے کے لئے مضطرب تھے۔

قاسم رضوی نے کہا "مسلمانو!!! سچا مسلمان وہی ہے جو ہر حالت میں خدا کا شکر گزار رہے کیونکہ یہ خدا ہی ہے جو ہمیں خوشیاں عطا کرتا ہے اور یہ خدا ہی ہے جو ہم سے خفا ہو کر ہمیں سخت سزا دیتا ہے۔ ہم نے اب تک ہر امتحان میں اس کے آگے سر جھکایا ہے۔ اب ہمارے سامنے ایک اور کڑا امتحان ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ صبر کا دامن تمہارے ہاتھوں سے چھوٹ جائے اور آسمانی قہر کے دروازے تم پر کھول دیئے جائیں ---- خدا کے لئے صبر سے کام لو مسلمانو صبر سے کام لو صبر سے کام لو۔"

یہاں پہنچ کر قاسم رضوی کے جذبات نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور مائیکروفون پر وہ بے اختیار رو پڑے۔ اور دکن کا چپہ چپہ جہاں تک ہوا کے دوش پر اس مرد مجاہد کی آواز پہنچی ماتم کدہ بن گیا۔ مجاہد اعظم نے فوراً" اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"کل کو تمہیں ورغلایا جائے گا کہ رضوی تمہیں تباہی کے طوفان میں بے یارومددگار چھوڑے پاکستان چلا گیا ایسا کبھی نہیں ہوسکتا مسلمانو! افواہوں پر یقین نہ کرو۔ میں نے تمہارا پہلا قطرہ خون لیا تھا آخری قطرہ خون نہیں لوں گا۔ اس کا یقین رکھو۔ مسلمانو! میں نے خوشیوں میں تمہارا ساتھ دیا ہے تو اب غم میں بھی تمہارا ساتھ دوں گا میں نے

www.taemeernews.com

تمہارے عروج میں تمہارا ساتھ دیا ہے تو اب زوال میں بھی تمہارا ساتھ دوں گا۔
رضوی کی تباہی' اس کا زوال اس کی موت سب کچھ دکن ہی کی سرزمین میں ہے۔!!!

تقریر ختم ہوئی جنگ ختم ہوگئی دیکھتے ہی دیکھتے پلک جھپکتے دکن میں مسلمانوں کا اقتدار ان کی ثقافت ان کا تہذیب و تمدن' ان کا مستقبل' سب کچھ ختم ہوگیا' تباہ ہوگیا' مرگیا' اور کمشنر پولیس اور کنگ کوٹھی مبارک کی ہدایتوں کے مطابق آج فلمی گانے نشر ہونے لگے۔ اور بدر رضوان' اناؤنسر نے پہلا ریکارڈ فیڈان کیا۔۔۔ "یہ کیسا انیائے داتا' یہ کیسا انیائے سہگل کی آواز حیدرآباد کی فریاد بن گئی دوسرا ریکارڈ فیڈ ان ہوا تو شہر میں صف ماتم بچھ گئی۔

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہم ہی سوگئے داستاں کہتے کہتے

حیدرآباد۔۔۔۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۴۸ء

شام کے سات بجے۔۔۔ فضاء بوجھل۔۔۔ نشرگاہ کا ماحول سوگوار۔

ولی نعمت شاہ عثمان اپنی بے زبان وفادار رعایا سے مخاطب ہوتے ہیں۔

"میری عزیز و محبوب رعایا" اعلیٰ حضرت کی بوڑھی آواز گونجی۔ "مجھے اپنی رعایا کو مطلع کرتے ہوئے بڑی مسرت ہے کہ میں نے آج ہندوستان کے گورنر ہزایکسی لنسی راجگوپال آچاریہ کے نام حسب ذیل پیام روانہ کیا ہے:۔

"میری حکومت نے استعفی دیدیا ہے اور مجھ سے خواہش کی ہے سیاسی حالات کو بالکلیہ میں اپنے ہاتھ میں لے لوں اس کے جواب میں میں نے حکومت سے یہ کہا ہے کہ مجھے افسوس ہے کہ یہ صورت اس سے پہلے نہیں اختیار کی گئی۔ اب جب کہ کافی دیر ہوچکی ہے اس نازک موقع پر میرے لئے کچھ کرنا مشکل ہے بہرحال میں یورا کسیلنسی کو اس امر سے مطلع کرتا ہوں کہ میں نے آج شام اپنی فوجوں کو لڑائی بند کردینے کا حکم دیدیا ہے اور رضاکاروں کی جماعت ختم کرنے کا بھی حکم دے دیا ہے اس کے علاوہ میں ہندوستانی فوجوں کو بلارم اور سکندرآباد کی فوجی بارکوں میں ٹھہرنے کی اجازت دے رہا

www.taemeernews.com

ہوں۔

اس وقت تک کے لئے جب تک کہ ایک نئی وزارت قائم نہ ہوجائے اور وزیراعظم کا تقرر عمل میں نہ آئے روزمرہ کے نظم و نسق میں مجھے مدد دینے کے لئے میں نے ایک کمیٹی مقرر کی ہے جس کے ارکان حسب ذیل ہوں گے۔

ہزہائی نس شہزادہ برار سپہ سالار اعظم' میجر جنرل العیدروس کمانڈر' نواب دین یار جنگ' کمشنر کوتوالی' مسٹر ابوالحسن سید علی' سابق صدر مجلس اتحاد المسلمین اور ----!!

میں نے اپنے دوست کے ایم منشی' ایجنٹ جنرل ہندوستان برائے حیدرآباد سے مشورہ کیا اور آج میں اس کا اعتراف کرنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے اس موقع پر میری بڑی مدد کی ---"!!

اعلیٰ حضرت کی تقریر ختم ہوئی مسلمانوں کی تمام خوش فہمیاں دور ہوگئیں۔ تقریر کا ایک ایک لفظ سوچ سمجھ کر لکھا گیا تھا ایک ایک لفظ شاعرانہ ذہنیت سے مرصع تھا۔ سننے کے بعد یوں محسوس ہوتا تھا جیسے قاسم رضوی نے سب کچھ ولی نعمت کی مرضی کے خلاف صرف اپنے لئے کیا تھا یا کرنے کی کوشش کی تھی۔

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔

ذہن پراگندہ تھا خوفناک مستقبل منہ کھولے سامنے کھڑا تھا اس کے باوجود ذہن میں بے شمار پریشان کن حیران کن خیالات کلبلانے لگے۔ کے ایم منشی' ولی نعمت کا کب سے دوست بن گیا' ایسا دوست جس سے مشورہ کی اعلیٰ حضرت نے ضرورت محسوس کی اور ایک بڑے ہی نازک دور میں اس کی مدد اور رہبری کا اعتراف بھی کیا سب سے زیادہ حیران کن نظم و نسق کی کمیٹی کے اراکین کے نام ثابت ہوئے۔ میجر جنرل العیدروس' جس پر دکن کے مسلمانوں کو پورا اعتماد تھا' جو عرب تھا اور جسے لوگ اب تک سید قاسم رضوی کا دست راست سمجھتے رہے تھے۔ دین یار جنگ جس پر مجاہد اعظم کو بے حد بھروسہ تھا۔ ابوالحسن سید علی' جو کبھی اسی مجلس اتحاد المسلمین کے صدر تھے جس نے آزاد

www.taemeernews.com

حیدر آباد کی تحریک شروع کی تھی اور جو آج موت کے دروازے پر کھڑی اپنوں اور بیگانوں کے رحم و کرم پر تھی۔

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو میرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

میر عثمان علی خان نے تقریر ختم کی تو ان کے دوست شری کے ایم منشی نے ازراہ کرم زخمی اور مفتوح قوم کو مخاطب فرمایا۔

"میں آج دکن ریڈیو سے اس لئے اپنی تقریر کر رہا ہوں کیونکہ میرے دوست ہز اگزالٹیڈ ہائی نس نظام نے مجھ سے ایسا کرنے کی خواہش کی ہے۔ گذشتہ رات میں نے ہز اگزالٹیڈ ہائی نس سے رابطہ قائم کیا اور پولیس ایکشن کے اغراض و مفہوم کو ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جو میری حکومت 'حیدر آباد میں بحال امن کے لیے کر رہی ہے۔ مجھے یہ کہتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ ہز اگزالٹیڈ ہائی نس نے اس کاروائی کی ستائش کی اور آج صبح التوائے جنگ کے احکام صادر فرما دیئے !!!" تقریر ختم ہوئی ---- اڑا ڑا ڑا دھم!! ---- قلعہ کی آخری اینٹیں بھی زمین پر آ رہیں۔

شام بے حد اداس تھی۔ آسمان بادلوں سے صاف تھا۔ موسم خاصا خوشگوار تھا۔ سورج غروب ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ افق کی سرخی بڑی تیزی سے پھیل رہی تھی۔ شاید اسی لیے آسمان سرخ ہو رہا تھا یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے شفق سرخی میں لاکھوں شہیدوں کا خون مل گیا تھا۔

فاتح جنرل نے جیب سے سونے کا سگریٹ کیس نکالا ایک سگریٹ خود سلگایا اور کچھ سوچ کر دوسرا مفتوح جنرل کو دیا۔ پہلا کش فضاء میں تحلیل بھی نہ ہوا تھا کہ فاتح جنرل نے کہا۔

"ہم نے بائیس محاذوں سے اپنی فوجیں داخل کی تھیں۔ ان میں ایک بھی محاذ ایسا نہ تھا جہاں رضاکاروں کی مزاحمت کے باوجود ہمیں شکست ہوئی ہو ---- جس محاذ پر ہم نے شکست فاش کھائی وہ ریڈیو کا محاذ تھا۔"

www.taemeernews.com

یہی فاتح جنرل حیدر آباد میں اپنی فاتح فوجوں کے ساتھ داخلے کے بعد جب اپنی پہلی نشری تقریر کا ریہرسل کرنے کے لیے نشرگاہ حیدر آباد پہنچا تو اس کے استقبال کے لیے سوائے اسسٹنٹ ڈائریکٹر پروگرامس کے اور کوئی نہ تھا۔ یہ جوڑی بھی عجیب تھی۔ جنرل چوہدری ---- فاتح ---- طویل قد ---- پروقار ---- اس کے مقابلہ میں مرزا ظفر الحسن ---- مفتوح ---- بے حد مختصر سا قد ---- جذبات سے عاری' خاصا سنجیدہ کھویا کھویا سا چہرہ ---- خاموش نگاہیں ---- جیسے بے شمار رازوں کی عمیق گہرائیوں میں ڈوبنے کے بعد کچھ نہ بولنے کی قسم کھائی ہو۔

کرسی پر بیٹھنے کے بعد جنرل چوہدری نے اپنا بیلٹ درست کیا اور پھر اپنے پستول پر ہاتھ رکھ کر مرزا ظفر الحسن سے کہا۔ "تم جانتے ہو میں سپاہی ہوں۔" کوئی فاتح جنرل فتح کے فوری بعد اگر اپنے پستول پر ہاتھ رکھ کر کسی مفتوح سے کہے ---- تم جانتے ہو میں سپاہی ہوں ---- تو مفتوح کی آنکھوں میں اس کی موت کا پھر جانا کوئی تعجب کی بات نہیں' کیونکہ ۱۷ ستمبر کے بعد ان لوگوں کی موت تقریباً ایک یقینی بات تھی جنہوں نے مضبوط قلعہ کو بہت زیادہ مضبوط قلعہ سمجھ کر دعویٰ کیا تھا ہمارا جھنڈا لال قلعہ پر لہرا کر رہے گا۔ جنرل کے سامنے خاموش ہو کر مرزا ظفر الحسن نے سوچا کہ اب موت یقینی ہے۔ جنرل نے اس قدر خاموش دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے کہا۔

"تم جانتے ہو میں سپاہی ہوں۔ میں نے کبھی ریڈیو پر تقریر نہیں کی تمہارے آگے زانوئے تلمذ تہہ کرتا ہوں۔ مجھے ایک ایماندار استاد کی طرح تربیت دو۔"

اور مرزا ظفر الحسن نے ایک ذہین مفتوح کی طرح فوراً" حالات پر قابو پالیا بڑی چابکدستی سے فاتح جنرل ریڈیو کی کشش کا شکار ہوگیا۔ ریڈیو نے اس کا دل اس طرح موہ لیا اور تقریریں کرنے کا اسے کچھ ایسا چسکا پڑا کہ ایک دو تین چار ---- کئی بار اس نے تقریریں نشر کیں۔ جب وہ پانچویں مرتبہ تقریر نشر کرنے کے لیے آیا تو کہنے لگا۔

"شاید یہ میری آخری نشری تقریر ہے ---- سردار پٹیل کو یہ پسند نہیں کہ میں

www.taemeernews.com

ریڈیو پر اتنی زیادہ تقریریں کروں۔ یہ کہتے ہوئے وہ کہیں کھو گیا ہو جیسے اس احساس نے اسے اداس کردیا ہو کہ فاتح حیدر آباد بھی اب آزاد نہیں تھا۔ وہ تقریر واقعی اس کی آخری تقریر ثابت ہوئی۔ اس کے بعد اس نے دوبارہ کبھی نشرگاہ میں قدم نہیں رکھا۔ اب اس کی ضرورت بھی کیا تھی۔ قلعہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی تھی۔

حیدر آباد --- ۲۳ر ستمبر ۱۹۴۸ء

اور پھر یوں ہوا کہ زوال حیدر آباد کی داستان آخر اسلامی ممالک تک پہنچ ہی گئی۔ اس ناٹک کے کردار اپنے اصلی رنگ میں نظر آہی گئے۔ بے شمار خوش فہمیاں دور ہوگئیں۔ میر عثمان علی خاں نے تقریر کی ٹھانی۔ ان کے عزیز دوست اور رہبر کے ایم منشی نے بھی یہی مشورہ دیا کہ انہیں تقریر نشر کرنی چاہیے تاکہ دنیا پر واضح ہوجائے کہ حضور نظام کس قدر مظلوم تھے۔ فوراً" حکم ہوا کہ دکن ریڈیو تقریر کے انتظامات مکمل کرلے۔ لیکن دکن ریڈیو کس کے احکام مانے ؟ جنرل چوہدری کے احکام واضح ہیں۔ حیدر آباد کا حاکم صرف وہ ہے۔ چنانچہ اس سے گفتگو کی گئی۔ کیا کہا؟ نظام تقریر نشر کرنا چاہتے ہیں؟ منشی صاحب کا بھی یہی مشورہ ہے؟ --- ضرور تقریر نشر کریں --- کیا کہا؟ کنگ کوٹھی سے نشر کرنا چاہتے ہیں؟ ---- جی نہیں --- انہیں اسٹوڈیوز سے نشر کرنا چاہیے --- جی ہاں ---- میں یہی چاہتا ہوں ---- جب شری نہرو اور سردار پٹیل اسٹوڈیو جاسکتے ہیں تو پھر نظام صاحب کے لیے نشرگاہ جانا کسرِشان کیسے ہوسکتا ہے؟؟

چنانچہ نظام صاحب 'قہراً" جبراً" نشرگاہ تشریف لائے اور تقریر نشر کی --- رٹے رٹائے جملے --- الفاظ کا گورکھ دھندا شاطرانہ چال اور سیاسی بازی گری کی ایک مثال!!!

www.taemeernews.com

فصل سوم

بھارتی حملے

کے

عواقب ونتائج

www.taemeernews.com

اضلاع دکن میں قتل خون: ایک تعارف

عمر خالدی و معین الدین عقیل

بھارت کے فوجی حملے اور ہندوؤں کے ہاتھوں مسلمانوں کے قتل و خون اور ان کی تباہی اور بربادی، خصوصاً علاقہ مرہٹواڑہ اور بیدر کے لرزہ خیز واقعات کی کچھ تفصیلات پنڈت سندرلال (۱۸۸۶ء - ۱۹۸۱ء) اور قاضی عبدالغفار (۱۸۸۹ء - ۱۹۵۶ء) نے ایک رپورٹ کی شکل میں مرتب کی تھیں۔ رپورٹ کے مرتبین نے اپنی یہ رپورٹ اس وقت کے نائب وزیر اعظم اور وزیر امور داخلہ سردار پٹیل کو پیش کی تھی، لیکن انہوں نے اس رپورٹ کو دبا دیا اور منظر عام پر آنے سے روک دیا۔ امید ہے کہ یہ رپورٹ اب بھی حکومت ہند کی وزارت داخلہ میں محفوظ ہوگی۔

اگر ہندو ذہن و کردار کی تاریخ کو پیش نظر رکھیں، تو ان صاحب اقتدار ہندوؤں کا یہ رویہ ناقابل فہم نہیں رہتا۔ لیکن یہ تاریخ ایسے انسانوں سے بھی خالی نہیں، جو مثال کے طور پر، اس مندرجہ ذیل روایت میں نظر آتے ہیں۔ اردو کے مشہور ادیب پروفیسر آل احمد سرور ("ہماری زبان" علی گڑھ، ۱۲ مارچ ۱۹۶۷ء کے شمارے میں) لکھتے ہیں:

"مجھے ۱۹۴۸ء کا لکھنؤ یاد آتا ہے۔ (حیدر آباد کی) سروجنی نائیڈو یوپی کی گورنر ہیں۔ ڈاکٹر وی ایس رام، صدر شعبہ سیاسیات کے یہاں موسیقی کی ایک محفل ہے۔ سروجنی نائیڈو بھی موجود ہیں۔ اچانک ملٹری سیکرٹری خوش خوش داخل ہوتا ہے، اور گورنر سے کہتا ہے: "مبارک ہو، حیدر آباد فتح ہوگیا" مگر یہ کیا! گورنر یہ خبر فرحت افزا سننے پر خوش ہونے کے بجائے زار و قطار رونے لگتی ہیں۔ لوگ حیران ہو کر ان سے پوچھتے ہیں کہ خوشی

www.taemeernews.com

کے موقع پر یہ رونا کیسا؟ وہ کہتی ہیں کہ خوشی اپنی جگہ پر' مگر میں اس لئے رو ا ہی ہوں کہ میرے بادشاہ کو یہ دیکھنا پڑا۔ یہ کیسا بادشاہ تھا' جس کی محبت ہندوستان کی آزادی کی اس سپاہی کے دل میں اس جوش و خروش سے موجزن تھی!"۔

پنڈت سندرلال کی رپورٹ بھی اگرچہ تمام حقائق و صداقتوں کو سمیٹ نہ سکی ہوگی' لیکن پھر بھی اس کے منظرعام پر آنے سے کچھ تو حقائق سامنے آہی سکتے تھے۔ رپورٹ شائع نہ ہوئی' لیکن اس رپورٹ کے چند اجزاء عمر خالدی کی کتاب HYDERABAD : AFTER THE FALL میں درج ہیں۔ سانحہ سقوط حیدر آباد کے فوراً" بعد جو قتل و خون اور تباہی و بربادی مسلمانوں کی ہوئی' اس کا کچھ ذکر مختلف مصنفین نے کیا ہے' لیکن یہ ایسا حادثہ ہے' جس کو تاریخ وار اور جائے واردات کے لحاظ سے جس تفصیل' جس گہرائی اور جتنی صداقت سے لکھنا چاہیے تھا' وہ کسی سے نہ ہو سکا۔

اس کتاب کے مرتبین نے وقتاً فوقتاً مختلف شہروں: حیدر آباد' اورنگ آباد' بیدر' دہلی' بمبئی' کراچی' جدہ اور شکاگو وغیرہ میں تقسیم حیدر آبادی بزرگوں سے فوجی کارروائی کے واقعات بتانے یا ضبط تحریر میں لانے کی گزارشیں کیں' لیکن سب ہی غالب کے اس شعر کی تصویر بنے رہے:

غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوش اشک سے
بیٹھے ہیں ہم تہیہ طوفاں کئے ہوئے

مگر افسوس یہ طوفاں کبھی اٹھنے نہ پایا۔ چاروناچار ہم کو فوجی کارروائی کے دوران یا مابعد پیش آنے والے حالات و واقعات کے لئے شائع شدہ مواد پر اکتفا کرنا پڑا۔ یہ ہم پہلے ہی عرض کر چکے ہیں کہ ان حالات و واقعات کو لکھنے یا مرتب کرنے کی طرف بہت کم مصنفین نے توجہ دی ہے۔ چناں چہ اس موضوع پر بہت کم اور وہ بھی سرسری سا مواد دستیاب ہے۔ مثلاً "ایک حیدر آبادی" نے اپنا نام ظاہر کئے بغیر "حیدر آباد کی خونیں داستان" لکھی۔ یہ ۴۷ صفحات کا ایک کتابچہ ہے' جو ۱۹۴۸ء میں کراچی سے شائع ہوا۔

www.taemeernews.com

مصنف لکھتے ہیں:

حیدر آباد کو میں نے نہایت دردناک حالات میں چھوڑا' انڈین یونین کی افواج کے داخلہ کے بعد سے بالعموم قتل و غارت گری کا دور دورہ تھا جن کو میں برداشت نہ کرسکا۔ اول تو مقامی ہندو مسلم زعماء سے یہ خواہش کی کہ وہ مسلمانوں کو آئی ہوئی مصیبت سے نجات دلانے کی تدابیر اختیار کریں لیکن ملٹری گورنمنٹ کا خوف ہر متنفس پر طاری تھا اس لئے وہاں کچھ نہ ہوسکا۔ بالآخر یہ فیصلہ کیا گیا کہ حیدر آباد سے باہر نکل کر کچھ اشک شوئی کی جائے۔ چنانچہ مختلف مقامات پر اپنی درد بھری کہانی سناتے ہوئے ۲۹ر اکتوبر ۴۸ء کو دارالسلطنت پاکستان کراچی پہنچا۔ یہاں حیدر آباد کے لئے ہمدردیاں حاصل کرنے کی سب سے زیادہ توقع رکھتا تھا۔ حالات کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ حیدر آباد کے مسلمانوں اور رضاکاروں کے متعلق صحیح معلومات نہیں اور صرف پانچ دن میں حیدر آباد کے ختم ہوجانے کی پوری پوری ذمہ داری انہی معصوموں پر عائد کی جارہی ہے۔ ہر شخص اسی غلط فہمی میں مبتلا ہے اور حقیقی حالات سے کوئی واقف نہیں ہے اس لئے مناسب سمجھا کہ حادثۂ حیدر آباد کو تفصیل کے ساتھ قلم بند کرکے عام مسلمانوں' اقوام عالم اور دنیا کے متمدن ممالک کے آخری فیصلے کے لئے پیش کروں۔

ایک حیدر آبادی

۳۰ر نومبر ۴۸ء

اسی نوعت کا ایک اور کتابچہ ابوالبشر الرفاعی المدنی نے "تاریخ زوال دکن" لکھا اور کراچی ہی سے ۱۹۴۸ء میں شائع کیا۔ کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کا تعلق شاید برار سے تھا' چنانچہ اس میں صوبہ متوسط (سی پی) اور برار کے ان مہاجرین کو پیش آنے والے حالات و مسائل کا ذکر ہے جنھوں نے ۱۹۴۷ء اور ۱۹۴۸ء کے دوران حیدر آباد میں پناہ لی تھی۔

سقوط کا سانحہ گزر جانے کے ایک عرصہ کے بعد کہیں کچھ لوگوں نے خود پر گزرے ہوئے سانحات یا چشم دید واقعات پر مشتمل یادداشتیں مرتب کیں۔ ان میں ایک س۔ م

www.taemeernews.com

۔ ح رضوی بھی ہیں۔ غالباً ان کا نام سید محمد حیدر رضوی تھا۔ ان کے فرزند نے ان کا تحریر کردہ ایک کتابچہ امریکہ میں عمر خالدی کے حوالے کرتے ہوئے یہ ہدایت کی تھی کہ اس نام کو خفیہ ہی رکھا جائے۔ کتابچہ کا عنوان یہ ہے ---"سلطنت حیدر آباد کے آخری ایام" اس کی اشاعت کراچی سے ۱۹۸۸ء میں ہوئی۔

ان تینوں کتابچوں میں مشترک بات یہ ہے کہ وہ بھارتی فوجی حملے کے بعد مملکت حیدر آباد میں پیش آ۔نے والے واقعات اور بالخصوص مسلمانوں پر ظلم و ستم کی تفصیلات بیان کرتے ہیں ن سے قطع نظر ذیل میں ہم چند اہم شخصیات کے ذاتی تجربات' ان ہی کے الفاظ میں پیش کر رہے ہیں۔

پہلی روداد محمد یونس سلیم صاحب کی ہے' جو بھارت کی سیاست میں معروف ہوئے۔ وہ ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ حیدر آباد میں وکالت کی ۱۹۶۷ء میں مرکزی حکومت ہند میں نائب وزیر قانون رہے اور پھر ۱۹۹۱ء میں بہار کے گورنر بنے اور کچھ عرصہ پارلیمنٹ کے رکن بھی رہے۔ مئی ۱۹۶۹ء کے "شبستان" (اردو ڈائجسٹ دہلی) میں ان کا ایک انٹرویو شائع ہوا تھا' جس میں انہوں نے بھارتی حملے کے بعد کے حالات اور واقعات بیان کئے ہیں۔

انہوں نے مجھ سے گفتگو کے دوران کہا "آپ جانتے ہیں میرے بال وقت سے پہلے کیوں سفید ہوگئے ہیں۔" یہ بال اس لئے سفید ہوگئے ہیں کہ میں نے حیدر آباد میں پولیس ایکشن کے بعد کنوؤں میں مسلمانوں کی لاشیں سڑتی ہوئی دیکھی ہیں' میں نے بیواؤں کی آہ و بکا سنی ہیں' میں نے بہنوں کو بھائیوں کے لئے اور بیٹوں کو اپنے مقتول والدین کے غم میں تڑپتے دیکھا ہے۔ میرے تصور میں بھی نہ تھا کہ میں اپنی زندگی میں ایسے روح فرسا مناظر دیکھوں گا۔ چنانچہ جب میں نے ظلم اور مظلومیت کا یہ تماشہ دیکھا تو میری راتوں کی نیند اڑ گئی۔ میرا ذہنی نظام درہم برہم ہوگیا۔ میرے بال شدت احساس میں وقت سے پہلے سفید ہوگئے۔ میں بوڑھا نظر آنے لگا۔

جب مسٹر یونس سلیم یہ جملے کہہ رہے تھے۔ میں ان کے جذبات کی گرمی کا اندازہ لگا

www.taemeernews.com

رہا تھا۔ میں اس گرمی میں وہ آگ تلاش کر رہا تھا جس کی جستجو میں موسیٰ کوہ طور تک پہنچ گئے تھے۔ میں حق گوئی اور بے باکی کی اس حرارت میں قیصرو کسریٰ کی طاقت کو جلتے دیکھ رہا تھا۔ میں اس آگ میں روم کو جلتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

حیدر آباد کے ماضی کی بات نکلی تو میں نے پوچھا "حیدر آباد پر پولیس ایکشن کے وقت آپ کہاں تھے؟"

"میں حیدر آباد میں ہی تھا۔" میں نے کہا "اس ایکشن کا کچھ آنکھوں دیکھا حال سنائیے۔" سوال ختم کرتے ہی میں نے ایسا محسوس کیا جیسے میں نے سوال نہ کیا ہو مسٹر یونس سلیم کے جسم پر خنجر کا وار کردیا ہو۔ کیوں کہ میرا سوال سنتے ہی ان کا چہرہ غم سے سفید ہوگیا۔ چند لمحات تک وہ خالی خالی نظروں سے میری طرف دیکھتے رہے اور پھر ایک ایسی آواز میں جو درد و کرب میں ڈوبی ہوئی تھی انہوں نے کہا" بڑی الم ناک داستان ہے۔ یہ تقسیم کے بعد مجھے پاکستان چلے جانے کے لئے کہا گیا۔ مسٹر غلام محمد سے میرے والد کے تعلقات تھے تقسیم کے بعد جب وہ حیدر آباد آئے تو انہوں نے مجھے پاکستان آنے کی دعوت دی لیکن میں نے سوچا جب میں پہلی مرتبہ حیدر آباد آیا تھا تو خوش حالی کا دور تھا۔ حیدر آباد نے مجھے عزت دی اب حیدر آباد پر وقت پڑا ہے اس لئے مجھے حیدر آباد کی خدمت کرنی چاہیے چنانچہ میں نے پاکستان جانے کا خیال ترک کردیا۔ میں اس زمانے میں حیدر آباد کے محکمہ ٹیکس کا سرکاری وکیل تھا اور مجھے تقریباً ایک ہزار روپے ماہور تنخواہ ملتی تھی۔ حیدر آباد پر پولیس ایکشن کے بعد جب اضلاع سے تباہ حال لوگ شہر حیدر آباد میں داخل ہوئے تو میرا دل تڑپ اٹھا۔ میں دہلی آیا' پنڈت نہرو اور مولانا آزاد سے ملاقات ہوئی۔ پنڈت نہرو سے میری ملاقات رات کو ساڑھے بارہ بجے ہوئی تھی۔ جب میں نے ان کو حیدر آباد کی کہانی سنائی تو وہ بہت زیادہ متاثر ہوئے اور انہوں نے پنڈت سندر لال' قاضی عبدالغفار اور عبداللہ مصری کو میرے ساتھ حیدر آباد بھیجا تاکہ میں وہاں کا دورہ کروں۔ میں نے دورہ کیا تو ایسے روح فرسا مناظر دیکھے کہ میرے ہوش اڑ گئے۔ میں نے اکثر دیہاتوں میں لاشیں کھیتوں میں پڑی دیکھیں۔ لاشوں سے کنویں پٹے

www.taemeernews.com

پائے اور ظلم و ستم کے ایسے واقعات سنے کہ میرا دل ہل گیا۔ ایک دیہات میں جب ہمارے وفد نے کئی لاشوں کو بے گور و کفن سڑتے دیکھا تو میری جو حالت ہوئی وہ تو ہوئی خود پنڈت سندر لال اتنے متاثر ہوئے کہ وہ رونے لگے۔ الغرض ہم نے اپنا دورہ مکمل کرنے کے بعد رپورٹ مرتب کی اور اسے حکومت ہند کے سامنے پیش کیا۔ اس رپورٹ کو سردار پٹیل نے پسند نہیں کیا اور مجھے یہ سزا دی گئی کہ ریاست حیدر آباد میں میری ملازمت ختم کردی گئی۔"

مسٹر یونس سلیم نے میرے سوال کے جواب میں مزید کہا "۱۷ ستمبر کو جب پولیس ایکشن ختم ہوا تو ریاست کے جاگیرداروں کی اکثریت سراسیمہ ہوکر حیدر آباد آگئی۔ خاندان کے خاندان ختم ہوگئے۔ میں اتنا متاثر ہوا کہ چند ہی دنوں میں میرے سیاہ بال سفید ہوگئے اور میں ہروقت اداس رہنے لگا۔ جب میں نے مولانا آزاد کو یہ کہانی سنائی تو وہ اتنے متاثر ہوئے کہ میں نے کبھی بھی اس سے قبل ان کو اتنا متاثر نہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے مجھ سے کہا "حیدر آباد کا بھرم ختم ہوگیا یہ زخم ایک ناسور بن گیا ہے اور اب یہ ناسور میرے ساتھ قبر ہی میں جائے گا۔"

مسٹر یونس سلیم اتنا کہہ کر خاموش ہوگئے۔ یہ خاموشی اتنی سنگین تھی کہ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کمرے کی ہوا تک ساکت ہوگئی ہو۔ میں نے سلیم صاحب کے مغموم چہرے کی طرف دیکھا۔ یقیناً ان کی آنکھیں نم تھیں۔ بڑے مقدس تھے یہ آنسو۔

○○○

جماعت اسلامی پاکستان کے رکن مولانا مصاحب علی کو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سے قرب کا اعزاز بھی حاصل رہا ہے۔ وہ ۱۹۲۹ء میں ضلع ورنگل میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں جماعت اسلامی میں شمولیت اختیار کی تھی۔ بھارتی حملے کے بعد وہ گرفتار کرلئے گئے تھے اور ۳ ماہ سے کچھ زیادہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ۱۹۵۱ء میں ہجرت کرکے پاکستان آگئے اور سندھ میں نواب شاہ کو اپنا مسکن بنایا۔ رسالہ "نئی زندگی" (لاہور) کے ایک شمارے میں جو ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا، انہوں نے سقوط حیدر آباد کے بعد خود پر

www.taemeernews.com

پڑنے والی افتاد کا یوں ذکر کیا ہے۔

سقوط حیدر آباد کے بعد والدین کی دیکھ بھال کی خاطر ورنگل پہنچا۔ دوسرے ہی دن فوج شہر میں داخل ہوگئی۔ دکانوں کی لوٹ مار شروع ہوگئی۔ مسلمان گھروں میں محصور ہوگئے۔ ترکی ٹوپی نکال پھینکی اور گاندھی کیپ اختیار کیا۔ کسی مسجد میں نہ اذان ہوتی اور نہ نماز میں تنہا ترکی ٹوپی پہنے مسجد میں جاتا' اکیلا اذان دیتا اور تنہا نماز پڑھ کر واپس آتا۔ تین دن یہ سلسلہ جاری رہا۔ رات میں محلے کے لوگ جمع ہوئے اور مجھ سے کہنے لگے تم احمق ہو' موت کے منہ میں جارہے ہو۔ دوسرے محلے میں جاکر رہو اور گھر سے باہر نہ نکلو۔ والد صاحب کی وجہ سے لوگ تمہارے دشمن ہیں۔ محلّہ والوں کے اصرار پر میں نے کہا اچھی بات ہے میں دوسرے محلے میں ایک اور عزیز کے پاس جارہوں گا لیکن اذان دینا اور مسجد میں نماز پڑھنا بند نہیں کرسکتا رات کی تاریکی میں دوسرے محلّہ میں منتقل ہوگیا۔ لیکن دوسرے ہی دن غنڈے آئے اور مجھے پکڑ کر لے گئے۔ اور میرا جلوس اس شان سے نکلا کہ محلّہ سے چھینی ہوئی تلواریں اور قیمتی کپڑے میرے ہاتھوں پر رکھ دیئے گئے اور "جے ہند" کے نعرے لگاتے ہوئے چل پڑے۔ جب چوراہے پر پہنچے تو میرا ایک گہرا سکھ دوست آگے بڑھا اس نے میرے منہ پر تھوک دیا۔ اس سے زیادہ اور کیا تکلیف ہوسکتی تھی کہ میرا دوست جسے میں لٹریچر بھی پڑھا رہا تھا منہ پر تھوک دے۔ حالات یہ تھی کہ چہرے بھی صاف نہ کرسکتا تھا یہ جلوس تھانے پر پہنچ کر ختم ہوا۔ تھانے پر میرے سامنے ایک مسلمان کی اس طرح پٹائی ہورہی تھی کہ اسے درمیان میں لٹادیا گیا تھا اور اطراف میں بھارتی فوجی کھڑے بندوق کے کندوں اور جوتوں سے بری طرح پیٹ رہے تھے اور اس کی دردناک چیخیں بلند ہورہی تھیں۔ میں دیکھ رہا تھا کہ میرا بھی یہی حشر ہونے والا ہے اور دل ہی دل میں خدا سے لو لگائے دعائیں مانگ رہا تھا کہ ایک فوجی میری طرف بڑھا اور بڑی بے دردی سے بید ماری' کان پھٹ گیا اور خون کا ریلا بہہ نکلا۔ سارے کپڑے خون سے بھر گئے۔ یہ حال بظاہر تو تکلیف دہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس صورتحال کو میرے لیے [illegible]

www.taemeernews.com

والے افراد سے الگ کر دیا گیا۔

یہاں سے ہمیں ٹرین کے ذریعے بجواڑہ اسٹیشن لے جایا گیا۔ میرے ساتھ کم از کم ایک ہزار مسلمان قیدی تھے۔ اسپیشل ٹرین تھی۔ مشکل سے دن بھر کا راستہ تھا لیکن ٹرین تین دن میں بجواڑہ اسٹیشن پہنچی ہمیں کچھ علم نہ تھا کہ کہاں لے جایا جا رہا ہے اور مقصد کیا ہے بظاہر ہم مفتوح تھے۔ یہ خیال عام تھا کہ ہمیں قتل کر دیا جائے گا۔ فوجی ہمیں آپس میں کسی قسم کی گفتگو کرنے کا بھی موقع نہ دیتے۔ ان تین دنوں میں نہ کھانا دیا گیا نہ پینے کے لئے پانی۔ تین دن کی بھوک' پیاس اور وحشت نے ہم سب کو بے انتہا نڈھال کر دیا تھا۔ بجواڑہ اسٹیشن پر ہمیں اتارا گیا۔ یہاں سے بجواڑے کے پولیس تھانے لے جایا گیا مسلمانوں کی ذلت کا تماشا دکھانے کے لئے یہاں بھی قیدیوں کا جلوس نکالا گیا۔ قیدیوں کے اس جلوس کے دونوں طرف ہندو عوام کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے۔ اطراف فوج تھی۔ جلوس اس شان سے نکالا گیا کہ قیدیوں کو حکم تھا کہ وہ رکوع کی حالت میں سر جھکا کر چلیں جو ذرا سا بھی سر اوپر اٹھاتا اس پر ڈنڈے برستے۔ رکوع کی حالت میں چلانے کے علاوہ دوسرا ظلم یہ تھا کہ انہیں بھگاتے ہوئے لے جایا گیا اور اطراف سے عوام اور کناروں پر فوجی ڈنڈے برساتے ہوئے چلتے۔ کوئی جوتا دکھاتا کوئی تھوکتا کوئی پتھر پھینک کر مارتا۔ کناروں پر ڈنڈے کھانے سے بچنے کے لئے قیدی درمیان میں آنے کی کوشش کرتے۔ اس طرح دو میل تک لے جایا گیا۔ قیدی پہلے ہی نڈھال تھے اس جلوس نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ کئی قیدی گر کر بے ہوش ہو گئے۔ کئی کے سر پھٹ گئے خود میرا یہ حال تھا کہ سارے کپڑے پھٹ گئے اور پاجامہ تار تار ہو گیا اس عالم میں جلوس ختم ہوا پھر ایک وسیع میدان میں تیس تیس افراد کو دائرے میں بٹھا دیا گیا۔ جب قیدی پیاس سے تڑپنے لگے تو انہیں گندے جوہڑ کا گدلا پانی جس میں جانوروں کا پیشاب اور غلاظت بھری ہوئی تھی اور شدید بدبو اٹھ رہی تھی پینے کے لئے دیا گیا اور ساتھ ساتھ کہا جاتا کہ تم تو پیشاب پینے ہی کے لائق ہو...... اور بہت سے لوگ نے اس کو بھی تڑپ تڑپ کر پیا۔ کوئی آنکھ بند کر لیتا' کوئی ناک بند کر لیتا کوئی تکلیف وہ دوا کی

www.taemeernews.com

طرح پی جاتا۔ بلاشبہ دوزخ کے عذاب کی جو تفصیلات ملتی ہیں عین اس کے مطابق منظر تھا۔ مجھے بھی پانی دیا گیا مگر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے تشنگی کی برداشت عطا کی اور میں نے اس گندگی کو پینے سے انکار کردیا۔ اس کے بعد کھانا کھلانے کی باری آئی اس شان سے کھانا کھلایا گیا کہ تقریباً ایک اونس چاول پتوں میں دیا گیا جس پر دال کا پانی ڈالا ہوا تھا۔ اطراف سے فوجی سروں پر ڈنڈے برساتے جاتے کہ جلدی کھاؤ۔ ڈنڈے برستے جاتے اور قیدی کھانا کھاتے جاتے کہ کہیں اس سے بھی نہ رہ جائیں اور دو تین منٹ ہی میں انہیں کھڑا کردیا جاتا۔ میں تو نصف کھانا بھی نہ کھا سکا تھا۔ اس کے بعد واپس اسٹیشن لایا گیا۔ کپڑے پھٹ جانے کی وجہ سے ستر بھی باقی نہ رہ سکی تھی۔ میں نے ہاتھوں سے ستر چھپائی اور بیٹھے بیٹھے نماز پڑھ لی۔ اس صورت حال کو دیکھ کر ہمارے ایک سابق ملازم اخبار کے ہاکر نے دست بدست لنگی بھجوائی جس کو میں نے باندھ لیا...... یہاں سے ہمیں مدراس سے انتہائی جنوب میں گڈا لور کے مقام پر لے جایا گیا۔ جہاں تین ماہ اٹھارہ دن قید میں رہے۔ ان دنوں میں نہ نہانے کی اجازت تھی نہ کپڑے دھونے کی۔ صرف لنگی اور پھٹی ہوئی قمیض میں یہ دن گزرے۔ رہائی کے بعد واپس ورنگل گھر پہنچا تو معلوم ہوا کہ ہماری تینوں دکانیں اور گھر لوٹ لیا گیا ہے لیکن عورتوں اور بچوں کے ساتھ کسی قسم کی بدسلوکی نہیں کی گئی۔ حیدر آباد دکن کے دوسرے ضلعوں میں تو خاصی قتل و غارت گری کی گئی اور عصمتیں لوٹی گئیں لیکن ہمارے ضلع میں صرف مسلمانوں کو طرح طرح سے ذلیل کرنے کے منصوبوں پر عمل کیا گیا۔

○○○

ضلع ورنگل کی بہ نسبت علاقہ مرہٹواڑہ اور ضلع بیدر میں بھارتی فوجیوں اور ہندوؤں کے ہاتھوں مسلمانوں کی تباہ کاریاں نسبتاً" بہت زیادہ تھیں۔ ان علاقوں میں مسلمانوں پر پڑنے والی افتاد کے لئے ہم ذیل کی مطبوعہ تحریروں سے رجوع کرتے ہیں اور اولا" "مرہٹواڑہ کی خونیں داستان" پیش کرتے ہیں جسے ہم نے محمد علی خاں کی مختصر تصنیف "آزادی ہند کا تحفہ" مطبوعہ حیدر آباد ۱۹۹۰ء سے اخذ کیا ہے اور پھر "بیدر کا قتل عام"

www.taemeernews.com

پیش کررہے ہیں اس پر مصنف کا نام درج نہیں، لیکن یہ روداد "اردو ڈائجسٹ" (لاہور) میں ستمبر۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی ہے۔

www.taemeernews.com

مرہٹواڑہ کی خونیں داستان

محمد علی خاں

محمد علی خاں ۱۲ر جنوری ۱۹۲۳ء کو موضع بھوم، عثمان آباد میں پیدا ہوئے۔ تعلیم منشی، اردو عالم، اردو فاضل اور میٹرک تک حاصل کی۔ دفاتر کروڑ گیری (کسٹم)، کلکٹر آفس میں کام کرتے رہے۔ بھارتی قبضہ کے بعد فساد زدگان کی نمائندگی اور باز آباد کاری کے کام میں مصروفیت کی وجہ سے ملازمت ترک کردی۔ بعد میں وقف بورڈ مرہٹواڑہ میں انسپکٹنگ آفیسر کے طور پر کام کرتے رہے۔ ۱۹۶۲ء میں کل ہند مجلس تعمیر ملت سے وابستہ ہوئے۔ چنانچہ مسلم کش فسادات میں امدادی کاموں میں حصہ لینے کی وجہ سے سرکاری ملازمت سے نکال دیا گیا۔ آج کل "مجلس تعمیر ملت" (حیدر آباد) سے منسلک ہیں۔ "مرہٹواڑہ کی خونیں داستان" کے ضبط تحریر میں آنے کا سبب وہ خود یوں بیان کرتے ہیں:

"ایک عرصہ سے میرے دوست احباب کا اصرار تھا کہ "پولیس ایکشن" (نام نہاد) ۱۹۴۸ء کی خونیں داستان، اس سے قبل اور اس کے بعد کے تباہ کن واقعات پر مختصر طور پر ایک تاریخ لکھی جائے تاکہ سند رہے کہ خادم اور خادم کے رفقائے کار اس دور پرفتن کے ایک چشم دید گواہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۱۹۵۵ء اور ۱۹۶۵ء میں خادم کی گرفتاری عمل میں آئی۔ اس وقت پولیس کی جانب سے گھروں کی تلاشی میں بہت سا ریکارڈ تباہ ہوگیا۔ کچھ اعداد و شمار کے کاغذات ملا عبدالباسط، جو اس وقت ریاست حیدر آباد کے ریلیف کمیٹی کے معتمد تھے، اپنے ساتھ لے گئے، وہ آج نہیں رہے۔ معتمد ریلیف کمیٹی (ملا عبدالباسط صاحب کی قائم کردہ) اور ریاست حیدر آباد کی جانب سے سماجی باز آباد کاری کا سکریٹری اور جمعیت العلماء کا ناظم اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے میں نے تمام اضلاع و قصبات کا دورہ کیا ہے اور "پولیس ایکشن" (نام نہاد) اور اس کے بعد کے کاموں کا جائزہ بھی لیا ہے۔ اگر اس میں کسی قسم کی کمی رہ جائے تو اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔

www.taemeernews.com

مرہٹواڑہ کی خونیں داستان

محمد علی خان

ہندوستان کی آزادی کے بعد دیسی ریاستوں کے انضمام کا مسئلہ ملک کے لئے ایک کٹھن آزمائش بن گیا تھا کیونکہ انگریزوں کے اقتدار نے ہند کی آزادی کے ساتھ دیسی ریاستوں کو اپنی مرضی پر چھوڑ دیا تھا۔ جوں ہی آزادی کا اعلان ہوا حکومت ہند کی جانب سے دیسی ریاستوں کے انضمام کا سلسلہ زور پکڑنے لگا۔ عوام کا اصرار شدت کے ساتھ کہ دیسی ریاستوں کو حکومت ہند میں شامل کیا جائے جو شامل ہونے کے لئے رضا مند ہیں۔ بہت سی ریاستوں کے سربراہ انضمام کے خلاف تھے۔ اسی اثناء میں ریاست جونا گڑھ اور بھوپال نے ہند یونین میں شرکت کی۔ ریاست کشمیر کے ساتھ بہت ساری ریاستوں نے اپنی وحدت کو ختم کرکے انڈین یونین میں شرکت اختیار کرلی۔ اب ریاست حیدر آباد جو ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست تھی۔ جہاں مجلس اتحاد المسلمین کی تحریک نے آصفیہ حکمراں نواب میر عثمان علی خاں مرحوم پر دباؤ ڈالا کہ وہ انضمام کو قبول نہ کریں۔ اور ادھر اسٹیٹ کانگریس کے سربراہ سوامی رامانند تیرتھ نے ریاست کے انضمام کے لئے پوری ریاست میں تحریک سیول نافرمانی شروع کی۔ جس میں کروڑگیری کے ناکوں پر حملے اور پولیس چوکیوں پر حملے' مالگزاری نہ دینا اور حکومت کے ساتھ عدم تعاون کا اعلان شامل تھا۔

ادھر اتحاد المسلمین اور رضاکار تحریک نے ہر ضلع' تعلقہ جات کے مستقر پر اپنی کمیٹیوں کی تشکیل دینی شروع کردی۔ سرحدات پر پولیس کی چوکیاں اور فوج متعین کی گئی۔ اس وقت عثمان آباد ضلع کے کلکٹر محمد حیدر تھے۔ جو جری اور فرض شناس تھے۔

www.taemeernews.com

اندولن شروع ہوا۔ ہیڑ میں دامن راؤ وجے ڈاکٹر کی قیادت میں اور عثمان آباد میں پھول چند گاندھی کی قیادت میں توڑ پھوڑ اور نقصان کا آغاز ہوا۔ اب ان لوگوں نے سرحدات پر کروڑ گیری کے ناکہ جات' پولیس چوکیاں لوٹنا اور مسلمانوں کو لوٹنا اور قتل کرنا شروع کیا۔ اندولن چلانے والوں نے یونین کے قصبات میں اپنے کیمپ قائم کرلئے تھے عثمان آباد میں چنچولی بارسی تعلقہ کا جلہ وغیرہ میں اپنے مراکز قائم کئے۔ ادھر لودھے گاؤں' ناسم' ناکی تعلقہ شیوگاؤں ضلع احمد نگر میں مراکز قائم کئے۔ وہاں پر سے یہ علاقہ نظام کے قصبات میں داخل ہوکر نقصان پہنچا کر اور پھر اپنے مراکز کو لوٹ جاتے۔ لاتور سے مرج جانے والی پاسنجر ٹرین میں سفر کرنے والوں کو پانگری گھاٹ پر اتارا جاتا اور چنچولی کیمپ میں قتل کیا جاتا تھا۔ ادھر بیڑ ضلع کے تعلقہ گیورائی سیندھی کے درختوں کو کاٹنے کا سلسلہ بھی ان نقصانات کے ساتھ شروع ہوا۔ اس وقت حکومت نے سیندھی کے درخت جس مالک آراضی کی زمین میں تھے فی درخت ۶۰-۶۰ روپے جرمانہ کی رقم وصول کرنے کے سلسلے میں گنپت راؤ گرداور دھنے گاؤں آئے اور ناتھو جامنے کے مکان میں بیٹھے ہوئے تھے دھنے گاؤں سے ہند یونین کی سرحد کے درمیان صرف ایک نالہ تھا سینکڑوں کا ہجوم جئے جئے کا نعرہ لگاتا ہوا قصبہ میں داخل ہوا۔ اس وقت میں دھنے گاؤں میں ناکہ دار تھا۔ رات ۹ بجے تھے ایک دھنگر کے لڑکے نے مجھے اطلاع دی کہ ان کانگریسیوں نے گنپت راؤ پر حملہ کیا ہے اس کے بعد بابو راؤ پولیس پٹیل کی طرف حملہ کرنے والے ہیں۔ یہاں کے پولیس پٹیل صاحب راؤ کی مسلسل سازش کی وجہ سے میں نے انہیں تحصیلدار سے کہہ کر معطل کرایا تھا۔ اور بابو راؤ کو پولیس پٹیل بنایا تھا وہ ہم دونوں کے نقصان کے درپے تھے۔ اس کے ساتھ ہی میں نے بابو راؤ پٹیل سے ملاقات کی اور چکلہ البنہ جو (۷) میل دور ہے جہاں پولیس چوکی' پولیس اسٹیشن اور فوج بھی تھی۔ باجرہ اور جوار کے کھیتوں سے راہ فرار اختیار کی اس کا راستہ ہنوری سے تھا اور مجھے اندیشہ تھا کہ وہ میرا تعاقب اس راستہ سے ضرور کریں گے اس لئے یہ پگ ڈنڈی جو ناقابل گزر تھی مشکل سے جانا طے کیا۔ اللہ کی مدد شامل حال رہی۔ یہ طویل

www.taemeernews.com

راستہ بھاگتے ہوئے ایک گھنٹہ میں طے کیا۔

اس وقت سید ابراہیم صاحب دوم چوکیدار تھے جو نلدرگ کے متوطن تھے ملاقات کی صورت حال کو سامنے رکھا پولیس اور فوج کے ساتھ رات کے ۴ بجے دھنے گاؤں پہنچا تو معلوم ہوا کہ گنپت راؤ صاحب گرداور مال نے جن ہاتھوں سے سیندھی کے درختوں کے جرمانوں کو وصول کیا تھا ان کو کاٹ دیا گیا۔ پولیس اور فوج کی آمدورفت شروع ہوئی ایک روز ان کی عدم موجودگی میں ۴۰ کے قریب کانگریسی ناکہ پر حملہ آور ہوئے۔ عبداللہ اور عبود چاوش نے مجھے ان کے کھیت میں پناہ دی وہ ادھر ادھر دیکھ کر واپس ہوئے یہی حال تمام ناکہ جات کا تھا۔

مسلم آبادی کی کہیں نہ کہیں سے قتل و غارت گری کی اطلاع ملتی تھی۔

خادم نے میٹرک تک کی تعلیم کچھ بھوم اور کچھ عثمان آباد میں حاصل کی۔ ملازمت کی تلاش تھی۔ اس لحاظ سے درجہ دوم کی اہلکاری یعنی چوکیداری نوگاؤں پر تقرر عمل میں آیا۔ جو پٹن سے ۱۲ میل کے فاصلے پر گوداوری ندی کے کنارے واقع ہے۔ یہاں سے ۴ میل پر پھاڑادیسہ اسلم خاں اور مومن خاں دور رہیلوں کا بڑا زور تھا۔ ان کا کافی اثرورسوخ تھا۔ مگر ایک رات ان دونوں بھائیوں کو احمد نگر کے کانگریسی غنڈوں نے آکر ہلاک کیا۔ گھر لوٹا عورتوں کو لے کر فرار ہو گئے۔

ادھر سرحدی اضلاع میں مولوی سید قاسم رضوی صاحب صدر اتحاد المسلمین اور ان کے قائدین کے دورہ اور تقاریر جاری تھے۔ عثمان آباد میں مقامی رضاکاروں کی تنظیم بھی زوروں پر تھی۔ یہ دور پولیس ایکشن سے چھ ماہ قبل کا تھا یہاں پر بھی سرحدات سے تباہی کی اطلاع ملتی تھی سرحدات پر پولیس اور فوج کے ساتھ پٹھان بھی متعین تھے۔

شہری محافظین کا قیام

حکومت حیدرآباد نے سرکاری ملازمین پر مشتمل جن میں عہدہ داران بھی شامل تھے۔ شہری محافظین کا قیام عمل میں لایا۔ روزانہ پریڈ ہوتی اس تنظیم کا صدر خادم

www.taemeernews.com

کو مقرر کیا گیا۔ یہ سلسلہ پولیس ایکشن کے دو روز قبل تک جاری رہا اس وقت عبدالستار سجانی پڑسالی پر صدر مدرس تھے۔ اس اثناء میں ماہ جون میں شولاپور سے ذریعہ بس موضع نانج جو سرکار عالی کا سرحدی موضع تھا بس سے اتر کر جوں ہی پٹرسانی پہنچے جو وہاں سے دو میل کے فاصلے پر تھا شولاپور کے غنڈہ عناصر نے اس پکیمپٹ پر حملہ کیا جس میں دو کانسٹیبل مارے گئے۔ یہ لوگ ہتھیار لے کر بھاگ گئے یہ اس علاقے کا پہلا حملہ تھا۔ اگر عبدالستار سجانی کچھ دیر یہاں ٹھہرتے تو زندہ بچ کر نہیں آسکتے تھے۔ اس واقعہ کو دو ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ اگست ۱۹۴۸ء میں شولاپور کی پولیس اور مقامی لوگوں نے نانج پر اچانک زبردست حملہ کیا۔ اسی دوران قیام امن کے تحت محکمہ تعلیمات کے ذریعہ ایک اسکیم کے تحت دونوں فرقوں میں اتحاد قائم رکھنے اور بدامنی کو دور کرنے کی خاطر عبدالستار سجانی اور مبارک صاحب صدر مدرس کو ۱۵ دن کے لئے مقرر کیا گیا اور دوروں میں مقامی پولیس بھی ساتھ دی گئی اور ہر دیہات میں قیام امن کی کوشش کی گئی۔

قصبہ نانج جو تعلقہ تلجاپور میں بارسی شولاپور روڈ پر سرحدی حیثیت رکھتا تھا۔ سڑک کی دونوں جانب سرکاری علاقہ بند تھا اس حصے کو منقطع کرنے کی کوشش بھارت سرکار کے کانگریسیوں نے کی تھی۔ جس کے سربراہ شری پھولچند گاندھی تھے اور کانگریس ضلع کے صدر تھے اور ان کیمپوں کو چلاتے تھے۔ شولاپور بارسی 'نہر کھیڑہ چنچولی' کا جلہ وغیرہ پر قائم تھے چونکہ نانج پر حملہ ضروری تھا۔ ماہ جولائی ۱۹۴۸ء میں شولاپور کی مقامی پولیس ریزو فورس اور کیمپ کے غنڈہ عناصر نے اچانک صبح ۸۔۹ بجے حملہ کردیا۔ جو دو گھنٹے تک جاری رہا۔ ۴۔۵ آدمی ضائع ہوئے آخر وہاں کے مسلمانوں نے قصبے سے تخلیہ کرکے ریاست حیدرآباد کے اکثریتی مسلم آبادی کے قصبات میں سکونت اختیار کی اس وقت عبدالستار سجانی بغرض وصول تنخواہ پیدل تاملواڑی گئے تھے۔ اور نانج چھوڑنے کے کچھ دیر بعد ہی یہ واقعہ عمل میں آیا اس حملے کے بعد ۶۰ دیہات حکومت حیدرآباد سے کٹ کر رہ گئے۔

اس ۶۰ گاؤں کے ملازمین سرحت پیری میں ۱۵ روز تک پناہ گزین رہے۔ مکان بڑا

www.taemeernews.com

محفوظ تھا بارسی کے غنڈوں کے برابر حملے ہوتے رہے۔ اس وقت رام راؤ صاحب پولیس انسپکٹر تھے ۱۵ روز گزر گئے عبدالستار صاحب نے اور ان کے مددگار کے ذریعے تحصیلدار پرینڈہ کو اطلاع دی انہوں نے کلکٹر صاحب کو اطلاع دی محمد حیدر صاحب کلکٹر عثمان آباد نے کلکٹر صاحب شولاپور سے رابطہ قائم کرکے پولیس کے ذریعے محصورہ ۱۵۰ ملازمین سرکار کو جن میں عبدالستار صاحب سبحانی بھی تھے حفاظت سے پرینڈہ لایا گیا پولیس ایکشن سے قبل یہ سب سے بھیانک اور گھمبیر واقعہ تھے----

پولیس ایکشن کی خونیں تاریخ کا آغاز

ادھر مسلمان مجلس اتحاد المسلمین کی قیادت پر بھروسہ کرکے کہ کہیں سے مدد آئے گی اور یہ برے دن نکل جائیں گے' آس اور امید پر ایک ایک دن کاٹ رہے تھے۔ فوجیوں نے بھی جو مدد کے لئے آئے تھے اپنی گفتگو کا طریقہ بدل دیا اور ہمارے شہری محافظین کے دستہ سے کہنا شروع کیا کہ ہم آپ کی مدد نہیں کرسکتے۔ آپ کو ہی اپنی حفاظت آپ کرنا ہے۔ اس وقت حبیب العیدروس فوج کے سپہ سالار تھے۔ ۱۱ر ستمبر ۱۹۴۸ء کو اطلاع ملی کہ سرحدات پر انڈین یونین کی فوج جمع ہورہی ہے اور حملہ کا خطرہ پیدا ہوچکا ہے مسلمانوں میں خوف و ہراس کی فضا پیدا ہوچکی تھی اور کچھ خاندان ترک وطن پر مجبور ہوئے۔ ۱۲ر ستمبر ۱۹۴۸ء میں ٹاؤن ہال میں کلکٹر ضلع محمد حیدر صاحب تمام عہدہ دار اور ہم لوگ وہاں موجود تھے فوج حکومت ہند کی شولا پور کے راستہ سے داخل ہورہی ہے۔ ادہر واسی سے برابر اطلاع مل رہی تھیں کہ فوجیں کوچ کررہی ہیں ہمارے سامنے کی بات ہے۔ کلکٹر صاحب ان کے خسر دین یار جنگ کو فون کررہے تھے کہ ہم کو دفاع کی اجازت دو مگر ہر وقت جواب آرہا تھا کہ واپس آجاؤ۔ چنانچہ انہوں نے اور فوج نے واپس جانے کی تیاری کی۔ اس وقت خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے میں نے کہا کہ یہ لوگ تو قریب میں آگئے ہیں راستہ میں آئے تو ہم ان کا راستہ روک سکتے ہیں۔ مگر گڑھ کے راستے سے اور نالے کے ذریعہ وہ گاؤں میں داخل ہوئے تو ہم کو اطلاع بھی نہیں

www.taemeernews.com

ہوسکتی اور عثمان آباد تباہ ہوسکتا ہے انہوں نے ۳۰۹ فوجیوں کو ہمارے ساتھ دیا جس میں واسی کے سلامت اللہ خان بھی تھے۔ ۳ گھنٹے کا پہاڑی چکر کاٹ کر جب ہم لوگ واپس آئے تو فوجیوں کے کیمپ خالی پڑے تھے۔

کلکٹر صاحب اور فوج واپس حیدر آباد ہوچکی تھی ایک سناٹا تھا دیگیں کھانا پک کر پڑی ہوئی تھیں کوئی کھانے والا نہیں تھا۔ جب ہم مکان واپس آئے تو عام گھبراہٹ تھی۔ مولوی احمد خاں مرحوم پبلسٹی آفیسر تھے مجھے مشورہ دے رہے تھے کہ اپنے بیوی بچوں کو لے کر نکل جاؤ۔ وہ میرے عزیز تھے میں تیار نہیں ہوا اور وہ میرے بیوی بچوں کو لے کر نکل گئے۔ میری نسبتی بھائی اسماعیل کی لاری کے ذریعہ رات جوں توں جاگتے میں گزری۔ شہر عثمان آباد میں کہرام مچا ہوا تھا۔ ۱۳ر ستمبر ۱۹۴۸ء کا سورج طلوع ہوا تو کربلا کی آمد کی اطلاع دے رہا تھا۔ پورا شہر سنسان تھا۔ سڑکیں خالی پڑی تھیں بہرحال کچھ لوگ نیلنگہ اور آوسہ کی طرف روانہ ہوئے اس کے باوجود ۹۰ فیصد مسلم عثمان آباد میں آباد تھے۔ اپنی تقدیر کے انجام کے منتظر تھے۔ ۱۱ بجے تھے میں اور مقبول احمد خاں فوجی کیمپ پہنچے وہاں کوئی نہیں تھا کچھ فوجی تلجاپور سے راہ فرار اختیار کرکے واپس ہورہے تھے تو انہوں نے بتایا کہ انڈین یونین کی فوج نلدرگ اور تلجاپور پر حملہ کرکے عثمان آباد کے قریب آگئی ہے۔ بعد میں ہم واپس ہوئے۔

مقبول احمد خاں نے اپنے مکان اور میں نے درگاہ شریف کے نقار خانہ میں پناہ لی۔ اس مقام سے فوجیوں کی آمد نظر آرہی تھی کچھ ناعاقبت اندیش مسلمان اپنی فوج آرہی ہے سمجھ کر استقبال کے لئے پہنچے اور گولیوں کا نشانہ بنے۔ لاشیں بے گوروکفن پڑی رہیں۔ اوسہ کے راستہ سے کچھ خاندان فرار ہوگئے تھے ان میں کچھ معزز حضرات اور شہری ہلاک ہوئے۔

پولیس ایکشن میں تلجاپور کی تباہی

۱۳ر ستمبر ۱۹۴۸ء کو تلجاپور پر حملہ ہوا۔ بمباری شروع ہوئی صبح اذان کے ساتھ

www.taemeernews.com

اس کے بعد وہاں نظام کی فوج مداخلت کررہی تھی گوڑہ گاؤں اور شولاپور سے جو ملٹری آئی تھی انہیں گھاٹ پر چڑھنا مشکل کردیا تھا ٹھیک ۱۱ بجے دن نلدرگ سے انڈین یونین کی ملٹری آئی اور گوڑہ گاؤں سے ایک فرلانگ پر ٹھہری۔ عربوں کا خیال ہوا کہ یہ نظام کی فوج ہے اس لئے وہ استقبال کے لئے روانہ ہوئے۔ ان پر گولیاں اور گولہ باری شروع کی اس کے بعد تلجاپور کے مسلمان جن میں قربان حسین صاحب مرحوم کا قبیلہ تھا' خورشید احمد گتہ دار شامل تھے ان لوگوں نے تلجاپور ناکے سے اوسہ کی طرف روانہ ہوئے لیکن ان پر بھی انہوں نے گولہ باری شروع کی۔ ان لوگوں کی لاری جس میں سفر کررہے تھے تیز رفتار تھی کوئی نقصان نہیں ہوا۔ پیچھے ملٹری ٹرک تعاقب کررہے تھے ہم نے خود تلجاپور میں جام کے باغ میں روپوشی اختیار کی۔ ہم کو وہ نہ پاکر واپس ہوئے اس کے بعد گاؤں میں کچھ ہندو جو اس قبیلہ کے اثر میں تھے آکر اطلاع دی کہ تلجاپور میں قتل عام ہو رہا ہے فوری بھاگ جاؤ۔ وہاں سے یہ لوگ روانہ ہوئے ٹرک کا پٹرول کنگرہ کے قریب ختم ہوا۔ کنگرہ کے لوگوں نے بیل بنڈی کا انتظام کیا جس کے ذریعے چنچولی مقام پر پہنچے وہاں پر قیام رہا وہاں قربان حسین کی بڑی لڑکی کی زچگی ہوئی۔ لڑکی لاڈو پیار سے پلی تھی اس لئے قربان حسین نے آگے سفر ملتوی کردیا۔ دو یوم کے بعد یہ قافلہ اوسہ پہنچا۔ اوسہ مکمل طور پر خالی تھا سب لوگ راہ فرار اختیار کرگئے تھے۔ امداد علی پٹیل جو ان کے رشتہ دار تھے اپنے رشتہ دار جو جنونی میں مقیم تھے وہاں جاکر مقام کیا۔ ایک ہفتہ مقیم رہے اوسہ سے ہر روز غنڈہ عناصر چھیڑ چھاڑ کے لئے آتے۔ اس کے بعد اوسہ سے ایک تنبولی کو روانہ کیا اور کہا کہ اب امن ہے اب تمام لوگ اوسہ آسکتے ہیں۔ اس طریقہ سے کہہ کر پٹیل کو راضی کیا ہم سب اوسہ کے لئے روانہ ہوئے جیسے ہی یہ لوگ اوسہ کے قریب پہنچے ۸ تا ۱۰ ہزار غنڈوں نے راہ کو روکا۔ اس کے بعد ایک دو غنڈوں کو مصالحت کے لئے ان کے پاس روانہ کیا۔ امداد علی پٹیل سے کہا گیا کہ اب امن ہوچکا ہے آپ کے تمام رشتہ داروں کو ان کے مقامات پر روانہ کردیں گے جو بھی ہتھیار ہو وہ ہمارے حوالے کردو۔ چنانچہ امداد علی پٹیل' مقصود احمد' نعیم احمد مل کر ان غنڈوں کے

www.taemeernews.com

لیڈروں سے بات چیت کرنے ان کے اجتماع میں گئے بات چیت میں طے ہوا کہ ہتھیار دینے کے بعد کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ اس اعتماد پر ہتھیار دیدیئے گئے۔ ہتھیار لیتے ہی فوراً" امداد علی پٹیل کو بڑی بیدردی سے قتل کردیا گیا۔ پہلے پیر توڑ دیئے بعد میں ہاتھ اور اس کے بعد قتل کردیا اس کے بعد تلجاپور کے لوگوں پر حملہ آور ہوئے۔ اس میں فہیم الدین، مقصود احمد پر پہلے حملہ ہوا اس وقت ان کے بھائی ایوب احمد ان کے چچا قربان حسین صاحب مت مارو کہہ کر ان کے جسم پر گر گئے اس کا کوئی انہیں ملال نہیں ہوا اور ان کو بھی مارنا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر مقبول احمد بشیر احمد، محی الدین جان بچانے کے لئے ان کے جسم پر گرے ان کو بھی مارنا شروع کیا یہ دیکھ کر اسحاق صاحب ضعیف العمر فضل حسین صاحب درمیان میں چھڑانے کی کوشش کی ان کو بھی قتل کیا گیا۔ اس کے بعد محمد حسین صاحب عرف چندو لعل وہ بھی درمیان میں گئے تو ان کو بھی مارنا شروع کیا وہ لوگ پورے کے پورے قتل کئے گئے۔ اس کے بعد کچھ غنڈوں نے بیل گاڑی کو لوٹنا شروع کیا تو تمام مجمع بیل بنڈیوں کے طرف لپکا اتنے میں پلایا مہاراج (ان کے ڈنڈی کا انتظام جب کہ تلجاپور سے پنڈھرپور جاتی تھی، اس قبیلہ کے لوگ کرتے تھے)۔ ان کو جب اطلاع ملی تو فوراً" وہاں پر گھوڑے دوڑایئے اس وقت لوٹ چل رہی تھی فوراً انہوں نے لوگوں کو روکا کہ یہ سب میرے لوگ ہیں تم لوگ فوری چلے جاؤ۔ وہ لوگ چلے گئے اس لئے ان کی بیگمات غیاث الدین اور شیخ سیٹھ ساتھ لے کر اوسہ روانہ ہوئے اور خود پلایا مہاراج ساتھ تھے۔ وہاں پر عبداللطیف صاحب کا مکان تھا وہ کانگریس میں کام کرتے تھے۔ وہاں انہوں نے ان کو چھوڑا اور پولیس کو اطلاع دی کہ اس گھر پر غنڈے حملہ نہ کریں۔ گڑبڑ میں ممتاز احمد منظور احمد، الیاس احمد، مسعود احمد یہ لوگ کہیں بھاگ گئے آج تک پتہ نہیں۔ اس کے بعد خورشید احمد گتہ دار، صادق احمد، جنید ماموں، وحید احمد یہ لوگ نیلنگہ چلے گئے اس کے بعد نیلنگہ میں ۴-۵ روز کے بعد اچانک ایک ہوائی جہاز انڈین یونین ملٹری کا شہر پر پرواز کرتے وقت مسجد کے مینار سے ٹکرایا اور تحصیل کے سامنے جاگرا اتنے میں تحصیلدار فوراً" ہوائی جہاز کے قریب جاکر اس کے

www.taemeernews.com

عملے وملٹری کو کہا کہ یہاں پر امن ہے آپ ہمارے ساتھ چلیں۔

تحصیلدار صاحب ملٹری کے آفیسر کو لے کر تحصیل آفس میں گئے طعام کے بعد انڈین یونین کے ملٹری کے لوگوں نے تحصیلدار سے دریافت کیا کہ یہاں پر کافی رضاکار جمع تھے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک محلّہ کے پوری دوکانوں کو جلایا گیا ہے تحصیلدار نے کہا کہ کہیں بھی کچھ نہیں ہوا۔ ا۔ ۲ سال پہلے کچھ دکانیں وغیرہ جلا دیئے گئے تھے اور اب بہت امن ہے۔ اور جو لوگ باہر سے آئے انہیں پناہ دیئے ہوئے ہیں آپ خود معائنہ کرسکتے ہیں۔ چنانچہ ملٹری کے آفیسر اور تحصیلدار اس محلّہ کا معائنہ کئے تو ان کو یہ بات جھوٹ معلوم ہوئی۔ فوراً" تمام مسلمانوں کو بلوا کر یہ کہا گیا کہ آپ لوگ ۲ روز قیام کرو۔ ہم ملٹری لے کر آنے کے بعد آپ کے تمام لوگوں کو آپ کے مقامات پر روانہ کریں گے۔ ملٹری آنے والی ہے سن کر مسلمان بہت گھبرائے اور جس کو جہاں جانا تھا نکل پڑے۔ اس میں خورشید احمد گتہ دار وغیرہ اوسہ کے لئے روانہ ہوئے تو ان کو اوسہ پر پولیس اسٹیشن پر دو دن روک دیا گیا اس کے بعد اس قافلہ میں مظفر حسین صاحب بھی تھے ان لوگوں کو بیدردی سے پولیس والے اور ملٹری والوں کے جوانوں نے مارنا شروع کیا دو دن کے بعد ایک ملٹری کا آفیسر فوراً" ان کو چھوڑنے کے لئے حکم صادر کیا۔ لیکن ہم لوگوں نے اس سے استدعا کی کہ اگر آپ کو چھوڑنا ہے تو ہم کو پولیس بندوبست کے ساتھ لاتور پہنچایا جائے تاکہ غنڈے نقصان نہ پہنچائیں۔ چنانچہ اس طرح انتظام کے ساتھ لاتور روانہ کیا گیا۔ دھرم شالہ جہاں ان لوگوں کے اہل خانہ اور ایک روز قبل پہنچے تھے وہاں سے بذریعہ ریل ایڈ ی آئے اور بس کے ذریعہ تلجاپور روانہ ہوئے۔ بس کا ڈرائیور بابو راؤ تھا۔ اس نے بڑی مدد کی۔ تلجاپور پہنچنے کے بعد پولیس کے لوگ ان لوگوں کو پولیس اسٹیشن لے گئے اور ہندوؤں نے پولیس انسپکٹر سے کہا کہ یہ سب لوگ رضاکار ہیں تلجاپور میں بھیا کی ہوٹل تھی۔ اس کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ فوراً" پولیس اسٹیشن آیا اور پولیس انسپکٹر سے کہا کہ یہ سب ہندو جو کہہ رہے ہیں سب جھوٹ ہے ان کی وجہ سے ان کی عورتوں کی عزت بچی۔ ہندو چلے گئے اس کے بعد ان لوگوں کو جن کے

www.taemeernews.com

تمام مکانات لوٹے اور جلادیئے گئے تھے ایک مکان میں جو برہمن کے مکان کے بازو تھا مقیم ہوئے۔ پولیس کا بندوبست ہوا ان لوگوں سے ۲۔۳ دن تک کسی نے بات نہیں کی۔ بعد میں کچھ ہمدرد آکر ملنا شروع ہوئے۔ اور جوار گیہوں وغیرہ دینا شروع کیا۔ کچھ دنوں یہ لوگ شہر میں گھومنا شروع کیئے۔ شہر میں کوئی بات نہیں کرتا۔ غنڈے اکڑ کر سامنے سے گزرتے ایک سال کے بعد حالات تبدیل ہوئے اور یہ لوگ بھی کچھ کاموں کے طرف متوجہ ہوئے۔ اللہ کے فضل سے ایک سال کے بعد حالات بدل گئے۔ وہی غنڈے جو لوٹ میں حصہ لیتے تھے اب ان کے پاس کچھ مانگنے آتے تھے ان کی بھی ان لوگوں نے مدد کی۔ خورشید احمد گتہ دار اس وقت عثمان آباد میں اپنے کنبہ کے ساتھ مقیم ہیں ان کا شمار ممتاز لوگوں میں ہوتا ہے۔

پولیس ایکشن سے قبل سیدہ خیرالنساء عرف اسماعیل بھورے نانی ماں سرکار" جن کا آستانہ نلدرگ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے محترمہ کی خدمت خادم نے کوئی ۲۰ سال سے زائد کی۔ وہ یہ دیکھ کر میسرم کو روانہ ہوئے کہ اب یہاں دنگا ہونے والا ہے۔ عثمان آباد درگاہ شریف کے مغرب کی جانب سے کچھ فوجیوں نے مورچہ بنا کر درگاہ شریف پر فائرنگ شروع کردی کچھ سامنے کے راستہ سے آئے۔ ہزاروں کی تعداد میں فوجی غازی گلشن اطفال کے سامنے سڑک سے شہر میں داخل ہوئے کچھ تلجا پور روڈ سے آگے بڑھے اس طرح عثمان آباد کی جانب سنگولی روڈ سے فوج نے شہر میں داخل ہونا شروع کیا۔

شہر عثمان آباد موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا تھا اور بمباری کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ چیخنے اور رونے کی آوازیں سنائی دیں۔ ابتداء میں میرے ساتھی مقبول احمد خاں مکان کی چھت پر فائرنگ کا شکار ہوئے درگاہ شریف پر فائرنگ میں ولی خاں نقارخانہ میں شہید ہوئے۔ بشیر احمد صاحب کے پیر میں گولی لگی اور زخمی ہوگئے۔ ایک گولی میرے گھٹنے کو چھوتی ہوئی گزری درگاہ شریف میں بیسویں خاندان پناہ گزین تھے۔ اس حالت میں میں نے درگاہ میں پناہ لی۔ درگاہ شریف پر بم پھینکا گیا اللہ کی شان کہ ایک

www.taemeernews.com

کنگرہ کے سوائے درگاہ کا کوئی نقصان نہ ہوا۔ آخر فوجی درگاہ شریف میں داخل ہوئے ہم کو گرفتار کرکے درگاہ کے سامنے لایا گیا ہم سے پوچھ تاچھ شروع ہوئی۔ ہم نے انہیں بتلایا کہ ہم کو کچھ نہیں معلوم۔ ان کے پاس ایک فہرست تھی جس میں عثمان آباد کے سربرآوردہ مسلمانوں کے نام تھے۔ ان کے مکانوں کی نشاندہی کے لئے کہا گیا اسی صورت میں آپ لوگوں کی جان بخشی کی جاسکتی ہے ہم نے لاعلمی کا اظہار کیا اس وقت تک فوجیوں نے کانگریسیوں کی مدد سے پورے شہر پر قبضہ کرلیا تھا۔ کوئی دس ہزار کے قریب مرد، عورتیں، بچوں کو گھیراؤ کرکے قدیم بس ڈپو کے پیچھے لایا گیا۔ ہم کو بھی وہیں لایا گیا۔ مگر میں نے پیشاب کے بہانے ان سے نجات حاصل کی۔ تمام رات وہاں گڑھے میں محصور رہا کسی کا کسی کو پتہ نہیں تھا وہاں پر معلوم ہوا کہ خادم کی بیوی اور بچے اسی گڑھے میں ہیں۔ ادھ را شہر خالی ہوچکا تھا۔ قتل عام اور لوٹ عمل میں آچکی تھی۔ جو ملا قتل کیا گیا۔ کربلا کا منظر بنا ہوا تھا۔ رات یہاں پر گزارنے کے بعد فہرست کے بموجب نام لے کر پکارا گیا کچھ قتل ہوئے کچھ گرفتار کرکے ہلگام جیل منتقل کیا گیا۔ یوں تو قتل عام تھا مگر یہاں کے معزز شہریوں کو بھی قتل کیا گیا۔ غلام جیلانی صاحب وکیل اپنے خاندان کے ساتھ اوسہ چلے گئے وہ ادھر مارے گئے۔ کوئی وکیل کوئی تاجر، کوئی لیڈر باقی نہ رہا رضاکاروں کے نام پر ۸۰ فیصد مسلمانوں کا قتل عام ہوا ۴ بجے کے قریب ہمارے قافلہ کو گھیراؤ کے ساتھ جیل منتقل کیا گیا شام جوں توں وہاں گزاری دوسرے روز جب گھر واپس آئے تو گھر میں کچھ باقی نہ تھا۔ میرے والد بھوم میں تھے ان کی خبر نہ تھی عبدالستار صاحب وا سی میں تھے ان کی کوئی اطلاع نہ تھی نہ ان کو خادم کی۔ میرا بھائی انور خان اوسہ بھاگ گیا تھا میں نے ان کے خسر شیخ احمد صاحب کے ساتھ درگاہ شریف اور اس کے میدان میں تلاشی شروع کی سینکڑوں لاشیں جو پڑی ہوئی تھیں کیڑے کھا رہے تھے۔ لاشوں کی شناخت مشکل تھی اور اسی طرح قتل و غارت گری کا سلسلہ دو ہفتہ تک جاری رہا۔ عثمان آباد، جنوتی، ہمبلی، تیر، ڈھوکی، پلسپ، ناکی، نلدرگ، کاٹی، ساور گاؤں، تاملواڑی، ہنکرگہ، سلگرہ، پور گاؤں، الود، بیلم، جوام، گنجوٹی، تروری، نند گاؤں، کیسے

www.taemeernews.com

گاؤں، جلکوٹ، لوہارہ، مارڈی، شاستور، ماکھنی، ایلینے گاؤں، توگاؤں، اوسہ، نیلنگہ، رانجنی کلم، موہاکھا، سواڑی، تیر کھیڑہ، سراڈھون، لاتور، واسی، اینٹہ، بھوم شیخاپور، نسکو، جولہ نظام الدین، کلم، اودگیر دیونی، بھالکی، آورلاد کے ہر قصبے، دیہات میں یہ خونی بازار گرم تھا مکان لوٹ لیئے گئے۔ گرائے گئے۔ مساجد، درگاہوں، عاشور خانہ قبرستان کو منہدم کیا گیا بعض مندر بنائے گئے۔ بعض پر قبضہ ناجائز عمل میں لایا، پرنڈہ، مانکسر، اور بھوم واسی کو یہاں کی اطلاع نہ ملی واسی میں ۲۲ر ستمبر کو اور بھوم میں ۲۷ر ستمبر کو قتل و غارت گری اور لوٹ عمل میں آئی۔

قصبہ مانکسر تعلقہ پرینڈہ میں ہلاکتیں اور لوٹ

ضلع عثمان آباد کا ایک قصبہ مانکسر ہے جو پرینڈہ تعلقہ میں واقع ہے اور بارسی سے ۱۰ میل کے فاصلہ پر ہے اب سڑک کی تعمیر کی وجہ سے بسوں کی آمد و رفت جاری ہے۔ ۸ ہزار کے لگ بھگ آبادی میں مسلمان ۳۰ فیصد ہیں زیادہ تعداد میں آج بھی موجود ہیں ایک درگاہ حسن بن طیبؒ قادری کی موجود ہے یہاں پر اس قصبہ میں ۷۵ فیصد تعداد عربوں کی ہے پولیس ایکشن سے قبل یہاں کے تمام مسلمانوں کی مادری زبان عربی تھی۔ رہن سہن، رسم و رواج خالص عربوں جیسا تھا میرا بچپن کا اکثر حصہ یہاں گزرا ہے مانکسیر میں داخل ہونے کے بعد ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عربستان کا ایک حصہ کٹ کر یہاں آیا ہے۔ یا یوں کہئے کہ وہ اسلام آباد تھا۔ مرہٹواڑہ کے تمام اضلاع میں زیادہ تر عرب اسی مقام پر تھے۔ یہاں پر حبیب سالم، سالم جاگیردار، حبیب یاسین، شیخان، سید حبیب طاہر، حبیب عبدالقادر، سید حبیب موسیٰ صاحب قادری، سید غفار قادری سجاد گان درگاہ اور کئی نامور شخصتیں موجود تھیں قرآن کی صحیح تعلیم و تربیت یہاں پر ہوتی تھی مگر پولیس ایکشن میں ہرا بھرا چمن ظالموں نے اجاڑ دیا۔ عام لوٹ عمل میں آئی مکانوں کا انہدام بھی عمل میں آیا۔ حبیب سالم حبیب موسیٰ، سالم جاگیردار اور سینکڑوں لوگوں کا قتل عام جانوروں کی طرح کیا گیا۔ درگاہ شریف کی مزار کھود دی گئی قبرستان کو مسمار کیا

www.taemeernews.com

گیا۔

مسجد اور قبرستان کی مٹی اور پتھروں سے ایک بڑا مہا دیو کا دیول (مندر) تعمیر کیا گیا جو ابھی باقی ہے۔ غیر آباد حالت میں یہ دیول بھی مسلمانوں کی جگہ میں تعمیر کیا گیا ہے اس کی جانب شمال میں جاگیرداروں کے قبرستان اور ایک روضہ اور ایک مسجد کو منہدم کر کے اور قبرستان کے پتھروں سے اس مندر کی تعمیر کی گئی تباہی کا سلسلہ تقریباً ایک سال تک جاری رہا بعض عرب و مسلم خاندان اپنے تحفظ کے لئے فروس تعلقہ کھیڑ ضلع رتنا گیری ورائے گڑھ میں منتقل ہوئے جس میں معزز شخصیت سید حسین صاحب' عرف عبداللہ حسینی بھی تھے' بعض حیدر آباد' بعض بمبئی اور بعض اطراف و اکناف میں منتقل ہو گئے۔ یہاں سے پانچ میل پر جو کہ نظام الدین قصبہ موجود ہے یہاں پر بھی کچھ عرب خاندان موجود تھے عام مسلمانوں کے ساتھ ان کا بھی قتل ہوا جس طرح ضلع عثمان آباد میں مورم سب سے زیادہ تباہ ہوا تو تعلقہ پرنڈہ میں مانکسر یہاں سے ۴ میل کے فاصلہ پر واقع قصبہ شیخا پور میں کچھ غنڈوں نے مسلمانوں کو شہید کیا۔

اس وقت عبدالستار سبحانی صاحب واسی میں تھے انہیں بارسی سے آئی ہوئی پولیس نے شوٹ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن آفیسر نے روکا اور گرفتار کر کے ہلگام جیل لے جایا گیا۔ بھوم میں میرے والد محمد عیسیٰ خان' بہنوئی محمود صاحب' چچا محمود خاں' خالو کریم بیگ' اور ان کے دو بھائی غفور بیگ' اور عزیز بیگ شہید کئے گئے' عالی شان مکان جلایا گیا' خادم کے بھائی اسد اللہ خاں' کو گرفتار کر کے ہلگام لے جایا گیا۔ جانوروں کو جس طرح ذبح کرتے ہیں اسی طرح رسیوں سے باندھ کر گاؤں کے باہر لے جاتے اور ذبح کرتے۔ بہرحال پولیس ایکشن میں ضلع بیدر اور عثمان آباد سب سے زیادہ ہلاکت و تباہی کا شکار ہوئے عثمان آباد میں موروم میں قتل عام زیادہ ہوا۔ ایک ہزار کے لگ بھگ لوگ اس گاؤں میں شہید ہوئے۔ ایک اندازہ کے تحت ۱۰ ہزار بیوگان ان سے زیادہ یتیم ۶۰۰ سو کے قریب مساجد درگاہیں جن پر ناجائز قبضہ ہے ہلسب دھوکی' بجلیٹاکی میں بڑی تباہی و قتل ہوا۔ سید مصطفیٰ ہاشمی' مبین احمد نے ریلیف کے کاموں میں بڑی مدد کی۔

www.taemeernews.com

ایمان کی پختگی کا ایک واقعہ

محمد مظفر حسین صاحب وظیفہ یاب پولیس جمعدار اپنے کنبے کے ساتھ اوسہ میں مقیم تھے اوسہ میں اچوت راؤ جمعدار نے نشاندہی سکھ فوجیوں سے کی کہ یہ رضاکار ہیں انہوں نے پولیس اسٹیشن میں طلب کیا اور کہا کہ تم رضاکاروں کے صدر معلوم ہوتے ہو۔ شیروانی اور ٹوپی نکال کر جلا دی اسی وقت حجام کو بلوا کر کچھ لوگوں کی ڈاڑھیاں نکالی گئی ان سے بھی ڈاڑھی نکالنے کے لئے کہا گیا انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ جان بھی جائے تو داڑھی نہیں نکالوں گا۔ سکھ پہرہ دار نے شوٹ کی دھمکی دی۔ آپ نے سینہ تان کر کلمہ پڑھا اور سامنے جا کھڑے ہوئے اس کے بعد کیپٹن صاحب کو بلایا گیا انہوں نے بھی دھمکی دی جو سکھ تھے اور کہا شوٹ کردو۔ ملٹری کے دو جوانوں کو حکم دیا دو جوانوں نے انہیں اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا کچھ قدم چلنے کے بعد پھر واپس بلوایا اور پوچھا کہ تم ڈاڑھی کیوں نہیں منڈواتے تو آپ نے کہا کہ ہمارے مذہب میں ڈاڑھی رکھنا فرض ہے تو کہا کہ گاندھی جی کی جئے بولو آپ نے کہا نہیں تو لوگوں نے کہا یہ دیوانہ ہے یا پاگل ہے چھوڑ دیا۔

اس کے بعد وہ عثمان آباد میں پھولچند گاندھی کے کمرے میں لے جائے گئے رات دس بجے تک پوچھ گچھ رہی اور پھر چھوڑ دیا۔ اس وقت اوسہ کے ۱۰۸ لوگ بھی کمرہ میں بند تھے۔ معلوم ہوا کہ دوسرے روز ان تمام کو قتل کیا گیا۔

کچھ ایام کے بعد اعلان ہوا کہ جو لوگ ملازم سرکار ہیں اپنی ڈیوٹی پر رجوع ہوجائیں۔ ۳۱ر ۱۲ر آخری تاریخ کا اعلان کیا گیا۔ خادم تو آسانی سے رجوع ہوا مگر ہزاروں لوگوں کو اس راہ میں دشواریاں اٹھانی پڑی۔ کلکٹر صاحب کے رجوع خدمت کی درخواست دینے پر وہ ایس پی صاحب کے پاس رائے کے لئے روانہ کی جاتی آیا وہ رضاکار ہیں یا نہیں جواب آنے پر رجوع کیا جاتا۔ اس راہ میں ہزاروں لوگوں کی ملازمتیں چلی گئیں جو لوگ حیدر آباد اور بمبئی بھاگ گئے تھے وہ ایک ایک کرکے آنا

www.taemeernews.com

شروع ہوئے۔ لیکن دیہاتوں کی فضا سازگار نہیں تھی۔ مکانات منہدم کردیئے گئے جائدادوں پر قبضہ ہائے ناجائز تھے۔ اس طرح چھ ماہ گزر گئے۔ پولیس ایکشن کے بعد ایک عرصہ تک جب تک ملازمت پر تھا درگاہ شریف کے متصل پہاڑی علاقہ میں شام کے وقت گھومتا رہا۔ گڑھوں میں ہڈیاں اور چٹانوں پر سرخ خون چمٹا ہوا تھا۔ اسی پہاڑی کے جانب مشرق میں ایک غار ہے مغرب کی نماز ادا کرتا گڑھوں کی ہڈیاں اور سرخ خون خادم میں بڑی انقلابی تبدیلی کا باعث بنا۔ مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے جن بچوں کے سرپرست اور جن کے شوہر مارے گئے ان کی راتیں کتنی بھیانک ہوتی ہیں۔

ایک بیوہ کے ساتھ ۸ غنڈوں نے منہ کالا کیا۔ انسپکٹر پولیس ہمجلی شری جنار دھن راؤ نے توجہ نہیں کی۔ حیات خاں صاحب کے ساتھ کلکٹر صاحب ایس پی سے ملاقات کی سب انسپکٹر کو معطل کیا گیا خاطیوں کے ساتھ کیس کا اندراج ہوا۔

قاضی عبدالوہاب صاحب اور قاضی عبدالواحد صاحب' عمرگہ نے اطلاع دی کہ وہاں کی مسجد پر شرپسندوں شبنھو گرجی مہاراج نے قبضہ کیا ہے۔ فوری کلکٹر اور ایس پی سے ملاقات کرکے قبضہ ناجائز برخواست کرایا گیا۔ یہ عمل پولیس ایکشن کے بعد کا ہے دوران پولیس ایکشن میں ہر جگہ مساجد درگاہیں' عاشور خانہ اور قبرستان پر قبضہ ہائے ناجائز کئے گئے انہدام توڑ پھوڑ عمل میں آئی۔ بعض جگہ مندر بنائے گئے۔ بعض جگہ سرکاری مدارس بنائے گئے۔ اور یہ سلسلہ دو سال تک چلتا رہا۔

ملا عبدالباسط صاحب کے ساتھ ہر قصبہ اور دیہات کے دورے۔ بیوگان اور بچوں کی فہرست اور قبضہ ناجائز کا ریکارڈ فراہم ہونا شروع ہوا۔ ادھر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیت العلماء اور پنڈت سندر لال صاحب تھے دہلی میں پنڈت جواہر لعل نہرو وزیر اعظم حکومت ہند سے ملاقات کرکے ان تمام امور پر میمورنڈم پیش کیا۔

وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو کے دورہ حیدر آباد فتح میدان (موجودہ لال بہادر شاستری اسٹیڈیم) میں تقریر کے موقع پر بیرسٹر اکبر علی خاں اور یونس سلیم صاحب ایڈوکیٹ اور ملا عبدالباسط صاحب نے پنڈت جی سے ملاقات کرکے عثمان آباد اور بیدر

www.taemeernews.com

ضلع کے دورہ کی دعوت دی۔ آخر حکومت حیدرآباد نے مولانا آزاد کے دورہ بیدر اور وزیراعظم پنڈت جی کے دورہ عثمان آباد کا اعلان کیا ادھر ریاستی حکام حرکت میں آئے۔ مقامی حکام پولیس اور سی آئی ڈی کی سرگرمیاں حرکت میں آئیں۔ اور اس بات کی ناکام کوشش کی گئی کہ اس دورہ کے موقع پر ہم لوگ ان سے ملاقات نہ کرسکیں اور صحیح صورت حاصل ان کے سامنے نہ آنے پائے۔ ہمارے دورہ پر پولیس اور سی آئی ڈی کی نگرانی شروع ہوئی۔ حتیٰ کہ ہمارے مکانوں کے اطراف ۴۔۵ سی آئی ڈی کے کارکن مقرر تھے ادھر ہم نے تروری 'عمرگہ' دالم 'اپی گور' جلکوٹ 'اور نلدرگ پر اس قسم کا اہتمام کیا تھا کہ ہر جگہ اطراف واکناف کے بیواؤں کو ہمارے مقامی کارکنوں کے ذریعہ سڑک پر لاکھڑا کردیا تھا۔ تاکہ صحیح حالات ان کی آنکھوں کے سامنے آجائیں ہزاروں رکاوٹوں کے باوجود ہماری یہ جدوجہد اللہ نے کامیاب کی اور راستہ ہموار کیا اور ساتھی بھی اچھے مل جاتے۔ ہمارے کارکنوں میں اضافہ ہوتا گیا۔

تعمیر ملت کی شاخ کا قیام

انہیں ایام یعنی ۱۹۵۰ء میں سید خلیل اللہ حسینی صاحب و سید غوث خاموشی صاحب نے بزم احباب کا قیام عمل میں لایا جو بعد میں ۱۹۵۲ء میں تعمیر ملت کے نام سے موسوم ہوئی۔ پہلی شاخ مرہٹواڑہ میں اورنگ آباد میں اس کے بعد بیڑ ضلع کے نہکنور میں اس کے بعد عثمان آباد میں نلدرنگ میں قائم ہوئیں۔ شاخ عثمان آباد کے پہلے صدر جناب حیات خاں صاحب اس کے بعد سید رحمت اللہ حسینی صاحب مرحوم اس کے بعد عبدالحکیم صاحب مرحوم اور اس وقت بشیر احمد صاحب گتہ دار صدر مقامی مجلس تعمیر ملت ہیں۔ نلدرگ میں قیام شاخ کے سلسلے میں قاضی غلام احمد طرف ابوالعلوم صاحب کا بڑا دخل رہا۔ اس تنظیم نے بھی خوف و ہراس کو دور کرنے اور رحمت اللعالمینؐ کے ہرسال اجلاس مقرر کرنے عوام میں بیداری کا جذبہ پیدا کرنے میں بڑی مدد کی۔ یہ واحد تنظیم ہے جس نے عوام کے دلوں سے خوف و ہراس دور کرکے حفاظت خوداختیاری کا

www.taemeernews.com

جذبہ بیدار کیا۔

پنڈت جواہر لعل نہرو وزیر اعظم ہند کی عثمان آباد میں آمد

تروری سے عثمان آباد تک پولیس کا بندوبست سخت تھا۔ ہر جگہ مقامی اور اطراف کے بیوگان سڑک پر دو طرفہ کھڑی تھیں یہ منظر دیکھتے ہوئے پنڈت جی نلدرگ پہنچے نلدرگ پر ۵۰۰ کے لگ بھگ بیوگان ہمارے ساتھ موجود تھیں۔ نلدرگ میں قلعہ کا بھی معائنہ تھا مگر ہم لوگوں کی وجہ سے پھول چند گاندھی اور وینکٹ راؤ سابق ایم پی نے کہا کہ پنڈت جی یہاں آئے بغیر نکل جائیں گے۔ ہمارے ساتھ مولوی حیات خاں صاحب قاضی ابوذر صاحب' سید نظام الدین جعفر صاحب مرحوم ہاتھ میں میمورنڈم لئے کھڑے تھے۔ پنڈت جی کی کار آئی ہم نے کہا رک جاؤ۔ کار رکی ہم نے میمورنڈم پیش کیا۔ اور انہوں نے پدمجا نائیڈو کو دیا ہم کو اور بیوگان کو ایک نظر دیکھ کر وہ کافی متاثر ہوئے۔ کار تلجاپور روانہ ہوئی میں اور حیات خاں صاحب تیزی سے عثمان آباد آئے کہ رات کو ۸ بجے دیگر شہریوں کے ساتھ مجھ سے اور حیات خاں سے ملاقات کا وقت مقرر تھا مگر تلجاپور میں کافی دیر کرائی اور رات میں ساڑھے آٹھ بجے جب وہ عثمان آباد آئے تو بی رام کشن راؤ صاحب نے کہا کہ اب وہ کسی سے ملنا نہیں چاہتے۔ ہم نے ملاقات کے لئے اصرار کیا مگر وہ کسی صورت میں ہم سے ملنا نہیں چاہتے تھے اس وقت وزیر تعلیم پھول چند گاندھی اور وشومبر راؤ ہراڑ کر صدر کانگریس ضلع تھے۔ جو ہم لوگوں کے ملاقات کے مخالف تھے۔ آخر ہم نے شری پدمجا نائیڈو سے ربط پیدا کیا انہوں نے بی رام کشن راؤ وزیر اعلیٰ سے گفتگو کی آخر طے پایا کہ پنڈت نہرو وزیر اعظم ہند صبح ۸ بجے کانگریس آفس جارہے ہیں آپ لوگ ان کے قیام گاہ سے نکلتے ہی مل لیں۔

عبدالرزاق صاحب صدر جمعیت العلماء کی جیپ سے کسی نے میمورنڈم غائب کردیا۔ رات میں مولوی احمد خاں صاحب نے مالک تاج محل ٹاکیز کے بالائی کمرہ میں بیٹھ کر دوسرا میمورنڈم مرتب کیا۔

www.taemeernews.com

ہم نے کلکٹر صاحب کے سکونتی بنگلہ جہاں پنڈت جواہر لال نہرو ٹھہرے ہوئے تھے سامنے سڑک پر ڈھوکی، تیر ہلسپ، ہمبلی، تاکی کے بیوگان سینکڑوں کی تعداد میں کھڑا کیا۔ ہر بیوہ کے ہاتھ میں ان پر کئے گئے مظالم درخواستیں موجود تھیں۔ پنڈت جی کے آمد سے قبل کلکٹر ضلع سری کرشنا سہنا آئے اور ہم سے خواہش کی کہ ہر بیوہ کا علیحدہ علیحدہ میمورنڈم دینے کے بجائے آپ کی جماعت کا جو میمورنڈم ہے صرف وہ پیش کریں۔ مجھ سے عاجزی سے کہا کہ آپ میرے ماتحت رہے ہیں کہہ کر کلکٹر صاحب بنگلے پر چلے گئے حیات خاں صاحب نے ٹھیک ہے کہا اور ہم نے تمام بیوگان کی درخواستیں اپنے پاس جمع کرلیں اور اس پر جماعت کا میمورنڈم اور بیوگان کی درخواستیں پیش کیں۔ صورتحال کو سامنے رکھا بیوگان نے رو رو کر ان کے مظالم بیان کئے خاص طور پر یاسین بی بیوہ کے سانحہ کو نہایت ہی دردناک انداز میں سامنے رکھا اس سے وہ کافی متاثر اور غمگین ہوئے اور ان کو یکسوئی کا وعدہ کرنے کے بعد کار آگے بڑھی اس وقت ہمارے ساتھ ڈھوکی کے ظہور الدین صاحب غلام احمد صاحب ہلسٹ عبدالصمد صاحب قربان صاحب، عثمان آباد اور تیر کے محمد حسین صاحب، عبدالستار صاحب حبیب صاحب قاضی ابراہیم صاحب عبدالرحمن صاحب، وغیرہ موجود تھے۔ ان کے دورہ میں باز آباد کاری کے تحت قائم شدہ نیوار بافی کا بھی معائنہ تھا جہاں مزدوری مقررہ نرخ سے کم دی جارہی تھی ہم ان کے علم میں لانا چاہتے تھے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی انہیں اس مرکز کا معائنہ کرایا گیا اس وقت دوڑ کران کی کار کو روکا تو انہوں نے کہا سب باتوں کا علم انہیں ہوچکا ہے پولیس گراؤنڈ میں لاکھوں کی تعداد میں جلسہ عام میں لوگ ان کی تقریر سننے کے لئے موجود تھے۔ انہوں نے کانگریسیوں کی جانب سے پیش کردہ پھولوں کا ہار لوٹا دیا اور اپنی تقریر میں سخت برہمی کا اظہار کیا کہ آپ کو یہ قتل عام کرنے کی کس نے اجازت دی تھی۔

پھول چند گاندھی پر ان کا عتاب نازل ہوا۔ جب ڈھوکی سے گزر رہے تھے تو وزیر بی بیوہ نے ان کی کار روک کر گاؤں میں لے جا کر گرائے گئے مکانات کا مشاہدہ کرایا اس کے بعد لاتور وہاں سے بیدر کے لئے روانہ ہوئے۔ ادھر بیدر میں مولانا آزاد نے دورہ کیا ان

www.taemeernews.com

مرکزی قائدین کی واپسی کے بعد ریاستی حکومت حرکت میں آئی۔

ہم لوگوں کو ہمت آئی اور کاموں میں تیزی آئی۔ اس ملاقات کی اطلاع ہم نے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب دہلی کو دی۔ اس اثناء میں وزیر باز آبادکاری ڈاکٹر سید محمود وزیر خارجہ باز آبادکاری کے کاموں کا جائزہ لینے حیدر آباد لیک یو گیسٹ ہاؤز میں اسحاق پٹیل لاتور کے ساتھ ان سے ملے۔ اور ایک طویل میمورنڈم پیش کیا جس کو شیخ محمد صاحب ایڈیٹر بھارت نیوز سروس حیدر آباد نے اپنے پرچہ فلسطین نمبر میں شائع کیا تھا۔ اس طرح بیرون ہند بھی یہاں کی تباہی کی اطلاع پہنچی۔

پاکستانی پرچم کے بہانے گرفتاری

جوں جوں کام بڑھتا گیا ہم لوگوں کی شہرت اثر و سورخ میں اضافہ ہوتا گیا۔ فرقہ پرست اس کو برداشت نہ کرسکے ہم لوگوں کے دورے آزادی کے ساتھ شروع ہوگئے تقاریر کا سلسلہ جاری رکھا بعض دوروں میں صوفی عبداللہ ابراہیم و قاضی سید عزیز الدین سراڈھون بھی ساتھ تھے لوہارہ' گنجوئی مورم کے زیادہ دورے رہے۔ لوہارہ میں عبدالمجید صاحب مرحوم' سید ابوفتح صاحب و حیدر صاحب سرگرم عمل تھے۔

مورم میں بیوگان کی تعداد ۵۰۰ سے زائد تھی۔ یہاں کی باز آبادکاری کا سلسلہ اہم تھا۔ مزدور پیشہ بعض بیوگان کی زمینات تھیں مگر وہ ہندو کاشتکاروں کے اثر میں تھیں ۔ منشی سید برہان الدین صاحب' عزیز صاحب عطار ان کی دیکھ بھال کرتے تھے ہم سے تعاون کرتے یہاں کی جامع مسجد کو شہید کرکے راستہ بنایا گیا تھا۔

ہم نے عاشور خانہ کو مسجد میں بدل کر ادائی نماز کا اہتمام کیا تھا مورڈ کی مسجد میں بورڈنگ تھی وکیل احمد صاحب مورڈ کی درخواست پر کلکٹر صاحب سے ملاقات کرکے مسجد دوبارہ حاصل کی گئی بلال تاتیہ چنچولی تعلقہ لاتور کی مسجد مدرسہ کی تعمیر میں منہدم کی گئی۔ ایناپور کے سرائے میں مداخلت شروع ہوئی۔ حیدر آباد پہنچ کر سری نواس راؤ اکھیلی کر ڈپٹی ہوم منسٹر سے نمائندگی کی جناب صوفی بھی ساتھ تھے۔ بلال تاتیہ میں مسجد

www.taemeernews.com

کے لئے جگہ دیدی گئی آج وہاں پر مسجد تعمیر ہوکر ادائی نماز کا انتظام ہے ایناپور کے سرائے میں کی گئی مداخلت ختم ہوگئی۔

جہاں تک قبضہ ناجائز 'امکنہ' زمیات' مساجد درگاہوں کا تعلق ہے اس کی ایک بڑی فہرست مرتب کی گئی نمائندگی پر نمائندگی عمل میں آتی رہی۔ بعض قبضہ جات برخواست ہوئے بعض پر برسراقتدار جماعتوں کا قبضہ رہا جو ناجائز تھا ان کی مخالفت میں شدت اختیار کی گئی۔ اسی اثناء میں وٹھل راؤ صاحب کلکٹر کا تبادلہ ہوا مدراس کے سری نواس کلکٹر ہوکر آئے۔ بہت تنگ نظر تھے ان ہی دنوں اخبارات میں اطلاعات شائع ہوئیں نظام آباد اور گلبرگہ میں پاکستانی پرچم کی تنصیب کے سلسلہ میں فرقہ وارانہ فساد ہوئے تو اس کے ساتھ ہی ہم کو فکر ہوئی کہ فرقہ پرست کہیں عثمان آباد میں فساد نہ کرادیں۔ ہم نے تمام مساجد میں باخبر رہنے کی تلقین کی صبح اولین لمحات میں اطلاع ملی کے تاج محل ٹاکیز کے قریب کسی نے پاکستانی پرچم نصب کیا سامنے روڈ سے پولیس کی کار گزری اس کو فوری جلادیا گیا میں نے فوراً" عبداللہ خان ایس پی کو اطلاع دی اور حیدرآباد کو فون کیا۔ نیوز روانہ کی۔ شہر میں اداسی چھائی ہوئی تھی ہفتہ وار بازار تھا بازار میں فرقہ پرستوں نے بورڈ نصب کیا تھا کہ عثمان آباد میں کسی نے پاکستانی پرچم نصب کیا ہے ایسا ہی پرچم گلبرگہ اور نظام آباد میں نصب ہوا تو فسادات پھوٹ پڑے۔ کلکٹر صاحب کو فوری ہفتہ واری بازار میں نصب بورڈ نکالنے کے سلسلے میں توجہ دلائی پولیس کا بندوبست سخت تھا۔

اردو صحافت اخبارات میں نیوز چھپی انسپکٹر جنرل پولیس ریاست حیدرآباد عثمان آباد آئے چونکہ فرقہ پرست اپنے منصوبہ میں ناکام رہے تھے تو فرقہ پرستوں نے کلکٹر ضلع اور ایس پی صاحب کو باور کرایا کہ خادم حیات خاں صاحب اور تاج ٹاکیز کے ملازم گلبو خان ہی نے پاکستانی پرچم لگایا تھا۔ فوری ہماری گرفتاری عمل میں آئی۔ مکانوں کی تلاشی پولیس نے کی کچھ نہ ملا کچھ دنوں جیل میں بند رہنا پڑا۔ آخر کو پولیس کو عینی شہادت نہ مل سکی کیس خارج ہوا کچھ دنوں کے بعد ہندو فرقہ پرستوں نے مرکزی حکومت ہند میں

ACC. No. 7-12-7-01
www.taemeernews.com
Date ۴ نومبر ۱۹۹۶ء

ہم لوگوں کے خلاف شکایت کی۔ مرکزی سی آئی ڈی انسپکٹر عثمان آباد کی طرف سے ہماری گرفتاری عمل میں آئی پولیس کسٹڈی کے بعد مجسٹریٹ کسٹڈی میں جیل روانہ کیا گیا۔ ضمانتوں کی کوشش کی گئی مگر لا حاصل کوئی وکیل وکالت کے لئے تیار نہیں ہوا۔ مقامی طور پر نرسنگ راؤ صاحب وکیل اور کشن راؤ وکیل نے وکالت کی ضمانتوں کے سلسلہ میں بڑی رکاوٹیں پیدا کی گئیں کوئی تیار بھی ہو تو اس کو ڈرایا جاتا صرف تاریخ پیشی بدلتے رہے جب ہم کو عدالت میں لایا جاتا تو عجیب دلخراش منظر سامنے آتا۔ بیوگان اور یتیموں کی بڑی تعداد بھی دیکھنے آتی عوام کا بڑا ہجوم ہوتا خدا جب کسی کو نوازتا ہے اور بچاتا ہے تو راہیں بھی کھول دیتا ہے۔ مسلسل صاحب منصف بدل کر وارثی صاحب منصف آئے۔ قلندر حسین صاحب، ناظم ضلع اور جعفر حسین سیشن جج مقرر ہوئے ادھر کلکٹر صاحب کا بھی تبادلہ عمل میں آیا۔ جناب ہادی جعفری صاحب کلکٹر بن کر آئے سید نور اللہ حسینی افتخاری صاحب صدر جمعیت العلماء حیدر آباد، جناب سید محمود الحسینی صاحب سجادہ نشین گلبرگہ تشریف لائے اور مولانا محمد عبد السبحان صاحب کا دورہ عثمان آباد رہا۔ انہوں نے صورتحال کا جائزہ لیا۔ انہوں نے حیدر آباد جاکر ابوالخیر صدیقی ایڈوکیٹ اور محمد شریف صاحب وکیل اور سید غوث پیر صاحب کو عثمان آباد روانہ کیا۔ ان کا قیام احمد خان صاحب کے پاس تاج محل ٹاکیز میں رہا ان کی موثر بحث کے بعد ۱۰-۱۰ ہزار روپیوں کی ضمانت پر رہائی عمل میں آئی کچھ دنوں تک دو مرتبہ کی حاضری ناظم صاحب کے اجلاس پر رکھی گئی ادھر مولوی ابراہیم صاحب قبلہ نے بھی دہلی پہنچ کر مرکزی وزیروں سے اس خصوص میں نمائندگی کی۔ وہاں سے حکومت حیدر آباد کو توجہ دلائی گئی آخر کیس خارج کردیا گیا۔ رہائی سے قبل ایک روز جیل میں مولوی عبداللہ خان صاحب ایس پی جعفر حسین سیشن جج ہادی جعفری کلکٹر ضلع قلندر صاحب ناظم اعلیٰ خادم سے ملنے آئے۔ میں نے عاجزی اور خوف و ہراس کے بجائے صاف طور سے کہا کہ ہم لوگوں کی خدمت کرتے ہیں چونکہ مسلمانوں کی زمینات مساجد پر ذمہ دار ہندوں کا قبضہ ہے وہ کسی صورت میں نہیں چاہتے کہ ہم اس راہ میں جدوجہد کریں اس لئے یہ جھوٹا الزام

www.taemeernews.com

لگایا گیا۔ قید و بند کی ہم کو پراہ نہیں ہے یہ تو کام حکومت کا ہے۔ جیل کے ایام میں الحاج صوفی عبداللہ ابراہیم صاحب' قاضی عبدالعزیز الدین صدیقی' سراؤ دھوان عزیز احمد صاحب کا بڑا تعاون رہا ہے۔

واجی شنکر کی قرارداد

کمیونسٹ لیڈر واجی شنکر ایم ایل اے نے (اسمبلی حیدر آباد) پولیس ایکشن کی تباہی اور ناجائز قبضہ جات کی برخواستگی کے سلسلہ میں ایک قرارداد پیش کی اور اس سلسلہ میں انہوں نے مولانا عبدالسبحان معتمد جمعیت العلماء کے ساتھ متاثرہ علاقہ کا دورہ کیا حیدر آباد سے میں خود ساتھ تھا۔ نلدرگ اور لاتور کے دورہ میں ریکارڈ اور معلومات فراہم کیئے گئے۔ اسمبلی میں آواز اٹھی جی شنکر' مخدوم محی الدین صاحب مرحوم اودھوراؤ صاحب مرحوم اور دی ڈی دیشپانڈے نے زوردار بحث کی۔

اخبارات کے صفحہ پر بڑی سرخیوں سے اسمبلی کی تقاریر کی نیوز چھپی تھی کہ ضلع عثمان آباد خصوصاً نلدرگ میں بعض مسلمانوں کی جائیداد پر کانگریس کے ذمہ داروں کا قبضہ تھا۔ آخر حکومت غور و فکر کے لئے مجبور ہوگئی اور برخواستگی قبضہ ہائے ناجائز کی سماعت کے لئے ایک خصوصی عدالت اور جج کا تقرر عمل میں آیا۔ اس عدالت نے ۱۵ دن عثمان آباد اور پندرہ دن لاتور میں سماعت جاری رکھی۔ عبدالباسط صاحب وکیل مقرر ہوئے۔ ان کے معاون سید ابوالفضل صاحب تھے اس عدالت کا خصوصی فائدہ نہیں ہوا ایک تو دستاویزات کا پولیس ایکشن میں جل جانا' دوسرا مولوی عبدالباسط صاحب کی وکالت جو حیدر آباد میں سکونت پذیر تھے پیشی سے ایک روز قبل عثمان آباد آئے کچھ دنوں تک اس عدالت کا کام جاری رہا البتہ ہلست کی ۶۰ ایکڑ زمین کا قبضہ مالک کو بعد میں ملا۔ آخر اس عدالت کا کام ختم ہوا۔

کسٹوڈین کے تحت ناانصافیاں

جو مسلمان پاکستان منتقل ہوئے ان کی جائیدادیں پاکستان سے آئے ہوئے سندھی

www.taemeernews.com

اور پنجابیوں میں تقسیم کی گئیں۔

تیر کے معزز مسلمان سید قاضی ابوالفضل صاحب' بشیر صاحب پولیس ایکشن میں شہید کئے گئے۔ ان کے ورثاء میں بیوگان' شریفہ بی' بسم اللہ بی اور ان کے بچے موجود تھے' لیکن ان کی آراضیات کو یہ کہہ کر الاٹ کیا گیا کہ یہ پاکستان چلے گئے ہیں۔ اس طرح سید قاسم رضوی صاحب مرحوم کی جائیداد کو بھی پاکستان چلے گئے بتلا کر الاٹ کردیا گیا۔ تیر کے آراضیات کے سلسلے میں بیوگان کی جانب سے نرسنگ راؤ صاحب نے وکالت' کلکٹر صاحب سے کی سید قاضی مصطفیٰ ہاشمی حیدر آباد سے آئے جمعیت العلماء کے دفتر میں ان سے ملاقات ہوئی دہلی میں حفظ الرحمٰن صاحب مرحوم سے اس خصوص میں گفتگو رہی۔

پنڈت نہرو سے اس خصوص میں نمائندگی کی۔ آخر یہ جائیداد واپس ہوئی ۔ باز آبادکاری کے کچھ امور کے سلسلے میں خادم نے دہلی کے قیام زمانہ ہمایوں کبیر مرحوم وزیر سے ملاقات و میمورنڈم پیش کیا ۔ جب کبھی دہلی جانے کا اتفاق ہوتا رہا۔ مولانا حفظ الرحمٰن پوری توجہ کرتے مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کی توجہ حاصل ہوئی۔ اس زمانے میں حیدر آباد میں بزم احباب کا قیام عمل میں آیا کئی سال کا عرصہ ہوا تھا جو بعد میں کل ہند مجلس تعمیر ملت کے نام سے موسوم ہوئی۔ اس کے سالانہ اجلاس "بیت الامت (قیام گاہ بہادر یار جنگ بیگم بازار) میں قاضی غلام احمد صاحب عرف ابوالعلوم مرحوم نلدرگ کے ساتھ خادم نے شرکت کی تھی۔

دھنے گاؤں تعلقہ جام کھیڑ ضلع احمد نگر کی مسجد کی بازیابی

چاند خاں صاحب رئی تعلقہ پرینڈہ نے اطلاع دی ہے کہ دھنے گاؤں کی مسجد میں مدرسہ ہے۔ فوری کلکٹر ضلع احمد نگر کو میمورنڈم روانہ کیا گیا نائب تحصیلدار صاحب جام کھیڑ نے دھنے گاؤں پہنچ کر مسجد سے مدرسہ برخواست کرکے مسجد کو مسلمانوں کے حوالے کیا۔ اسی طرح عثمان آباد سے ۸۹ میل امبیجے جولگہ کی مسجد میں سرکاری مدرسہ تھا مجھے

www.taemeernews.com

اپنی بہن اختر بیگم کی شادی کے سلسلے میں وہاں جانے کا اتفاق ہوا۔ یہ موضع تعلقہ بارسی ضلع شولاپور میں تھا مسلسل کلکٹر ضلع شولاپور سے مراسلت کر کے مسجد سے مدرسہ برخواست کرایا۔ اس وقت دونوں جگہ ادائی نماز کا انتظام ہے۔

یتیم بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے حیدر آباد کو روانگی

جہاں تک بیوگان کے وظائف کا تعلق تھا جاری ہو چکے تھے اس میں کچھ ناانصافی بھی عمل میں آئی ۔ لڑکیوں کی شادی کے لئے امداد ٗدینی مدارس کے معلمین کی تنخواہ جاری ہوئی جو کچھ دنوں کے بعد بند ہو گئی۔

اللہ کے فضل سے وہ تمام بچے' جن کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا گیا تھا اب کاروبار سے لگے ہوئے ہیں بعض ملازم بعض اعلیٰ خدمات پر فائز ہیں۔ اللہ نے خزاں نصیب چمن کو پھر بہار سے آشنا کیا۔ ٹمٹماتے ہوئے دیئے مرجھائی ہوئی کلیاں پھول بن کر چمن کی زینت کا باعث ہیں۔ یہ آج اپنے کنبہ کی پرورش کا باعث بن گئے۔ اس راہ میں جن لوگوں نے اپنی عمریں لگائیں جدوجہد کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ان کے لئے اظہار تشکر کی چنداں ضرورت نہیں۔

شکر تو اللہ تعالیٰ کا ہے جس نے یہ عظیم انقلاب پیدا کیا۔ کم از کم یہ اپنے ماضی کو تو یاد رکھیں گے۔ جس کی نظر اپنے ماضی پر پڑی رہی کامیاب رہا۔ کچھ دنوں تک رام لعل داگھرے اسپیشل آفیسر باز آبادکاری کا دور اچھا رہا بعد میں ان کی بدعنوانیاں زیادہ بڑھیں۔ قاضی غیاث الدین صاحب وزیر اوقاف سے نمائندگی کر کے ان کو اصلی خدمت پر واپس کروایا کچھ امکنہ قبضہ میں لے لئے اور کچھ تاحال ان کے قبضے میں ہی ہیں۔ سب سے زیادہ دردناک پہلو مساجد' درگاہیں' قبرستان' عاشور خانہ' جن پر ناجائز قبضے ہیں قبضہ کے لئے طویل فہرست میں نے قاضی غیاث الدین صاحب وزیر اوقاف کو دی تھی۔ اکثر واپس نہ ہو سکے ۔ بعض مقامات پر رانجی' ہلسپ اہسنگمہ وغیرہ جہاں مساجد منہدم کر دیئے گئے تھے ہم نے دورہ کر کے مساجد کی تعمیر کرائی۔ صوفی صاحب قبلہ عزیز

www.taemeernews.com

الدین صاحب صدیقی سراڈھون ساتھ رہے البتہ مالیہ مقامی طور پر فراہم کیا گیا۔ بیوگان نے رانجی ہلسب میں اپنے زیورات دیئے اس طرح تالمواڑی کی مسجد میں مورتی رکھی گئی تھی واپس نہ ہو سکی۔ مقامی مسلمانوں نے نئی مسجد تعیر کی ہے۔ افتتاحی تقریب میں خادم نے شرکت کی اور تقریر کی۔ ایلنگہ کیسے گاؤں والم اور دوسری جگہ مقامی لوگوں نے مسجد تعمیر کی۔

۱۹۵۴ء میں وقف بورڈ کا قیام عمل میں آیا۔ محمد علی موسوی وقف بورڈ کے صدر ہوئے' نظامت امور مذہبی سے ریکارڈ یہاں پر منتقل ہوا لیکن آج وقف بورڈ کے محافظ خانہ کا جائزہ لیا جائے تو ایک دستاویز بھی جگہ پر نہیں ہے۔ ہم نے ذیلی کمیٹی کے تعاون سے ہر جگہ کچھ کرایا ہے۔ توری کے قبرستان پر ناجائز قبضہ تھا ہم جب دورہ پر جاتے تو حسام الدین ہمارا ساتھ دیتے۔ مسلسل نمائندگی پر قبرستان کے لئے جگہ ملی اور آج وہاں پر مسلمانوں کی تدفین جاری ہے۔

ہر ضلع سے بیسیوں مقدمات پیش کئے گئے مگر وقف آفیسر کی لاپرواہی اور عدم فراہمی وثایق کی وجہ سے عدالتوں میں کامیابی نہ ہو سکی۔ مسجد سرور تاج بند مسجد سندھ پھل کے قبضے کی برخواستگی کے کیس میں کامیابی نہیں ملی اور یہ دو مساجد مقامی کشیدہ فضاء ہونے کی وجہ سے قبضہ حاصل نہ کر سکے۔ مسجد گنجوئی محض عدم فراہمی وثایق کی وجہ سے والوڑہ تعلقہ بھوم کی مسجد درگاہ زین الدین صاحب" مارڈی زمینات درگاہ ہیرے ٹاؤن تعلقہ اوسیہ اور کلیچ کی درگاہ کی زمین مشروط ہے بھوگال گاؤں تعلقہ بھوم کا قبرستان قبضہ میں نہ مل سکے۔

فرقہ پرستوں کے یہ عزائم تھے کہ اس قدر ہلاکت اور تباہی کے بعد مسلمان اپنے مذہب پر قائم نہ رہ سکیں گے اور امداد کی طرف مائل ہوں گے مگر اس بھیانک آزمائش سے گزرنے کے باوجود آج ایک بھی مثال ایسی نہیں ملتی کہ کسی نے جبر و ظلم و فاقہ کشی سے تنگ آکر اسلام کو ترک کیا ہو۔ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد ہاں یہ ضرور ہوا کہ کچھ پاکستان چلے گئے' کچھ بمبئی حیدر آباد و دیگر مقامات پر منتقل ہو گئے۔

www.taemeernews.com

پولیس ایکشن کی تباہی اور اس کے بعد کے کاموں کا جائزہ کے لئے ایک طویل وقت کی ضرورت ہے۔ اللہ نے کام لیا' جب اللہ کسی سے کام لینا چاہتا ہے تو اسباب اور راہیں فراہم کرتا ہے صبروبرداشت کی قوت عطا کرتا ہے۔

www.taemeernews.com

بیدر کا قتل عام

اس مضمون کے مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا یہ مضمون اردو ڈائجسٹ لاہور کے ستمبر۱۹۷۶ء کے شمارہ میں چھپا تھا۔ (مرتبین)

اس سے قبل کہ میں اصل داستان شروع کروں بیدر کی تاریخی حیثیت سے آپ کو متعارف کرانا ضروری سمجھتا ہوں بیدر ریاست حیدر آباد دکن کا ایک ضلع ہے یہ ضلع کسی زمانے میں بہمنی خاندان کا پائے تخت تھا۔ اس ضلع کے پائے تخت بنائے جانے سے متعلق بھی بڑا دلچسپ قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ ایک دفعہ احمد شاہ ولی بہمنی گلبرگہ سے بیدر آئے۔ گھوڑوں پر سوار بیدر کے مفاضات سے گزر رہے تھے کہ ایک لومڑی ان کے کتے پر جھپٹی، جب بادشاہ نے لومڑی کو کتے پر حملہ کرتے دیکھا تو اپنے مصاحبوں سے کہا: ہمارا خیال ہے کہ لومڑی کی اس بہادری میں یہاں کی آب و ہوا کا بڑا دخل ہے لہٰذا ما بدولت اپنا دارلسلطنت یہیں بنائیں گے' چنانچہ دارالسلطنت گلبرگہ سے بیدر منتقل کر دیا گیا۔

بیدر میں بہت سے بزرگان دین کے مزارات بھی ہیں۔ دور مغلیہ کا ایک وسیع قلعہ آج بھی یہاں موجود ہے۔ قلعے کے ایک حصے میں وہ یادگار توپ رکھی ہے جسے پہلی بار چلاتے ہوئے اس کا بنانے والا جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ یہ توپ اتنی بڑی ہے کہ اس کے دہانے میں ایک آدمی کھڑا ہو سکتا ہے۔

اس روز قائداعظم کا سوئم تھا۔ سارے شہر پر عجیب اداسی چھائی ہوئی تھی۔ ایک طرف قائداعظم کی رحلت کا غم تھا اور دوسری طرف بھارت کے حملے خوف' ہر طرف اس قسم کی افواہیں اڑ رہی تھیں کہ آج کل میں حملہ ہونے والا ہے۔ بھارت اور

www.taemeernews.com

حیدر آباد کی بات چیت کی ناکامی کے بعد صورت حال بڑی نازک ہو گئی تھی بھارت کے درمیان گھری ہوئی یہ اسلامی ریاست ایک انتہائی نازک موڑ پر پہنچ چکی تھی۔

صبح کے ۹ بجے ہوں گے بیدر کی سب سے بڑی جامع مسجد میں ہزاروں لوگ تلاوت قرآن پاک میں مصروف تھے کہ اچانک ہوائی جہازوں کی گڑگڑاہٹ سے سارا شہر لرز اٹھا۔ ابھی لوگ صحیح صورت حال سمجھ بھی نہ پائے تھے کہ ایک تیز رفتار فائیٹر تیزی سے مسجد کی طرف آتا دکھائی دیا۔ لوگوں میں ہلچل مچ گئی اور سب کے سب تلاوت چھوڑ کر مسجد کے صحن میں آگئے۔ ابھی آسمان کی طرف دیکھ ہی رہے تھے کہ اچانک تڑ تڑ تڑ کی آواز سے کانوں کے پردے پھٹنے لگے بیدر کے شہری' جنہیں ہوائی حملے سے بچاؤ کا طریقہ معلوم تھا نہ اس کی ہلاکت خیزیاں' اطمینان سے بمباری کا تماشا دیکھنے میں مصروف تھے جب بے شمار گولیاں ان کے سروں پر سے گزر کر مسجد کے ستونوں میں پیوست ہو گئیں تو انہیں خطرے کا احساس ہوا' پھر ہوائی اڈے پر بمباری کے دہشت انگیز دھماکوں سے لوگوں میں سراسیمگی پھیلنے لگی جلدی جلدی فاتحہ خوانی کی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے مسجد خالی ہو گئی۔

ہمارے محلے کے بانی کار صاحب نے فوری طور پر محلے والوں کو جمع کیا اور سب کو بھرمار بندوقیں تقسیم کرکے ہدایت کی۔ درختوں اور چھتوں پر چڑھ کر ہوائی جہازوں کو گراؤ' آج بھی جب میں ان مضحکہ خیز حرکتوں کو یاد کرتا ہوں تو ہنسی آتی ہے کہاں سینکڑوں دیو پیکر جنگی طیارے اور کہاں پرندے مارنے والی بھرمار بندوقیں' لیکن ایک جوش تھا جب بھی کوئی طیارہ ہمارے سروں سے گزرتا ہم بندوق چلا دیتے محلے کے ہم چند لڑکے آبادی کے قریب ایک باغ میں درختوں پر چڑھے ہوئے بھارتی طیاروں کو گرانے میں مصروف تھے۔

بھارتی طیارے بیدر کے ہوائی اڈے پر غوطے لگا لگا کر بم برسا رہے تھے شہر کی ساری چھتیں اور فصیلیں مردوں' عورتوں اور بچوں سے بھری ہوئی تھیں۔ ان میں سے کسی نے اس قسم کا تماشا پہلے نہ دیکھا تھا شہر کے بعض جوشیلے نوجوان بموں کے سائے میں سڑکوں پر بھارتی حکومت کے خلاف نعرے لگاتے پھر رہے تھے صبح سے شام تک وقفے وقفے سے

www.taemeernews.com

بمباری ہوتی رہی۔

دوسرے دن بھی بمباری کا سلسلہ جاری رہا۔ دو بجے کے قریب ہم دو تین دوست اپنی بندوقوں کے لئے بارود لے کر آرہے تھے کہ اچانک ایک فائیٹر نے ہمارے عین سر پر آکر گولیاں برسانی شروع کیں۔ ہم سامنے ہی ایک ہندو درزی کی دکان میں گھس گئے فائیٹر کی آواز اتنی خوفناک تھی کہ چھتیں ہلتی نظر آتی تھیں درزی' اس کی بیوی اور لڑکیاں چیختی ہوئی ہم سے لپٹ گئیں یہاں تک کہ درزی مہاراج کی حالت غیر ہو گئی۔ ہم نے انہیں تسلی دی اور بڑی مشکل سے چھپتے چھپاتے اپنے مورچوں پر پہنچ گئے شہر کے ہندو جنہیں آج تک سر اٹھانے کی ہمت نہ تھی' آہستہ آہستہ شیر ہو رہے تھے دوسرا دن بھی اسی طرح گزر گیا۔ ریڈیو حیدر آباد سے مسلسل جنگی خبریں اور رزمیہ نغمے نشر کیے جا رہے تھے ۔ ریڈیو کی خبروں کے مطابق ہر محاذ پر رضاکار اور حیدر آبادی فوجیں ڈٹ کر بھارتی حملے کا مقابلہ کر رہی تھیں عثمان آباد کے محاذ پر بہت سارے نوجوان بھارتی پیش قدمی روکنے کے لئے ٹینکوں کے آگے لیٹ گئے تھے اس قسم کی خبروں سے لوگوں کے دلوں میں دہشت کے ساتھ ساتھ ایک جوش بھی پیدا ہو رہا تھا تیسرے دن شہر پر ہزاروں پوسٹر گرائے گئے۔ ان میں مسلمانوں سے کہا گیا تھا کہ شہر خالی کردیں۔ یہ دن سخت اضطراب میں گزرا شہر میں کشیدگی انتہا کو پہنچ گئی تھی لیکن ابھی تک کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا تھا شہر کے نوجوان شہر خالی کرنے کے حق میں نہ تھے۔ بلکہ بھارتی فوجوں سے مقابلہ کرنے پر تلے ہوئے تھے لیکن سنجیدہ قسم کے لوگ حالات کی نزاکت دیکھتے ہوئے شہر خالی کر دینا چاہتے تھے۔ مغرب سے کچھ دیر پہلے آخر شہر خالی کر دینے کا فیصلہ کر لیا گیا پھر کیا تھا ایسی بھگدڑ مچی کہ دیکھتے ہی دیکھتے شہر خالی ہو گیا۔ ہمارے محلے سے تقریباً سارے مسلمان جا چکے تھے لیکن ہمارا خاندان ابھی تک رکا ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ والد صاحب گھر چھوڑنے پر تیار نہ تھے اس کے علاوہ ہمارے بڑے بھائی صاحب اچانک گم ہو گئے تھے موصوف چونکہ رضاکار تنظیم کے لیڈر بھی تھے لہٰذا ہمارے دلوں میں طرح طرح کے خیال آرہے تھے میں دو چچا زاد بھائیوں کو لے کر رات کے دس بجے شہر کی گلیوں میں

www.taemeernews.com

انہیں ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ اکثر مسلمان اتنی عجلت سے بھاگے کہ انہیں اپنے گھروں کے دروازے تک بند کرنے کا ہوش نہ تھا۔ کئی گھر ایسے تھے جن میں چولھوں پر کھانا پک رہا تھا کسی گھر میں دسترخوان بھی بچھا ہوا تھا۔ لیکن گھر والے غائب تھے۔ ہم سے جہاں تک ہو سکا گھروں کے دروازے بند کردیئے۔ گیارہ بجے تک ہم گلیوں میں پھرتے رہے لیکن بھائی صاحب کا کوئی پتا نہ چلا۔ ادھر شہر کی صورت حال لحہ لحہ نازک ہوتی جارہی تھی۔ جگہ جگہ ہندو ٹولیوں میں کھڑے کھسر پھسر کرتے نظر آرہے تھے۔ رات کے تقریباً ساڑے گیارہ بجے بھائی صاحب تشریف لائے۔ معلوم ہوا کہ ہتھیار لینے تشریف لے گئے تھے۔ (واضح رہے کہ بیدر میں مقیم فوجیوں کی حالت اتنی خراب ہوگئی تھی کہ وہ ایک ایک روٹی کے بدلے میں ایک ایک رائفل دینے لگے تھے) بڑی مشکل سے والد صاحب کو چلنے کے لئے راضی کیا گیا۔ آخر بارہ بجے رات ہمارا مختصر سا قافلہ بے سروسامانی کے عالم میں شہر سے ایک مضافاتی گاؤں چلوگی کی طرف چل پڑا۔

چلوگی جانے والی سڑک پر چاندنی میں دور دور تک انسان ہی انسان نظر آرہے تھے آدھی رات کے وقت بھی بھارتی طیارے فضا میں چکر لگا رہے تھے۔ جب کوئی طیارہ نیچے آتا تو سب لوگ سڑک کے آس پاس جھاڑیوں میں چھپ جاتے اسی طرح قافلہ رات بھر چلتا رہا۔ صبح کے قریب ہم چلوگی پہنچ گئے معلوم ہوا دوسرے دن دوپہر کے قریب بھارتی فوجیں بیدر میں داخل ہوئیں فوجوں کی آمد کا آنکھوں دیکھا حال ایک ایسے دوست نے سنایا جو بھارتی فوجوں کی آمد کے وقت ہندوؤں کے استقبالیہ ہجوم میں موجود تھا اس کا بیان ہے۔

"سارے محلے میں میرے علاوہ چار چھ اور مسلمان رہ گئے تھے جن میں ولی اللہ نامی ایک جوشیلا جوان بھی شامل تھا۔ یہ شخص اپنی بیوی بچوں سمیت شہر میں موجود تھا۔ کوئی دس بجے کے قریب سارا شہر جے ہند کے نعروں سے گونج اٹھا۔ بھارتی فوجیں شہر سے ایک میل دور پہاڑی کے نزدیک پہنچ چکی تھیں اور ٹینکوں کے ذریعے اندھادھند گولے پھینک رہی تھیں سارے ہندو فوج کے استقبال کے لئے شہر سے باہر جمع ہو رہے تھے۔

www.taemeernews.com

میں اپنی جگہ اس لئے مطمئن تھا کہ شہر کے کسی ہندو سے میرا کوئی جھگڑا نہ تھا اور نہ کوئی میرا دشمن تھا میں بھی ہجوم میں شامل ہو گیا۔ ولی اللہ نے رضاکاروں کی وردی پہن رکھی تھی میں نے اسے لاکھ سمجھایا کہ وردی اتار دے لیکن اس بندہ خدا نے ایک نہ سنی۔ کہتا تھا کہ مروں گا اسی وردی میں.... سارے ہندو حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے مگر کسی کی ہمت نہ تھی کہ ولی اللہ کو چھیڑے۔ البتہ چند ضعیف ہندوؤں نے اسے سمجھایا کہ یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں لیکن وہ ضدی انسان وہیں ڈٹا رہا۔

آخر فوج کی چند جیپیں ترنگا لہراتی ہوئی آن پہنچیں پہلی جیپ میں فوجی افسروں کے ساتھ شہر کے دو تین ہندو لیڈر تھے جو مہینوں پہلے ہندوستان بھاگ گئے تھے۔ ان جیپوں کے پیچھے ٹینک تھے جیسے ہی یہ جیپ گاڑیاں **مجمعے** کے قریب پہنچیں جے ہند کے نعروں سے فضا گونج اٹھی ٹینک تیزی سے شہر کے سامنے مورچہ بند ہو گئے فوجی افسر جیپ سے اترے اور انہوں نے اترتے ہی **مجمعے** سے پوچھا کیا یہاں کوئی رضاکار ہے؟ سب کی نظریں ولی اللہ کی طرف اٹھ گئیں جو رضاکاروں کی وردی پہنے' سبز ٹوپی اوڑھے کھڑا تھا۔ فوجی افسر کی نظر جیسے ہی اس پر پڑی اس نے ولی اللہ کو ہاتھ اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا ولی اللہ بے خوفی کے ساتھ اس کی طرف چلا گیا۔

تم رضاکار ہو؟ اس نے پوچھا

ہاں "ولی اللہ نے بے خوف ہو کر جواب دیا"

آنے والے لمحات کے خیال سے میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا کمانڈر نے اس سے کہا:

"جے ہند بولو"

اس کے جواب میں ولی اللہ نے نعرہ تکبیر اللہ اکبر بلند کیا' کمانڈر غصے سے کانپنے لگا۔ **مجمعے** کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ کمانڈر نے زور سے ولی اللہ کے منہ پر طمانچہ مارا۔ ولی اللہ نے بھی ہاتھ اٹھایا لیکن قریب کھڑے ہوئے فوجیوں نے بڑھ کر اس کے ہاتھ پکڑ لئے۔ کمانڈر نے ولی اللہ کو سامنے ٹیلے پر چڑھنے کا حکم دیا۔ ولی اللہ نے صاف انکار کر دیا

www.taemeernews.com

لیکن فوجیوں نے رائفلیں تان لیں ولی اللہ نے میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں نفرت، غصہ اور مجبوری کی پرچھائیاں رقص کر رہی تھیں۔ مجھے اس کے انجام کے متعلق اب کوئی شبہ نہ رہا۔ فوجیوں نے سنگینوں کے بل پر اسے ٹیلے کی طرف دھکیل دیا جیسے ہی وہ ٹیلے پر پہنچا کمانڈر نے رومال ہلایا ادھر ادھر پھیلے ہوئے ٹینکوں سے اچانک گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی اور ولی اللہ کا جسم چھلنی ہو گیا۔

اس بہادر انسان کی موت سے مجھ پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہو گئی ادھر کمانڈر پوچھ رہا تھا:

یہاں کوئی اور رضاکار ہے؟

اب مجھے اپنی قضا دکھائی دینے لگی میں نے کھسک جانا چاہا لیکن سوال یہ تھا کہ اتنے بڑے مجمعے کی نظر بچا کر نکلوں کیوں کر؟ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص بلند آواز سے بھارتی فوجوں کو گالیاں دیتا چلا آ رہا ہے یہ ایک پاگل شخص قطب الدین تھا۔ اس کی جرات پر کمانڈر کو بڑا طیش آیا اس نے سوچے سمجھے بغیر فوجیوں کو اشارہ کیا وہاں کھڑے ہوئے لوگ ابھی کچھ کہنے بھی نہ پائے تھے کہ تڑ تڑ تڑ کی آواز آئی اور قطب الدین خون میں لت پت زمین پر تڑپتا نظر آیا۔ ہندوؤں نے اس سے قبل ایسا خونی ڈراما نہ دیکھا تھا اس لئے سب کا رنگ فق تھا۔ کمانڈر جیپ میں بیٹھ گیا ہجوم نے ایک بار پھر جے ہند کا نعرہ لگایا اور منتشر ہونے لگا۔ میں بھی اس ہجوم کے ساتھ شہر کی طرف لوٹا پھر آنکھ بچا کر ایک گلی میں گھس گیا اور گلیوں گلیوں ہوتا بڑی مشکل سے اپنے گھر پہنچا۔ اگر چہ اس وقت تک شہر میں گڑ بڑ شروع نہیں ہوئی تھی تاہم اندھیرا ہونے سے پہلے گھر سے نکلتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔ سورج غروب ہونے کے ایک گھنٹے بعد گھر سے نکلا ہر طرف سے جے ہند کے نعروں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ مسلمانوں کے محلے ویران پڑے تھے میں ایسے ہی ایک ویران محلے سے گزر رہا تھا کہ بچاؤ، بچاؤ کی آواز سنائی دی میں چند لمحے اسی کشمکش میں کھڑا رہا۔ آخر تیزی سے اس طرف دوڑا جدھر سے بچاؤ بچاؤ کی آوازیں آ رہی تھیں آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے جس کی وجہ سے صاف نظر نہیں آ رہا تھا میں کچھ دیر کھڑا

www.taemeernews.com

سوچتا رہا کہ کیا کرنا چاہئے آخر اللہ کا نام لے کر گلی میں داخل ہو گیا میں بالکل نہتا تھا اگر حملہ آور مسلح ہوں تو پھر؟ میں نے سوچا جو ہو گا دیکھا جائے گا قریب پہنچ کر میں نے بارعب آواز میں کہا:

"ہٹ جاؤ، ورنہ گولی ماردوں گا"

میری یہ دھمکی کامیاب رہی شاید وہ دونوں غنڈے غیر مسلح تھے گولی کا نام سنتے ہی گرتے پڑتے بھاگے۔ نیچے پڑا ہوا شخص دوڑ کر مجھ سے لپٹ گیا میں نے اسے تسلی دی اور ساتھ لے کر تیزی سے فصیلوں کی طرف بڑھا۔ قریباً ایک گھنٹہ چلنے کے بعد ہم خطرے کی زد سے باہر تھے۔ رات بھر بھٹکتے پھرے آخر کسی نہ کسی طرح چلوگی پہنچ گئے۔

چلوگی میں بیدر کے سارے مسلمان جمع ہو گئے تھے۔ دوسرے دن شام کے وقت اچانک دھماکے شروع ہو گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ بھارتی فوجوں نے حیدر آبادی فوجوں کا بارودی ذخیرہ تباہ کردیا ہے چلوگی میں تیسرا دن تھا گاؤں کے قریب ہی مانجرا ندی بہتی تھی۔ تیسرے دن افواہ اڑی کہ بھارتی فوجیں چلوگی کا رخ کر رہی ہیں یہ خبر پھیلتے ہی گاؤں میں بھونچال سا آگیا۔ ان خبروں کے مطابق ہزاروں مسلمان قتل کردیے گئے تھے اور بھارتی فوج راستے کی ساری مسلم آبادیاں تباہ کرتی چلوگی آرہی تھی۔ ان دنوں مانجرا ندی میں سیلاب کی سی کیفیت تھی اسے پار کرکے آگے جانا بڑا مشکل تھا لیکن بعض لوگ جو زیادہ خوف زدہ تھے اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر ندی میں اتر گئے۔ بعض بڑی دقتوں سے دوسرے کنارے پر پہنچے اور اکثر ندی کی نذر ہو گئے باقی ہزاروں مسلمان اپنی قسمتوں کا فیصلہ سننے کے منتظر تھے۔ ہر چہرے پر موت کی زردی پھیلی ہوئی تھی بارش کا زمانہ تھا تین دن سے مسلسل بارش ہو رہی تھی چھوٹے سے گاؤں میں ہزاروں آدمیوں کی وجہ سے ہیضے کی وبا پھوٹ پڑی تھی اور ہر طرف خوف وہراس پھیلا ہوا تھا کوئی نہیں جانتا تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ اتنے میں دو تین مسلمان بری طرح گھبرائے ہوئے آتے دکھائی دیئے انہوں نے بتایا فوجیں مالی گاؤں تک آگئی ہیں اور ہمارے سامنے کئی مسلمانوں کو قتل کردیا ہے۔ اس خبر سے گاؤں میں ہر طرف دہشت پھیل گئی تھوڑی ہی دیر بعد ٹینکوں

www.taemeernews.com

کے شور سے سارا گاؤں گونج اٹھا۔ ہر شخص اپنی اپنی جگہ ساکت ہو گیا بہت سے نوجوان لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے لیکن حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے انہیں ٹھنڈا کیا گیا سب سے برا حال نوجوان لڑکیوں کا تھا کیونکہ یہ افواہ بھی اڑی ہوئی تھی کہ فوجی لڑکیوں کو پکڑ کر لے جا رہے ہیں۔ ہر جگہ لڑکیوں کو مردانے کپڑے پہنا کر پگڑیاں باندھ دی گئیں کئی جگہ انہیں تاریک کمروں میں بند کر کے تالے لگا دیئے گئے۔

اتنے میں گاؤں کے پٹواری کی آواز آئی جو گھنٹیاں بجا بجا کر اعلان کر رہا تھا کہ جس جس کے پاس ہتھیار ہیں وہ کچہری میں فوراً" جمع کردے بعد میں جس کے پاس ہتھیار نکلے گا اسے گولی سے اڑا دیا جائے گا۔ یہ اعلان ہوتے ہی ہتھیاروں کا ایک انبار لگ گیا۔ ہمارے پاس بھی ہتھیاروں کا ذخیرہ تھا جنہیں زمین میں دفن کر دیا گیا لیکن عورتوں اور بزرگوں کے اصرار پر ہتھیار فوجیوں کے حوالے کر دیئے گئے۔ تھوڑی دیر بعد فوجیوں کو گاؤں کی تلاشی لینے کا حکم ملا۔ بس پھر کیا تھا بھارت کی یہ بہادر فوج نہتے مسلمانوں کے گھروں میں شیروں کی طرح گھسنے لگی۔ عورتوں کے زیور' کپڑے' گھڑیاں جو کچھ ہاتھ آیا آدھ گھنٹے میں تلاشی کے بہانے سب چھین لیا۔ مسلمانوں کی خوش قسمتی تھی کہ فوجیوں کے اس دستے میں سکھ یا گورکھا سپاہی نہیں تھے جس کی وجہ سے بات صرف مال پر ٹل گئی۔ شام ہوتے ہوتے فوجیوں کا یہ قافلہ واپس ہوا اور لوگوں کی جان میں جان آئی۔

دوسرے روز ہم چند آدمی مانجرا ندی کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے کہ ندی میں دور سے کچھ گٹھڑیاں بہتی نظر آئیں۔ جب یہ گٹھڑیاں قریب آئیں تو انہیں دیکھ کر مارے دہشت کے سب کا برا حال ہو گیا یہ دراصل لاشیں تھیں جو گل سڑ کر انتہائی بھیانک ہو گئی تھیں۔ کنارے پر بیٹھی ہوئی چند عورتیں اور بچے چیخیں مارتے ہوئے گاؤں کی طرف بھاگے۔ اس دن کے بعد سے مسلسل دس گیارہ دن تک ندی میں لاشیں بہتی ہوئی نظر آتی رہیں۔ تقریباً آٹھ دس دن بعد شہر کے چند کانگریسی لیڈر آئے' جن کے ساتھ دو تین مسلمان رہنما بھی تھے۔ انہوں نے یقین دلایا شہر میں امن ہو گیا ہے' لہٰذا سب کو شہر واپس چلنا چاہیے لیکن کوئی شخص واپس جانے کے لئے تیار نہ تھا۔ آخر بڑی مشکلوں سے

www.taemeernews.com

یہ طے پایا کہ تین چار نوجوان شہر جا کر اطمینان کر آئیں اس کے بعد سارے مسلمان واپس ہوں گے۔ اس فیصلے کے مطابق تین نوجوانوں کو منتخب کیا گیا۔ وہ ان کانگریسی رہنماؤں کے ساتھ شہر گئے شام تک واپس آکر رپورٹ دی' کہا امن تو ہو گیا ہے لیکن سارے مسلمانوں کے گھر لوٹ لئے گئے ہیں۔ چونکہ گاؤں میں گندگی کی وجہ سے ہیضہ پھیلنے کا شدید خطرہ پیدا ہو گیا تھا اور بارش بھی مسلسل جاری تھی لہٰذا واپس جانے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ چلوگی میں ۱۴ دن کے قیام کے بعد ہم لوگ بیدر کی طرف واپس روانہ ہوئے۔ ہمارا قافلہ شہر کے قریب تاجلاپور نامی ایک گاؤں میں رک گیا۔ یہاں ہمارے چند عزیزوں کے گھر تھے شام کو یہیں قیام کرنا طے ہوا۔ ہم چار پانچ لڑکوں نے شہر جا کر اپنے گھر دیکھ آنے کا ارادہ ظاہر کیا جس کی اجازت مل گئی۔ چنانچہ ہم لوگ شہر کی طرف رواں ہوئے وہاں ہر طرف ایک عجیب سناٹا تھا ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ شہر نہیں قبرستان ہے ہم چھپتے چھپاتے اپنے گھروں میں پہنچے۔ دروازے چوپٹ کھلے تھے ہم ڈرتے ڈرتے گھر میں داخل ہوئے۔ مغرب کا وقت تھا ہر طرف تاریکی پھیل رہی تھی جیسے ہی گھر کے دالان میں پہنچے ایک کمرے سے کھڑبڑ کی آواز آئی ہمارے دل بری طرح دھڑکنے لگے۔ میں نے ہمت کی اور کمرے میں جھانکا اندھیرے میں ایک بہت بڑی سیاہ سی چیز پھنکارتی ہوئی ہماری طرف آتی نظر آئی۔ دلوں پر پہلے ہی دہشت طاری تھی اس بلا کو دیکھ کر ہم بری طرح بھاگ کھڑے ہوئے گھر سے خاصی دور جا کر ہم رکے ہم نے سوچا آخر یہ بلا تھی کیا؟ ہم نے کہا شیر' چیتا ہو نہیں سکتا شیطان بھوت کے ہم قائل نہیں۔ ہم نے طے کیا ہو نہ ہو یہ کوئی جانور ہو گا ہمیں اپنی بزدلی پر بڑا غصہ آیا۔ ہمارے پاس ٹارچ تھی مگر گھبراہٹ میں وہیں کہیں گر گئی تھی۔ چنانچہ دوبارہ ٹارچ تلاش کی دالان میں پہنچ کر میں نے اندھیرے کمرے کی طرف روشنی پھینکی اندر ایک کالی سی بھینس کھڑی جگالی کر رہی تھی۔ ہمیں ہنسی آگئی اسے بڑی مشکلوں سے باہر بھگایا گیا جب ہم نے کمروں کا جائزہ لیا تو وہاں بھینسوں کی غلاظت کے سوا کچھ نہ تھا۔ البتہ دو تین کمروں کا فرش ضرور کھودا گیا تھا اچھی طرح دیکھ بھال کے بعد چند پڑوسی ہندوؤں سے مل کر ہم واپس ہوئے انہوں نے

www.taemeernews.com

ہمیں یقین دلایا اب خطرے کی کوئی بات نہیں۔

دوسرے دن ہمارا قافلہ شہر کی طرف روانہ ہوا عورتوں اور بچوں کا برا حال تھا ایک گھنٹے بعد ہم اپنے اپنے گھروں کو پہنچ چکے تھے گھروں کے لٹ جانے کا سب کو افسوس تھا لیکن جانیں بچ جانے کی خوشی بھی تھی۔ عورتیں گھروں کی صفائی میں لگ گئیں ایک کمرے میں قرآن شریف کے اوراق بکھرے پڑے تھے جن پر بھینسوں کا گوبر پڑا ہوا تھا والد صاحب کو کسی بات کا دکھ نہ تھا لیکن انہیں آج تک قرآن شریف کی اس بے حرمتی کا بے حد افسوس ہے۔ ہم لوگ جب شہر سے باہر اپنے ہوٹل اور دکان دیکھنے نکلے تو فصیلوں کے ساتھ خندق میں تین چار لاشیں تیرتی نظر آئیں۔ یہ لاشیں سڑ گل کر پھول گئی تھیں۔ معلوم ہوا کہ اس میں ایک لاش تو اس ولی اللہ کی ہے اور دوسری قطب الدین کی۔ باقی نامعلوم کس کس کی تھیں۔ ہماری دکان اور ہوٹل سب تباہ ہو چکے تھے۔ کئی ماہ تک سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا آخر آہستہ آہستہ حالات سازگار ہوتے چلے گئے۔ ہمارے جانے سے پہلے شہر کے باہر جو خانہ بدوش چیتھڑوں میں لپٹے رہتے تھے ان کے جسموں پر شاندار کپڑے نظر آرہے تھے جو مسلم گھرانوں سے لوٹے گئے تھے۔ کچھ دن ان خانہ بدوشوں نے سونا ۲۵ روپے تولہ تک بیچا۔

تقریباً چھ ماہ بعد صورت حال یہ ہوئی کہ شہر میں مسلمانوں کا پھر پلہ بھاری تھا ایک بار شرپسند ہندوؤں نے بقرعید پر ہنگامہ کرنا چاہا لیکن مسلمانوں کو تیار دیکھ کر ان کی ہمت نہ ہوئی۔ بیدر شہر میں تو مسلمانوں کا جانی نقصان نہ ہوا تھا لیکن آس پاس دیہاتوں میں جس بیدردی سے مسلمانوں کا قتل عام ہوا اس کی مثال نہیں ملتی۔ قتل اور غارت گری کے یہ واقعات سن کر ہی دل دہل جاتا ہے۔ سینکڑوں کنویں مسلمانوں کی لاشوں سے پاٹ دیئے گئے۔ جوان لڑکیوں کے ننگے جلوس نکالے گئے۔ ماؤں اور باپوں کے سامنے ان کے جوان لڑکوں کو درختوں سے لٹکا کر ان کی کھالیں اتادی گئیں۔ غرض درندگی کے ایسے مظاہرے ہوئے کہ انسانیت کا دل لرز اٹھا۔ حتیٰ کہ بعض کانگریسی لیڈر ان واقعات کا ذکر کرتے ہوئے آج بھی رو پڑتے ہیں۔

www.taemeernews.com

اپریشن پولو کے بعد ..... دلخراش واقعات

پنڈت سندر لال و قاضی محمد عبدالغفار

"مقبوضہ ریاست حیدرآباد کے اضلاع اور دیہاتوں میں مسلمانوں پر ہندوستانی فوج اور مقامی غنڈوں کے ظلم و ستم، قتل، لوٹ اور غارت گری کی مسلسل شکایات کے بعد، پنڈت سندر لال اور قاضی محمد عبدالغفار کی سرکردگی میں چھان بین کی ایک ٹیم نے مرہٹواڑہ (اب یہ علاقہ مہاراشٹرا میں شامل ہے) اور بیدر و گلبرگہ (اب یہ اضلاع کرناٹک کا حصہ ہیں) کا دورہ کیا۔ یہ ٹیم وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے روانہ کی تھی۔ اور اس دورہ کا انتظام بھی سرکاری سطح پر ہوا۔ پنڈت سندر لال (۱۸۸۶ - ۱۹۸۰ء) اتر پردیش کے بزرگ کانگریسیوں میں تھے اور قاضی عبدالغفار (۱۸۸۹ء - ۱۹۵۶ء) کا شمار پکے اور قدیم قوم پرستوں میں ہوتا تھا۔ نومبر۔ دسمبر ۱۹۴۸ء میں تفصیلی دورہ کے بعد اس ٹیم نے اپنی رپورٹ مرتب کر کے وزیر اعظم نہرو اور نائب وزیر اعظم سردار ولبھ بھائی پٹیل کو پیش کی۔ لیکن اس رپورٹ کو حکومت ہند نے شائع یا عام نہیں کیا۔ ڈاکٹر عمر خالدی نے اس رپورٹ کا ایک حصہ کسی طرح سے حاصل کر لیا اور انھوں نے پہلی مرتبہ اس کو اپنی انگریزی کتاب "حیدرآباد ... زوال کے بعد"

(HYDERABAD : AFTER THE FALL)

میں شائع کیا۔ اس کا اردو ترجمہ ان صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

www.taemeernews.com

ملٹری ایکشن سے پہلے (یعنی ۱۲ ستمبر ۱۹۴۸ء سے قبل) ریاست کی عام صورت حال پر امن تھی۔ تاہم نلگنڈہ اور ورنگل کے اضلاع میں کمیونسٹ سرگرم عمل تھے اور رضاکار، ناندیڑ اور اورنگ آباد جیسے اضلاع میں ہندوستانی صوبوں سے متصل دیہاتوں میں جرائم میں ملوث تھے۔ قتل واغواء کے واقعات شاذ و نادر تھے۔ ملٹری ایکشن کے بعد کوئی بھی ضلع بمشکل تباہ کاری اور تشدد سے بچ سکا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ صرف مسلمان اس تشدد کا شکار ہوئے۔ اگر یہ واقعات حادثاتی (اتفاقی) طور پر ہوئے تھے یا صرف غنڈوں کی وجہ سے ہوئے تھے تو پھر کیا وجہ ہے کہ صرف مسلمان ہی ستم کا نشانہ رہے۔ مرہٹواڑہ اور تلنگانہ دونوں کے اکثر اضلاع اور تعلقہ جات میں مسلمانوں کے مکانوں اور دوکانوں کو لوٹا اور تباہ کیا گیا۔ امیر اور غریب خاندانوں میں کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا۔ بدترین حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ ہندوستانی فوج کی موجودگی میں ہوا۔ بعض علاقوں میں اس بات کی ناقابل تردید شہادت موجود ہے کہ سپاہیوں نے نہ صرف خود جرائم کا ارتکاب کیا بلکہ در حقیقت عام لوگوں پر زور دیا کہ وہ بھیانک جرائم کا ارتکاب کریں۔

عام طور پر ملٹری آفیسرس کا رویہ اچھا تھا لیکن سپاہیوں نے کڑ پن اور نفرت دکھائی۔ جب کبھی موقع ملا سپاہیوں نے اپنے تعصب کا انتہائی حد تک مظاہرہ کیا۔ ملٹری ایکشن کے بعد عام طور پر ہندوؤں نے اس طرح کا سلوک کیا کہ گویا وہ حکمران اور مسلمان غلام ہیں۔

ٹرینوں میں واقعات۔ ایک طویل عرصہ تک مسلمانوں کے لئے ریل سے یا بس میں سفر کرنا انتہائی خطرناک تھا۔ کوئی مسلمان پایا جاتا تو گھسیٹ کر ٹرین سے اتارلیا جاتا اور ذلت آمیز طریقہ پر گرفتار کرلیا جاتا اور قیدیوں کے کیمپ میں پہنچا دیا جاتا تھا۔ صدر مقامی شہر میں بھی بعض اوقات مسلمانوں کے لئے سڑکوں پر آزادی سے گھومنا مشکل ہوجاتا کیوں کہ ہندو والنٹیرس ان کو "گرفتار" کرکے جیل روانہ کرسکتے تھے۔ ہندوستانی فوج کی موجودگی سے ہمت پاکر دیہاتیوں نے روزانہ مسلمانوں کے مکانوں اور دوکانوں کو لوٹا۔ مثلاً الوال، بیگم پیٹ اور سکندرآباد میں (یہ سب فوجی علاقے ہیں) فوج کی ناک کے نیچے مکانوں اور اسٹورس کو لوٹا گیا۔ اگر چہ کہ ضلعی مستقروں پر نسبتاً امن ہے مگر دور کے دیہاتوں میں صورت حال غیر اطمینان بخش ہے۔ یہاں غنڈہ راج عام ہے۔ وہ مسلمان جو دیہاتوں سے نکل چکے ہیں یا صدر مقام پر جمع ہوگئے ہیں واپس ہونے کی ہمت نہیں کرسکتے۔ جو چند واپس ہوئے انھیں نقصان اٹھانا پڑا یا وہ قتل کردیئے گئے۔

اجنبی عہدہ داروں کا رویہ۔ ان لوگوں کا رویہ جو اس ریاست میں عہدہ داروں کی حیثیت سے آئے

www.taemeernews.com

آئے ۔ حیدرآبادی عہدہ داروں کے تعلق سے حقارت کا ہے ۔ مقامی عہدہ داروں سے نہ مشورہ لیا جاتا ہے اور نہ انھیں میٹنگس میں بلایا جاتا ہے ۔ بعض دفعہ حیدرآبادی عہدہ داروں کو ذلیل کیا جاتا ہے ۔ بعض (ہندوستانی) مرکزی عہدہ داروں نے جنہوں نے بے تعصبی کا ثبوت دیا ۔ غنڈوں کو حراست میں رکھ کر امن و سلامتی قائم کرنے کی کوشش کی ۔ ان کوششوں سے قدرے امن قائم ہوا ہے ۔ لیکن ان صاف ذہن عہدہ داروں کے خلاف ہندو غنڈوں کی مسلسل شکایتوں نے امن کے قیام کی کوششوں کو مشکل بنادیا ہے ۔ اعلی عہدہ داروں نے امن و نظم کو نافذ کرنے کی کوشش کررہے ماتحت پولیس عہدہ داروں کی تائید نہیں کی جس کی وجہ سے مسلمانوں کے لئے دیہات مکمل طور پر غیر محفوظ بن گئے ہیں ۔

(یہاں سے دیہاتوں کا ضلع واری ذکر شروع ہوتا ہے ۔ ع ۔ خ)

شاہ گڑھ ، تعلقہ امبڑ ضلع اورنگ آباد ۔ فوج ۱۸ ستمبر کو صبح آٹھ بجے پہنچی ۔ فوج اور غنڈے مسلح ڈاکہ زنی میں مصروف ہوگئے ۔ جب کہ کسی کو ہلاک نہیں کیاگیا ۔ دس نوجوانوں کو پکڑا گیا اور امراوتی جیل لے جایاگیا ۔ ہندوستانی سپاہیوں نے کئی عورتوں کی آبروریزی کی ۔ ان مظلومین میں بعض کے نام ہیں : معصوم بی زوجہ عبدالستار ، رشیدہ بی زوجہ عثمان ، فتح محمد کی ایک لڑکی ۔ لوٹا ہوا مال واپس نہیںکیاگیا اور کسی مجرم کو گرفتار نہیں کیاگیا گونڈی امبڑ کے پولس سب انسپکٹر سمیع الدین کے بارے میں جس کو پہلے فوج نے پکڑ لیاتھا ، بیان کیا جاتا ہے کہ سپاہیوں نے قتل کردیا ۔ اس وقت جبکہ تشدد انتہا پر تھا ، پنڈت راو پٹواری نامی ایک مقامی باشندے نے مسلمانوں کی بڑی مدد کی ۔

امبڑ ضلع اورنگ آباد ۔ : موتی لال ، شیخ عباس اور عبدالغفار کے بموجب ملٹری کاروائیوں سے پہلے رضاکاروں نے کسی جرم کا ارتکاب نہیں کیا ۔ ہندوستانی فوج یہاں ۱۵ ستمبر کو پہنچی ۔ اس دن کوئی لوٹ مار نہیں ہوئی ۔ چار دن بعد فوجی دستے واپس ہوگئے اور ان کے اکسانے پر تمام مسلم مکانوں اور دوکانوںکو لوٹ لیاگیا ۔ بعد میں پولس نے کم قیمت کے کچھ مال کو برآمد اور مالکین کو واپس کیا ۔ جوڈیشیل کورٹ کے ایک چپراسی جلیل کو ایک راجپوت لڑکے نے قتل کیا ۔ محکمہ تعمیرات کے ایک ڈرائیور کو جس نے ڈاک بنگلہ میں پناہ لی تھی سکھ سپاہیوں نے گولی مار کر ہلاک کردیا ، دوسرے دو لوگ مرنے سے بچے مگر زخمی ہوئے ۔ یہاں سپاہیوں نے عورتوں کی آبروریزی نہیں کی ۔ فوج کے آنے پر بعض مقامی مسلمان اطراف کے دیہاتوں کو چلے گئے ۔ امبڑ تعلقہ کے ترسٹر گاؤں میں گاؤں کے پٹیل نے کئی مسلمانوں کی مدد کی ۔ جام کھیڑ گاؤں کے دو مسلمانوں کو سپاہیوں نے گولی مار کر ہلاک کردیا ۔

www.taemeernews.com

عبدالقادر کے بموجب غنڈوں نے فوج کی موجودگی میں مسلمانوں کے مکانوں کو لوٹا۔ قبل ازیں [illegible] ملٹری ایکشن سے پہلے سری نواس راو وکیل کو رضا کاروں نے سنگدلی سے قتل کردیا تھا۔ بعض ہندوؤں کے مکانوں کو بھی رضاکاروں نے لوٹا تھا۔ ملٹری ایکشن کے بعد تقریباً ۲۵ مسلمان قتل کئے گئے۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔ محی الدین، شرف الدین، عبدالحفیظ، محی الدین کریم شاہ، اور لالہ امام۔ بعض مسلم خواتین کی آبروریزی کی گئی مگر مرد ان کے نام بتانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

جالنہ: فوج کے پہنچنے پر جالنہ میں باشندوں کو میدان میں جمع کیا گیا۔ مسلم باشندوں کو مبینہ رضا کاروں اور غیر رضا کاروں میں تقسیم کیا گیا۔ مبینہ رضا کار سرسری جانچ کے بعد گولی مار کر ہلاک کئے جانے والے تھے۔ مسلمانو ںنے انکار کیا کہ کسی رضا کار نے کسی کو ہلاک کیا یا لوٹا ہے۔ جب مسلمان یہ بات بیان کررہے تھے اس وقت کئی مرکزی عہدیدار موجود تھے۔ اور کسی نے بھی اس بیانپر اعتراض نہیں کیا ایک اسکول ٹیچر سید طاہر علی پر کسی نے رضا کار ہونے کا الزام لگایا جس پر اس کو رضا کار کیمپ پہنچادیاگیا۔ اس اسکول ٹیچر کے بعض ہندو طلباء نے مداخلت کی اور اس کی نیک نیتی کی ضمانت دی جس پر وہ بچ گیا۔ باقی تمام مسلمانوں کو، حفا خاں اور رضا خاں جیسے غیر رضا کاروں کے بشمول کسی کے اس الزام پر کہ وہ رضا کار ہیں گولی مار کر ہلاک کردیا گیا۔

بیڑ: فوج یہاں ۱۷ ستمبر کو تقریباً ۳ بجے پہنچی۔ ایک دن پہلے سے مسلم دوکانیں لوٹی جارہی تھیں۔ سونا اور نقد سپاہیوں نے چھین لیا۔ اور دوسری منقولہ اشیاء مقامی غنڈوں نے لوٹ لیں۔ خانہ تلاشی کے بہانے (۱۵۰) تا (۲۰۰) مکانوں کو فوجیوں اور غنڈوں دونوں نے لوٹا جن مسلمانوں نے بھاگنے کی کوشش کی ان پر ہندوؤں نے رضاکار ہونے کا الزام لگایا۔ اور نتیجتاً ۱۷ ستمبر کو انھیں گولی مار کر ہلاک کردیاگیا۔ ان مظلوموں میں چند یہ ہیں۔ عزیز خاں، گلاب خاں، سید جعفر، جانی میاں، عابد سلیم، یوسف خاں، پیشکار کو اس کے لڑکے ساتھ غنڈوں نے مسجد میں قتل کردیا، مسعود خاں، محکومہ آبکاری (اکسائز) میں کام کرنے والے ایک جوان کو زندہ جلادیاگیا۔ احمد بخش خاں جمعدار پولس کو گولی ماردی گئی۔ جعفر بیگ اور اس کے بھائی اسماعیل بیگ ایڈیشنل جمعدار کو ہلاک کردیاگیا۔ ان کی نعشیں نیم گاؤں میں پائی گئیں۔ وکیل عبدالوحد صاحب کو گولی مار کر ہلاک کیا گیا ان کی دو جوان لڑکیاں لاپتہ ہیں۔ ان لاپتہ لڑکیوں میں سے ایک سے منسوب نوجوان عابد سلیم کو بھی ہلاک کردیا گیا۔

کھرکی دیولہ تعلقہ بیڑ۔ یہاں فوج نہیں پہنچی تاہم غنڈوں نے ۹ مسلمانوں یعنی محمود، چنو، عبدالقیوم، عبدالغفور، اعجاز احمد، غلام رسول، سراج الدین احمد، علی عبداللہ کو قتل کیاگیا۔ دو، سلیم اور سید بچ گئے مگر زخمی ہوگئے۔

www.taemeernews.com

کام کھیڑا نیلو، بیڑ۔ یہاں دو مسلمان مارے گئے، شیخ محمود اور اس کی بیوی۔ اس شخص کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور اس کے مکان پر حملہ کیا گیا اور لوٹ لیا گیا جس نے حکام کے آگے یہ بیان دیا تھا۔

منجھلے گاؤں بیڑ، گولے گاؤں تعلقہ گیورائی: سید عبداللہ کی موٹر کار اور ایک دوکان کو جلایا اور لوٹ لیا گیا محفوظ مقامات کو چلے جانے والے مسلمانوں کے مکانوں اور دوکانوں کو جلایا اور لوٹا گیا۔ اکثر لٹیرے پڑوسی تھے کچھی رنگون والا کی دوکان کو ہاتھ نہیں لگایا گیا۔ دادا میاں کے بموجب، جمال الدین نامی ایک مقامی باشندے کے مکان کو تقریبا (۳۰) غنڈوں اور ہندوستانی فوج کے نشہ کئے ہوئے سپاہیوں نے لوٹ لیا۔ یہ شخص (جمال الدین) نہ رضاکار تھا اور نہ کسی دوسری پارٹی کا رکن تھا۔ غنڈوں نے اسکو مکان سے کھینچ کر باہر نکالا اور مار دیا۔ نشہ کئے ہوئے دو جوان ایک اور باشندے جبار میاں کو اپنی جیپ میں لے گئے اور جنگل میں گولی مار کر ہلاک کردیا۔ (۷۰) فیصد مسلم مکانات لوٹے گئے۔ ملٹری کاروائی سے پہلے کسی رضاکار ظلم کی اطلاع نہیں ملی۔

مورم تعلقہ تلجاپور ضلع عثمان آباد: یہاں کی کل آبادی (۹) تا (۱۰) ہزار ہے مسلمانوں کی تعداد تقریبا (۸۰۰) ہے۔ دو مقامی مسجدیں منہدم کردی گئیں، تیسری ابھی کھڑی ہوئی ہے۔ یہاں صرف ۲۰ - ۲۵ مسلمان ابھی زندہ ہیں۔ فوج یہاں ۱۴ ستمبر کو پہنچی، تقریبا ۲۰ - ۲۵ مسلمانوں کو فوج نے گولی مار کر ہلاک کردیا۔ فوج یہاں ایک، ڈیڑھ گھنٹہ ٹھری رہی اور چلی گئی کوئی گرفتاری عمل میں نہیں آئی اور کوئی ہتیار ضبط نہیں کیا گیا ۱۵ ستمبر کو وہ ہندو جو قبل ازیں دیہات سے جاچکے تھے واپس آئے اور مسلمانوں سے ہتیار چھین لئے۔ ۱۶ ستمبر کو انڈین یونین کے علاقہ کے کوماسگی اور جولگاتدا گاؤں سے (۲۰) (۳۰) ہزار غنڈے آئے ایک ہزار مسلمانوں کو ان غنڈوں نے قتل کردیا۔ قتل کا طریقہ تھا کہ مسلمانوں کو ہتھکڑی لگا کر گھروں سے کھینچ باہر نکالتے اور گولی مار کر ہلاک کردیتے۔ تفتیش کرنے والوں کے پاس یہاں وقت کم تھا ان کو صرف ایک گھر میں عورتیں مل سکیں۔ ان عورتوں کے رشتہ دار مارے گئے۔ جن کے نام درج ذیل ہیں۔ مہتاب، مالن بی کا شوہر، محبوب پاشاہ، بشیر احمد، حلیم بی کے تین بیٹے، لیاقت علی، بالن کا شوہر، شجاعت بی کا شوہر، نذیر علی اور شجاعت کا بھائی ابراھیم، حفیظ بی کا باپ مدار علی، شوہر سائل، بیٹا لیاقت علی، چچا قادر علی اور اس کا بیٹا سیفان، حلیم بی کا باپ ابراھیم، شوہر عباس، دو بھائی محبوب اور حسن، زہرہ بی کا باپ ملنگ صاحب، خسر لاڈلے صاحب اور بیٹا لیاقت علی، خورشید بی کا شوہر امیر علی اور خسر قاسم صاحب۔ جو گھر بچے ہوئے ہیں وہ بہت ہی غریب مسلمانوں کے ہیں۔ مقتول اور متوسط مسلمانوں کے گھر، ان کے گھریلوں جانوروں کے ساتھ لوٹ لئے گئے۔ مقتول مسلمانوں کو گہرے کنوؤں میں پھینک دیا گیا۔ ہندومت میں زور زبردستی سے تبدیلی مذہب کے کسی واقعہ کی اطلاع نہیں ملی۔ ایک کانگریس لیڈر کے

www.taemeernews.com

بموجب ۴ تا ۵ سو مسلمان مارے گئے ۔

گنجوٹی پائیگاہ ضلع عثمان آباد ۔ یہاں مسلمانوں کے پانچ سو مکانات ہیں ۔ دو سو مسلمانوں کو غنڈوں نے قتل کردیا ۔ فوج مسلمانوں سے ہتیار ضبط کرچکی تھی ۔ چونکہ مسلمان نہتے کردئے گئے تھے اس لئے غنڈوں نے قتل عام کیا ۔ فوجیوں نے مسلم عورتوں کی آبروریزی کی ۔ گنجوٹی کی رہنے والی پاشاہ بی کا بیان ہے کہ فوج کے پہنچنے کے بعد گنجوٹی میں گڑبڑ شروع ہوئی ۔ تمام جوان مسلم خواتین کی یہاں آبروریزی کی گئی ۔ عثمان صاحب کی پانچ بیٹیاں اور قاضی کی چھ بیٹیوں سے زنا کاری کی گئی ۔ غنڈوں نے محمد سلطان کی تین غیر شادی شدہ بیٹیوں کی آبروریزی کی ۔ اسماعیل صاحب سوداگر کی لڑکی کی آبروریزی سائی یا چار کے گھر میں ایک ہفتہ تک کی جاتی رہی ۔ ہر ہفتہ سپاہی عمرگہ سے آتے تمام رات زنا کاری کرتے صبح یہ جوان مسلم لڑکیاں گھروں کو بھیج دی جاتیں ۔ یہ کام گوجر چند کے مکان پر کئی ہفتوں تک ہوتا رہا ۔ مہتاب تامبولی کی بیٹیوں کو ہندوؤں نے تقسیم کرلیا تھا ۔ ایک برگا جولاہے کے گھر میں ہے ۔ عبدالرحمن صاحب کی لڑکی ابھی نرسنگا چاری کے پاس ہے ۔ برکت کی لڑکی مسلسل آبروریزی کی وجہ سے کسی نامعلوم مقام کو فرار ہوگئی ہے ۔ حسن صاحب کی بیٹی اور بہوؤں کی غنڈوں اور سپاہیوں نے آبروریزی کی ۔ لاڈلے صاحب کی لڑکی کی آبروریزی بزنس مین شنکر کے رشتہ دار چندو نے کی اور وہ ابھی اس کے پاس ہے ۔ اسماعیل صاحب کی بیوی اور بیٹیوں سے فوج کے لوگوں نے زناکاری کی ۔ روشن بی کا بیان ہے کہ فوج کے آنے کے بعد دو سو مسلمان مارے گئے ۔ (۱۲) نوجوانوں کو سپاہیوں نے گولی سے مار ڈالا ان میں چند یہ ہیں ۔ عبداللہ خاں ۔ گھڑو صاحب ۔ منور صاحب (معذور) رحمت خاں شتر سوار ۔ عباس صاحب ۔ اکبر صاحب ۔ حیدر صاحب ۔ اعظم صاحب (بالکل اندھے) اور قاسم صاحب ان تمام مردوں کو ان کی عورتوں کے سامنے گولی ماری گئی ۔ ڈیڑھ مہینے تک ہنگامہ چلتا رہا ۔ دسہرہ پر تین مسلمانوں ۔ سکندر ۔ محمود ۔ اور محبوب کو قتل کیا گیا چند بچوں کو بھی قتل کیا گیا مثلاً (۱۰) سالہ شبیر فوج کے سامنے لوٹ مار ہوئی ۔ مسلم گھروں میں کوئی چیز نہیں چھوڑی گئی ۔ کان کے زیور کھینچ کر نکال لے گئے ۔ بوڑھوں کی داڑھیاں جلائی گئی ۔ جامع مسجد کے مینار گرادئے گئے اور مسجد کے اندر بت رکھ دیا گیا ۔ جہاں اب تک بھجن ہو رہا ہے ۔ شیخ احمد اور فضل الدین کو جبرا ہندو بنایا گیا اور ان کو مندر میں بھجن گانے کے لئے مندر لے جایا جاتا ہے ۔ سید راحت پاشاہ قادری کے مقبرہ کو زمین دوز کرکے میدان بنادیا گیا ایک اور مسجد بھی گرا دی گئی ۔ مسلمان کسانوں کی فصل کا نیلام بنیوں کی جانب سے کیا جارہا ہے ۔ گنجوٹی کے بارے میں اوپر کے بیان کی تصدیق کرنے والے مردوں اور عورتوں کے نام یہ ہیں ۔ پاشاہ بی ۔ حیدر علی ۔ روشن بی ۔ دولت بی ۔ جنت بی ۔ بیگم بی ۔ عبدالقادر ۔ نثار احمد ۔ عبدالحفیظ ۔ سید منجھلے ۔ داود خاں اور محمد خاں ۔ محی الدین بی ملٹری کاروائیوں کے دوران گلبرگہ چلی گئی اور وہاں ڈیڑھ مہینہ رہی اس کے بعد گنجوٹی کے چند ہندو لڑکے بیٹے شیخ حاجی کو اس یقین دہانی پر لے آئے کہ امن بحال ہوگیا ہے ۔ دیہات پہنچنے پر شیخ حاجی کو ہلاک کردیا گیا وہ چار بچوں کا باپ تھا ۔ دیہات کے دوسرے مسلمانوں کے

www.taemeernews.com

مکان کی طرح اسکا بھی مکان لوٹا گیا۔ اس بیان کے وقت محی الدین بی سسکیاں لے کر رو رہی تھی۔

چنگوبہ بزرگ تعلقہ کلیانی جاگیر ضلع بیدر۔ اسماعیل بی کا بیان: فوج آئی اور مسلمانوں سے ہتھیار چھین لے گئے۔ یہاں مسلمانوں کے (۲۱) گھر ہیں۔ سپاہیوں نے کوئی چیز نہیں لوٹی۔ سپاہیوں کے جانے کے بعد یہاں کے اور اطراف کے دیہاتوں کے غنڈے یہاں جمع ہوئے اور کسی کو چھوڑے بغیر تمام مسلم مکان لوٹ لئے گئے۔ (۲۰۰) مسلمانوں کو ذبح کیا گیا۔ گھر کے جانور بھی چرالئے گئے۔ مسلمانوں کے کھیتوں پر اب غیر مسلموں کا قبضہ ہے اور مسجد گرادی گئی ہے۔ اس بیان کی تصدیق لال شاہ اسماعیل نے کی۔ مولاشاہ اور جمال شاہ کے قاتل شرنپا اور اپا راو ہیں۔ مولابی، رسول بی اور بیٹی خضرن کو گڈا نامی مالی پٹیل نے پکڑ لیا۔ خضرن سے گڈا روز زنا کاری کرتا ہے۔

موضع سروری تعلقہ کلیانی جاگیر ضلع بیدر۔ قیصری بی کا بیان: یہاں تقریباً دو سو مسلمانوں کو کاٹ دیا گیا۔ دٹھل راو اور تلسی رام دو غنڈوں نے زہرہ بی اور شریفہ بی کو رکھیل بنا کر رکھ لیا ہے۔

متالا تعلقہ تل ناگا ضلع بیدر: غفور الدین ولد نور محمد، پاشاہ صاحب، احمد صاحب، سید حسین اور کریم صاحب کا بیان: متذکرہ ذیل مردوں کو انڈین یونین پولس نے مار ڈالا: عیسیٰ صاحب، عبدالقادر اور بشیر احمد ان کو مارنے سے پہلے ان کے گھر لوٹ لئے گئے۔ متذکرہ ذیل اصحاب کو مقامی غنڈوں نے مار ڈالا۔ اکبر صاحب، احمد صاحب، چھوٹے میاں، ابراھیم صاحب، عبدالرزاق صاحب، اسماعیل صاحب، عثمان صاحب، رفیع الدین صاحب، محمود، مہتاب صاحب، پتھرو میاں، موسیٰ صاحب، چورو صاحب، یاد اللہ اور وزیر صاحب۔ ایک نوجوان لڑکی مہرن کو انڈین یونین پولس نے پکڑلیا جب احمد صاحب نے اس کو چھڑانے کے لئے مداخلت کی تو اس کو مارا پیٹا گیا بعد میں بعض صاف ذہن ہندووں نے اس کو پولس سے رہا کرایا۔ مقامی مسجد کو مندر میں تبدیل کر دیا گیا اور اسس میں امبہ بائی (مقامی دیوی) کی مورتی نصب کردی گئی۔ گاوں کا پٹواری کہتا ہے کہ تیس سے چالیس مسلمانوں کو کاٹ کر مارا گیا۔ مسلمانوں کا ادعا ہے کہ تقریباً ۵۰ مارے گئے۔ چونکہ انڈین یونین پولس نے عزت ریزی کی تھی اس لئے ایک نوجوان عورت حسین بی نے اپنے دو شیر خوار بچوں کے ساتھ کنویں میں چھلانگ لگا کر خودکشی کرلی۔

دھرم پیٹھ، متالا۔ یہاں تمام مسلم گھر لوٹے گئے جن میں لوہے کے دروازے والے گھر بھی شامل ہیں۔ پانچ مسجدوں کو مندروں میں تبدیل کر دیا گیا۔ حشمت بی اور حفیظ بی کے شوہر قتل کئے گئے۔

www.taemeernews.com

جیورگی ضلع گلبرگہ : محمد یاسین ، عبدالقادر ، سید صوفی ، لال محمد ، محمد خواجہ اور عبدالغنی کا بیان : ہندوستانی فوج یہاں یکم اکتوبر ۱۹۴۸ء کو آئی اس کے فوری بعد لوگوں نے ۶۰ ۔ ۷۰ مسلمانوں کے گھروں اور دوکانوں کو لوٹا ۔ غنڈوں نے سولہ سالہ لڑکے محمد عمر علی اور دیگر ۲۵ نوجوانوں کو پکڑلیا جنھیں گولی مار دی ۔ علی مرجانے کا بہانہ کرکے بچ گیا ۔ ہم نے علی کے جسم پر کلہاڑی کے زخم کے نشان اور گردن پر تلوار کا نشان دیکھا ۔ مارے گئے (۲۵) نوجوانوں میں سے سات کا تعلق چکلی سے تھا ۔ جن کے نام چنو میاں ، بابا میاں ، خواجہ پٹیل کے رشتہ دار ، شیخ احمد کانسٹبل اور شیخ علی تھے ۔ جیورگی سے تعلق جن کا تھا وہ یہ ہیں ۔ پاشومیاں ، عبدالقادر ، باغبان علی ، فقیر احمد (تحصیل کا چپراسی) لانڈولا کا عبداللہ ، اسماعیل صاحب کمپونڈر ، احمد حسین ، لال محمد صاحب ، گھرڈو صاحب ، پان بیڑی والا عثمان صاحب ، کاشتکار احمد یادگیری اور بابا پٹیل ۔ ہندوستانی فوج اور پولس واقف تھی کہ یہ قتل عام ہونے والا ہے لیکن جیورگی کے پٹواری یابا راو کے بموجب انھوں نے روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی ۔ قتل کے دوران ہندوستانی پولس کے سب انسپکٹر ایس پی پٹیل دوسری طرف دیکھتے رہے فوج نے لال احمد کی دوکان پھوڑی کی اور لوٹ لیا ۔ اب دو تین مسلم مکانوں پر غنڈوں کا قبضہ ہے ۔ پٹواری کے بموجب خود اس نے جنگل میں ۲۲ نعشیں دیکھیں ۔ ان میں سے (۱۱) کی شناخت ہوئی اور تدفین کے لئے ورثاء کو دے دی گئی ۔ پٹواری نے اس کی تصدیق کی کہ نہ ہی رضاکاروں نے اور نہ ہی پٹھانوں نے ملٹری کاروائی سے پہلے کوئی ظلم کیا ۔ رضا کاروں کا تشدد صرف حیدرآباد ہندوستان سرحد کے دیہاتوں میں ہوا ۔

گلبرگہ : یہاں فوج کے پہنچنے کے بعد لوٹ شروع ہوئی ۔ لوٹ کے دوران سپاہیوں نے کسی کو نہیں روکا اور مداخلت بھی نہیں کی ۔ خود سپاہیوں نے کلب اسٹور لوٹ لیا ۔ مسلم آبادی (۲۵) ہزار کے لگ بھگ ہے ۔ اطراف کے دیہاتوں سے تقریباً (۸)(۹) ہزار مسلمانوں نے درگاہ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز میں پناہ لی تھی ۔ دو یا تین دن پہلے ان لوگوں کو درگاہ خالی کرنے کا حکم دیا گیا ۔ بعد میں پولس نے زبردستی ان کو لاریوں کے ذریعہ دیہاتوں میں پہنچایا ۔ جہاں کئی قتل کردیے گئے ، منتشر کردیئے گئے مسلمان گلبرگہ کی سڑکوں پر سردی سے ٹھٹھر رہے ہیں ۔ مال داروں کے گھروں کو لوٹا گیا اور بلا تفریق سب دوکانوں پر ڈاکہ ڈالا گیا ۔ گھروں کی لوٹ مار میں سپاہیوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اس فساد کے ایک مظلوم عبدالباری نے (۵۰) ہزار روپے کے نقصان کے معاوضہ کی پولس میں درخواست پیش کی جس پر اس کو مطلوبہ رقم کی فروخت کا ثبوت پیش کرنے کے لئے کہا گیا ۔ عبدالباری نے پولس سے کہا کہ حسابات کے کھاتے یا تو چرالئے گئے یا جلا دیئے گئے یہ جواب سن کر پولس نے اس پر دروغ بیانی کا الزام لگایا اور ہتک کا مقدمہ کرنے کی دھمکی دی ۔ دھمکی کام کرگئی اور معاوضہ طلب کرنے کا جنھوں نے ارادہ کیا تھا وہ اپنے ارادے سے باز آگئے ۔ اکسائز ڈپارٹمنٹ کے

www.taemeernews.com

اکاونٹنٹ (محاسب کروڑ گری) کے بچوں نے کنوؤں میں کود کر خودکشی کرلی۔ سپاہیوں نے ان کے گھر میں داخل ہو کر گھر والوں کی بے عزتی کی تھی۔ ایم۔ ایس۔ ے مٹر کی مسجد ڈھادی گئی۔ نوتن ودیالیہ کے قریب ترنا ترت بی کے مقبرہ اور عاشور خانہ کو ڈھا دیا گیا اور اس کے پتھر ایک مکان کی تعمیر کے لئے استعمال کئے جارہے ہیں، رام مندر کے سامنے نعل صاحب کے عاشور خانہ میں ہنومان کی مورتی بٹھا دی گئی۔ بہمنی پورہ میں کمبٹ چلہ کو توڑ دیا گیا۔ مور کمان مندر کے قریب سپاہیوں نے رسول بی کی بیٹیوں سے جبری زنا کاری کی۔ کئی دن تک سپاہی نوجوان مسلم لڑکیوں کو پکڑتے، جبری زنا کاری کرتے اور ٹرکوں میں ان کو گھروں تک پہنچاتے رہے۔ جبری زناکاری میں فوجی آفیسر بھی ملوث رہے۔ خانہ تلاشی کے بہانہ سپاہیوں نے مسلم گھروں کے زیورات لوٹے۔ اور فوج نے تقریباً سو مسلمانوں کو گولی سے مار دیا۔

موضع کچگل ہیری تعلقہ یادگیر: سید عبدالقادر اور محمد غوث کی دو کانوں کو لوٹا گیا۔ کسی کا قتل نہیں ہوا مسلمان بھاگ کر کہیں اور چلے گئے۔

ہوسالی تعلقہ یادگیر: یہاں دو مسلمان مارے گئے۔ فتح علی کی بیٹی اور بہو سے جبری زناکاری کی گئی۔

گرمٹکال تعلقہ یادگیر: مسلمانوں کی اکثر دوکانوں کو لوٹ لیا گیا۔ پیش امام کی بیوی سے جبری زنا کاری کی گئی۔

کیری چوڑ تعلقہ یادگیر: پانچ مسلمان مارے گئے اور ان کے مکانات لوٹ گئے۔

پلپکر تعلقہ یادگیر: مسلمانوں کی دوکانوں کو لوٹا گیا اور بوڑھے مسلمانوں کی داڑھیاں منڈھادی گئیں۔

ہرلنڈاگورا تعلقہ چیتاپور: مسلمانوں کو لوٹا گیا۔

شوراپور ضلع گلبرگہ: سید قاسم بخاری کا بیان: یہاں ۲۴ / آبان کو ہنگامہ شروع ہوا۔ بڑی مسجد اور اطراف کی دوکانیں پہلے لوٹی اور پھر جلائی گئیں۔ سید غوث بخاری کی لاری (ٹکسی نمبر ۲۶۴ گلبرگہ شریف) کو ضبط کرلیا گیا۔ اور اب یہ پولس کے قبضہ میں ہے لاری میں سے تمام قیمتی اشیاء ضبط کرلئے گئے۔ اس کی ہوٹل بھی لوٹی اور جلائی گئی۔ محمد عبدالقادر کی پانچ دوکانوں اور ایک گودام کو بھی لوٹا گیا۔ محمد اکبر کی کرانہ دوکان اور

www.taemeernews.com

گودام کو بھی لوٹا گیا۔ لیکن ان دوکانوں کی عمارت کو نہیں جلایا گیا۔ کیوں کہ یہ عمارت ایک مندر کی ہے۔ سید محمد مدنی کی دوکان اور ہوٹل لوٹی گئی۔ عبدالرحیم صاحب کا بیڑی کا کارخانہ لوٹا اور جلایا گیا۔ ۲۰۔ ۲۵ مسلمان زیادہ تر غنڈوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ شاہ عالم بیگ (جیوڈیشل کورٹ کا چپراسی) عمر بیگ ولد شاہ عالم بیگ، عبدالقادر صاحب (ساہوکار محلہ) یوسف بیگ (طالب علم) شیخ حسن (بیڑی فروش) سید حسن (تاجر جوار) مرزا بیگ (اسکول کا چپراسی) اور محمد حسین (دوکاندار)۔ قتل و آبروریزی ۲۴ آبان سے ۲۷ تک جاری رہی۔ فوج کے پہنچنے پر خون ریزی بند ہوئی مگر بجز قصاب محلوں کے دوسرے محلوں میں مکانوں کی لوٹ مار جاری رہی۔ جو لوگ مارے گئے ہیں ان میں یہ شامل ہیں:۔ عبداللہ ساہوکار، محمد قاسم، سلیم بیگ (چپراسی)، راج محمد (چپراسی) محمد ہاشم (کانسٹبل) محمد یاسین ملا، عبدالغفور، سرور خاں، پہلوان خاں، جنید خاں، سید ابراہیم، شیخ ابراہیم، اشرف حسین، عبدالحمید، جانی میاں، دو عرب لڑکے جن کے نام معلوم نہیں۔ فقیر محمد، عبدالکریم، بڈھن خاں اوپر کے بیان کی تصدیق سید قاسم، سید احمد حسین اور شیخ محبوب نے کی۔

یادگیر ضلع گلبرگہ: کل (۲۵) ہزار کی آبادی میں مسلمانوں کی کل آبادی یہاں پانچ ہزار ہے۔ صرف ایک مسلمان سلیم کو غنڈوں نے قتل کیا۔ ذیل میں درج لوگوں کی دوکانیں لوٹی گئیں۔ عبدالرسول بادل، پیر محمد بادل، عبدالسبحان بیجاپوری، عبدالرحمن استاد، ابوالحسن ساگر والے (ان کا گھر، دوکانات اور گودام لوٹے گئے)۔ حاجی سید عبدالحمید بادل، شیخ حسن احمدی، عبدالقیوم گوگی۔ قبل ازیں یعنی ملٹری کاروائی سے پہلے رضاکاروں نے ہندوؤں کی دوکانوں کو نہیں لوٹا تھا البتہ چند آریہ سماجیوں کو مارا پیٹا گیا تھا۔ ہندوستانی فوج کی یہاں پہلے پہنچنے والی ٹکڑی گورکھاؤں کی تھی۔ جنھوں نے مسلمانو ںکو نقصان نہیں پہنچایا۔ سپاہیوں کی دوسری ٹکڑی، سکھوں نے مسلم گھروں کو لوٹا۔ نہ صرف یہ کہ سپاہیوں نے لوٹ مار کو نہیں روکا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے اسٹین گن دکھا کر مسلمانوں کو دوکانات بند کرنے سے روکا۔ تاکہ لوٹ مار میں سہولت ہو۔ دھنگر ملیا (پٹواری۔ ؟) نے لوٹ مار کو روکنے کی کوشش کی لیکن کسی نے اس کی نہیں سنی۔ دو سکھ سپاہی عبدالحمید نمبر انداز (ایک دیہی سرکاری اہلکار) کے گھر میں زبردستی داخل ہوئے۔ اور اس کی بیوی کی آبروریزی کی کوشش کی لیکن جب دھمکایا گیا تو بھاگ گئے۔ فیض یا اسلامی ٹوپی (رومی / ترکی ٹوپی) پہننے والے مسلم طلباء کو ہندو طلباء ستاتے دھمکاتے ہیں۔ آج کل مسلمان فیض ٹوپی پہننے سے خوف کھاتے ہیں۔ لڑکیوں کے اسکول کی خادمہ امام بی کی ایک سپاہی نے آبروریزی کی۔

کھمبائی تعلقہ شوراپور: مسلم مکانوں کو لوٹا اور جلایا گیا۔

سیڑم ضلع گلبرگہ: نائب تحصیل دار اشفاق احمد کو کسی وجہ کے بغیر جوڈیشل معالمت دار نے تین دن

www.taemeernews.com

جیل میں محروس رکھا۔

موضع گاواں تعلقہ جیورگی: سید مصطفےٰ ولد سید قاسم کرانہ مرچنٹ کا بیان: یہاں مسلمانوں کے تقریباً (۴۲۵) گھر تھے ۔ گڑبڑ کے دوران فوج پہنچی، قتل ہونے والوں میں یہ لوگ شامل ہیں ۔ پٹھان حسین ، غیبو ، جعفر ، اسماعیل ٹوٹیکر ، اسماعیل صدر (سب رضا کار) فخرالدین ، شیخ ہادی کا نوکر ، (ڈاک کلرک) ۔ اس سے قبل ہندوؤں سے زبردستی چندہ وصول نہیں کیا گیا ، تمام مسلم مکان لوٹے گئے ۔ دو مسلم محلوں میں سے ایک کو پورا جلا دیا گیا ۔ اور دوسرا جزوی طور پر جلایا گیا ۔ عورتوں کی آبروریزی نہیں کی گئی ۔ سید احمد سوداگر کی زبان اور داڑھی کو جلایا گیا اور اس کے (۲۰) ہزار روپے چرالئے گئے یہ ابھی تک گاؤں میں ہیں ۔ مسجد گرادی گئی اور اس میں ایک مورتی نصب کردی گئی کل (۱۴) مسلمان مارے گئے ۔

کملاپور سب اسٹیشن باوز ۔ مہاگاوں: ہیڈ پولس کانسٹبل حافظ علی کو ہندو بننے پر مجبور کر کے اس کا نام سائی یا ویر بھدر کردیا گیا ۔ پولس انسپکٹر گلبرگہ علی پٹیل کو قتل وغیرہ کے الزام میں جیل میں رکھا گیا ۔

کوگی تعلقہ شاہ پور: شاہ پور میں مارے گئے کوگی کے مسلمانوں کے نام شاہ پور کی فہرست میں نہیں ۔ درج ذیل بیان پاشاہ حسینی کی بیوی خواجہ بی ، عبداللہ صاحب کی بیوی حسین بی ، زینب بی ، قاسم بی ، صوفی ماں ، فاطمہ بی ، زہرہ بی ، امام بی ، بڑی بی ، چاند بی اور لاڈلی بی نے دیا ۔ یہ بیان سید مرتضیٰ حسینی کے گھر میں دیا گیا ۔ کہ شاہ پور میں مارے جانے والے مسلمانوں کے نام یہ ہیں ۔ حسینی پیراں (بڑی سنگدلی سے مارا گیا؟) مرتضیٰ حسینی ، چاند حسینی ، مرشد پیر پاشاہ محمد حسینی کے بیٹے ، محمود قادری ۔ قاسم حسینی کی لاش مار دینے کے بعد جلا دی گئی ، عبداللہ اور چندا صاحب بھی شاہ پور میں مارے گئے ۔ درج ذیل عورتوں نے ہمارے سامنے گواہی دی ۔ ان کے اور مارے گئے ان کے مرد رشتہ داروں کے نام بھی ذیل میں درج میں ہیں

۔ صوفی ماں ـــ شوہر خواجہ صاحب اور بیٹا سرمدالدین (۱۴) سالہ ۔ خواجہ بی ـــ دو بیٹے عبدالصمد اور عبدالملک ۔

قاسم بی ـــ بیٹا محمد صاحب (۳۰) سالہ

امام بی ـــ شوہر چندا صاحب اور چچا فقیر صاحب

لال بی ـــ شوہر شیخ چاند

فاطمہ بی ـــ شوہر خواجہ صاحب اور بیٹے حسین اور سرمد

باندی بی ـــ دو بھائی محبوب اور امام اور داماد پاشاہ

بڑی بی ـــ شوہر محبوب اور محبوب کا بھائی احمد

دوسرے جو مارے گئے وہ یہ ہیں نور عالم حسینی ، راجہ صاحب اور محمد (یہ سب کوگی میں مارے گئے) جعفر

www.taemeernews.com

حسین، محمد حسینی، مخدوم حسینی اور قطب الدین (کوگی کے یہ باشندے شاہ پور میں مارے گئے۔)
چندا ولد غلام حسین کے بارے میں یہ بیان برہان پیراں نے دیا کہ یہ لڑکا شاہ پور میں تھا۔ غنڈوں نے اس کو پکڑا اسکو ایک خندق میں لے گئے جہاں دوسرے نوجوانوں کو کاٹ کر موت کے گھاٹ اتار جارہا تھا۔ بندوقوں سے مسلح سکھ سپاہی قتل کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ اگرچیکہ بچوں کو کلہاڑی یا تلوار سے مارے جانے والے مردوں سے الگ کردیا گیا تھا تاہم انھیں اپنے بزرگوں کی خونی موت کا خون آشام منظر دیکھنے پر مجبور کیا گیا۔ اکثر قاتل دھیڑ (نچلی ذات کے ہندو) یا اچھوت تھے۔ مسلم نوجوانوں کو اب بھی قتل کرنے کے لئے پتہ لگاکر نکالا جارہا ہے۔ کوگی کی مسجد کی دیوار اور منبر کو گرادیا گیا ہے۔ شاہی مسجد کی قالین چرالی گئی ہے۔ مسلمانوں کی کھڑی فصل یا تو لوٹ لی گئی یا اس پر قبضہ کرلیا گیا۔ کوگی میں صرف چند بوڑھے ضعیف معذور، بوڑھیاں اور چند چھوٹے بچے باقی رہے گئے ان کی حالت ناقابل بیان ہے۔ تمام جواں مردوں کو قتل کردیا گیا۔ کوگی کی آمنہ بی نے اپنی شیر خوار بیٹی شہزادی کے ساتھ کنویں میں کود کر خودکشی کرلی۔ اکثر مسلم مکانوں کو لوٹا اور پھر جلادیا گیا۔ ہم نے جلائے گئے بعض مسلم مکانوں کامعائنہ کیا ہم نے گھروں میں ماردئے جانے والوں کی کھوپڑیاں اور ہڈیاں بکھری ہوئی دیکھیں۔ بتایا گیا کہ صرف ایک جگہ پر (۱۸) مسلمانوں کو جلا دیا گیا۔ یہاں خون ریزی فوج کے آنے سے پہلے اور بعد بھی ہوئی۔ فوجیوں نے قتل کو روکا اور نہ اس میں حصہ لیا۔ ذیل میں ان عورتوں کی فہرست ہے جو مرد رشتہ داروں سے محروم ہوئیں۔

غفور بی ــ بیٹا رسول صاحب ــ امام بی ــ شوہر گھرڈو صاحب ــ سلطان بی ــ بیٹا محبوب ــ زہرہ بی ــ بیٹے محمد عثمان اور نذیر احمد، شوہر کے بھائی کے بیٹے عبدالرحمن، عبدالرحیم، رسول، ابراہیم اور بشیر احمد۔
رسول صاحب کی بیوی ــ غنڈوں نے اس کا اغواء کرلیا اور اس کا کچھ پتہ نہیں چلا۔
حلیم بی ــ تین بیٹے گھرڈو بھائی، نذیر احمد اور احمد حسین۔
کریم بی ــ داماد محمد عمر
کریم بی کی بہن ــ بیٹا عبداللہ ـــــ کلثوم بی ــ شوہر خیرا صاحب۔
چندا بی ــ شوہر چندا میاں ــ ـــــ محاصل بی ــ شوہر احمد صاحب۔
چندا بی ــ شوہر عبدالرحمن ــ ـــــ سلطان بی ــ بیٹا غلام رسول
عائشہ بی ــ بیٹے محمود اور بشیر ـــــــ چندا بی ــ شوہر حسین صاحب
محبوب بی ــ بیٹا اسمائیل صاحب ـــــــ امن بی ــ شوہر ننھے
حسین بی ــ شوہر قاسم ـــــــ فاطمہ بی ــ شوہر مقبول

کئی عورتیں جنگل میں فرار ہوچکی ہیں اس لئے مارے گئے کئی مسلمان مردوں کے نام معلوم نہیں ہوئے۔
کوگی میں جن عورتوں کے ساتھ سکھ سپاہیوں یا غنڈوں نے جبری زناکاری کی ان میں اسمائیل صاحب کی بیوی زہرہ بی، صاحب پٹیل کی بیوی صاحب بی، دو کنواریوں عصمت بی اور مریم کی آبرو سکھ سپاہیوں نے لوٹی۔

www.taemeernews.com

پرانا ساگر، تعلقہ شاہ پور: پانچ مسلمان مارے گئے۔ غلام محی الدین، پیارا، امام الدین، سید عبداللہ اور پیراں۔ مسلمانوں کے گھر لوٹے گئے۔

ابراھیم پور تعلقہ شاہ پور: مسلم مکانوں کو لوٹا گیا، دو مسلمانوں کو گولی سے ماردیا گیا۔ خسرو میاں اور فقیر پٹیل۔ مسلم دوکانوں کو لوٹا گیا، ایک مسجد ڈھا دی گئی۔

موضع ڈونالی تعلقہ شاہ پور: مقامی باشندے ابراھیم کا بیان: مسلمانوں کے ایک سو گھر لوٹے گئے، گیارہ مسلمانوں کو قتل کیا گیا ان مظلوموں کے نام ہیں علی صاحب، خواجہ صاحب، عثمان، نبی صاحب، عبداللہ صاحب اور قاسم صاحب۔ ذیل میں درج خواتین کے رشتہ دار مارے گئے۔ دلاور بی کے دو داماد، چاند بی کا بیٹا، خواجہ بی کا شوہر، آمنہ بی کا بیٹا، فاطمہ بی کا شوہر امام الدین، زہرہ بی کا شوہر، حسن بی کا بیٹا اور داماد، نسیمہ خاتون کا شوہر، آمنہ بی کا بیٹا، شریفہ بی کا شوہر، حلیم بی کا شوہر، غفور بی کا شوہر اور بیٹا، زہرہ بی کا پوتا، لال بی کا بھتیجہ، قاسم بی کے دو داماد، زینب بی کے دو بیٹے، حسن بی کا شوہر اور اسکے دو بھائی خدیجہ بی کا شوہر اور دو داماد، مخدوم بی کا شوہر، خانم بی ایک سکھ سپاہی کی طرف سے عزت لوٹنے کی کوشش سے بچنے کے لئے کنویں میں کود گئی اس کو بعد میں مقامی مسلمانوں نے ڈوبنے سے بچالیا۔

دورانگ ملی، تعلقہ شاہ پور: مسلم گھروں کو لوٹا اور جلایا گیا۔

ناکال تعلقہ شاہ پور: مسلمانوں کے گھروں کو لوٹا گیا اور ایک مسجد منہدم کی گئی۔ خوش بختی سے کوئی مارا نہیں گیا اور کسی کی عزت نہیں لوٹی گئی۔ تاہم مسلمانوں کو ذلیل کیا جاتا رہا۔ ان کو زمین پر ناک گھسنے پر اور مردوں پر داڑھی منڈھانے پر مجبور کیا گیا۔

خانہ پور تعلقہ شاہ پور: مسلم مکانات لوٹے گئے ایک مسجد منہدم کی گئی، ایک نوجوان خاتون محبوب بی کی عزت لوٹی گئی اور سالار صاحب کی داڑھی زبردستی منڈوائی گئی۔

سلوال تعلقہ شاہ پور: عام لوگوں نے چار مسلمانوں کو قتل کردیا، ان مظلوموں کے نام ہیں شیخ حسن، سید یاسین، بخاری اور صوفی صاحب، شاہ پور سے سیرہ ؟دین نامی ایک لڑکا ملاقاتوں کے لئے آیا ہوا وہ مارا گیا، مسلمانوں کے گھر لوٹ لئے گئے، داڑھیاں منڈھائی گئیں اور کان چھیدے گئے، مسجد اور درگاہ کے حصوں کو

www.taemeernews.com

گرایا گیا یا ان کی بے حرمتی کی گئی۔

وادگیرا تعلقہ شاہ پور: مسلم مکانوں کو لوٹا گیا اور ذیل میں درج عورتیں اپنے مرد رشتہ داروں سے محروم ہوئیں۔ حسین بی شوہر سے، امام بی شوہر سے، امیرابی شوہر سے، خدیجہ بی دو بچوں سے، شریفہ بی بھائی اور شوہر سے، صوفی بی شوہر سے، صلابت بی شوہر سے، غفور بی شوہر سے، سالار بی شوہر سے، رحمت بی شوہر سے، محبوب بی شوہر سے، رسول بی شوہر سے، کریم بی شوہر سے، قاسم بی شوہر سے، فاطمہ بی شوہر سے، مہدن بی شوہر سے، سکینہ بی شوہر سے، فاطمہ بی شوہر اور بیٹے سے، زینب بی بیٹے اور خسر سے، کلثوم بی بیٹے اور شوہر کے بھائی سے

www.taemeernews.com

ضمیمہ

شاہ پور، کوگی، ساگر اور شاہ پور تعلقہ کے اطراف دیگر دیہاتوں کے مسلم باشندوں کی ۱۰/۱۷ستمبر ۱۹۴۸ء کے بعد کی لاقانونیت اور بد نظمی کے وقت صورت حال پر نوٹ۔

پیر ۲۰ ستمبر ۱۹۴۸ء کے دن، بارہ بجے دوپہر شوراپور سے شاہ پور میں چھ موٹر لاریاں داخل ہوئیں۔ ان لاریوں میں گورکھا سپاہی اور اچپا پٹیل، ساگر چرن گوڑے، چرن گوڑے کا بھائی اور مدیرے بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے چار سے چھ بجے شام تک امن و نظم کی برقراری پر تقریریں کیں فوج کے آنے سے بہت پہلے مقامی سرکاری عہدداروں کے حکم پر مسلم فرقے کے ارکان اپنے اسلحہ سپرد کرچکے تھے۔ دوسرے دن یعنی منگل کو چودہ لاریاں بیجاپور کی طرف سے شاہ پور پہنچیں، اور نو لاریاں یادگیر کی طرف سے شاہ پور آئیں ان لاریوں میں انڈین یونین کی فوج اور پولس تھی، اطراف کے دیہاتوں سے فوج اور پولس کے حکام نے لوگوں کو اس بہانے سے شاہ پور بلوایا کہ نہرو حکومت کے حکم پر جوار تقسیم کی جاری ہے۔ اس طرح ہزاروں لوگ شاہ پور میں جمع ہوگئے۔ اور دوپہر بارہ بجے کے قریب لوٹ مار شروع ہوگئی، سکھ اور گورکھا سپاہیوں نے شاہ پور کے غنڈوں کی مدد کی، انھوں نے اور باہر سے آئے ہوؤں نے مسلمانوںکے مکانات کے دروازے توڑدئے، مال و متاع لوٹ لی، اور سرد مہری کے ساتھ گھروں میں رہنے والوں کا قتل عام کیا، ان فوجیوں نے ٹاؤن پولس اسٹیشن کے اطراف کے دوکانوں اور مکانوں میں بعض بد نصیب مسلمانوں کو قید کردیا تھا، جمعرات کے دن غنڈوں نے مسلمانوں کو ان کے گھروں سے کھینچ نکالا اور گورکھاوں اور سکھوں کے کیمپ پر ان کو لے گئے، اور مار ڈالا۔ جمعرات کے جھٹپٹے سے پہلے امن کا اعلان کیا گیا، اس طرح مسلمانوںکا قتل عام منگل کی دوپہر کو بارہ بجے سے جمعرات شام پانچ بجے تک جاری رہا۔ زخموں پر م نمک چھڑک نے کے لئے مسلم عورتوں کو ناقابل بیان اذیت دی گئی، اور دن کی روشنی میں جبری زنا کاری کی گئی، ہزاروں عورتوں نے اس بے عزتی کو برداشت نہیں کیا اور خودکو کنووں میں گرا کر خودکشی کرلی، جب کہ کئی عورتوں کی (لاشوں) کو باہر نکالا جاچکا ہے، سینکڑوں ان کنووں میں سڑرہی ہیں، بچوں پر تک کوئی رحم نہیں کیا گیا، جنھیں مار کر کنووں میں پھینک دیا گیا۔ صرف ایک کنویں سے (۴۰) بچوں کی لاشیں برآمد کی گئیں، اس سے کی گئی ظلم و زیادتی کا اندازہ ہوگا، یہ بات نوٹ کی جانی چاہیے کہ شوراپور کے راجہ کا لڑکا وینکٹپا شاہ پور بھی موجود تھا، اور ان سرگرمیوں میں حصہ لیا اس کو ندی کے کنارے ایک کرسی پر بیٹھا ان غنڈوں کو انعام دیتے ہوئے دیکھا گیا، جنھوں نے اپنی بد سرشت کا مظاہرہ کیا تھا مثلاً پیشہ کے اعتبار سے راج (میستری) ہنمولیو کو پھول کے ہاروں سے لاد دیا گیا، اور (۱۰۵) مسلمانوں کو قتل کرنے پر بطور انعام (۱۰۰) روپے کا کیسہ پیش کیا گیا، فی الوقت شاہ پور میں سکون ہے، مگر اطراف کے دیہات ابھی لاقانونیت، لوٹ، قتل اور جبری زنا کاری کے کرب سے گذررہے ہیں، ان مظالم کا مختصر خلاصہ ذیل میں درج ہے۔

www.taemeernews.com

بلاک

۱۔(۲) ہزار صرف شاہ پور کے ۔۔ ۲۔(۳۰۰) ساگر کے جو شاہ پور آئے ہوئے تھے ۔
۳۔(۵۰۰) کوگی میں ۔۔۔۔۔ ۴۔(۱۰۰۰) شاہ پور کے اطراف مختلف دیہاتوں کے
۵۔(۱۲۵) کوگی مستقر پر ۔۔ ۶۔(۱۰۰۰) عورتوں نے بد تمیزی کے نتیجہ میں کنووں میں گر کر خودکشی کرلی ۔ ۷۔(۵۰۰) بچے مارے اور کنووں میں پھینکے گئے ۔ ۸۔ شاہ پور میں مسلمانوں کے اکثر مکانوں کو لوٹا اور جلایا اور تباہ کیا گیا ۔
۹۔ لوٹے ہوئے منقولہ اشیاء کی قیمت کا اندازہ پانچ کروڑ ہے ۔ ۱۰۔ مسلمانوں کی زمینوں اور دیگر غیر منقولہ جائیدادوں پر دوسرے فرقہ والوں نے قبضہ کرلیا ہے ۔ ۱۱۔ ساگر اور کوگی کے دو تہائی سے زیادہ مکانات جلائے یا برباد کئے گئے ۔
۱۲۔ خاص طور پر ساگر میں لب سڑک دوکانوں اور مکانوں کو ابھی جلایا اور برباد کیا جارہا ہے ۔
۱۳۔ اکثر مساجد کو منہدم کیا گیا ۔
۱۴۔ قرآن مجید کے نسخوں کو جلایا یا پھاڑدیا گیا ۔ اور کندھلے جانے کے لئے اس کے پرزے سڑکوں پر پھینک دیئے گئے ۔
۱۵۔ کوگی میں مکانوں کو آگ لگادی گئی اور مسلمانوں کو شعلوں میں جھونک دیا گیا ۔

سینکڑوں بے قصور مسلمانوں کو رضاکار ہونے کے الزام میں گرفتار کیا جارہا ہے جب کہ یہ صورت حال اس دہشت کی ذمہ دار ہے ، جو یہاں پائی جاتی ہے ۔ اس نے مسلمانوں کو اتنا دل برداشتہ کردیا ہے کہ وہ آگے آنے اور اپنے جائز کلیم پیش کرنے سے بھی گھبرا رہے ہیں ۔

اسی طرح فتح آباد (دھارور) دیہات کے راجپوتوں نے کئی مسلمانو نکو قتل کردیا ان میں بعض مقامی باشندے تھے اور بعض وہ تھے جو اطراف کے دوسرے مقامات سے پناہ گیر کی حیثیت سے اس دیہات کو آئے ہوئے تھے ۔ یہ دیہات فتح آباد دیہات کچ کے قریب ہے ۔ مختصراً یہ کہ ان سب دیہاتوں میں بین مسلمان اقلیت میں ہیں ، صورتحال بڑی قابل رحم ہے ۔

پس نوشت :

حیدرآباد اسٹیٹ کانگریس کمیٹی نے دیہی پنچایتوں کے قیام اور ان کو لوٹ کا مال برآمد کرنے کا کام تفویض کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ، لیکن حقائق اور اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ اس سمت میں کوششیں کامیاب نہیں ہوئیں ، قیمتی اشیاء کی برآمدگی میں مکمل ناکامی رہی بلاشبہ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ پنچایتوں کے اکثر ارکان وہ ہیں جو خود سرغنے اور غنڈے تھے ، اور خود ان مظالم کے ارتکاب کے ذمہ دار تھے ۔ ان بھیڑیوں کو کام کا مختار بناکر اسٹیٹ کانگریس مدد بہم پہونچانے کے نیک خواب کی عملی تعبیر نہیں پاسکتی ۔

o0000000000

www.taemeernews.com

فصل چہارم

سقوط حیدرآباد کے اثرات

www.taemeernews.com

سقوط حیدر آباد کے معاشی اور سماجی اثرات

سقوط کے بعد نئی حکومت نے متعدد ایسے اقدامات کئے' جن سے مسلمانوں کی معاشی اور سماجی زندگی بری طرح متاثر ہوئی۔ ذیل میں ان اقدامات کا سرسری جائزہ مقصود ہے' جو نئی حکومت کی جانب سے سقوط سے لے کر نومبر ۱۹۵۶ء میں ریاستوں کی لسانی بنیادوں پر تقسیم اور ریاست حیدر آباد کے مکمل خاتمہ تک عمل میں لائے گئے۔

حیدر آباد پر بھارتی فوجی قبضے کے بعد ایک ہی سال کے عرصہ میں جاگیرداری نظام ستمبر ۱۹۴۹ء میں ختم کردیا گیا۔ اس اقدام سے نہ صرف وہ لوگ متاثر ہوئے' جن کی زمینیں اور اراضی ضبط ہوئیں' بلکہ وہ اور افراد خاندان بھی بے روزگار اور متاثر ہوئے' جو پائیگاہوں اور جاگیرداروں سے منسلک تھے یا ان کے دفاتر میں کام کرتے تھے۔ منصب اور انعام سے بھی متعدد خاندان مستفید ہوتے رہتے تھے' یہ سلسلہ بھی ختم ہوا۔ جہاں تک سرکاری' ملازمتوں کا تعلق ہے' وہاں اونچے درجے کے ملازمین سرکار سب سے زیادہ متاثر ہوئے' متعدد علیحدہ کردیئے گئے یا انہیں ان کے عہدوں سے تنزلی دے دی گی۔ ان اقدامات سے تنگ آکر کئی لوگوں نے قبل از وقت وظیفہ لے لیا اور کچھ نے پاکستان کی راہ لی۔

ایک سال کے اندر اندر سرکاری نظم و نسق کے دفاتر اور عدالتوں کی زبان' جو اردو تھی' انگریزی کردی گئی' جس سے اردو داں ملازمین کی کارکردگی میں فرق آیا اور ان کی ترقیاں رک گئیں۔ پولیس کے محکمے میں مسلمانوں کا تناسب شروع سے زیادہ تھا' لیکن ان کا یہ تناسب رفتہ رفتہ کم کردیا گیا اور کچھ کو برطرف کردیا گیا۔ حکومت کے بعض

www.taemeernews.com

محکمے تو کلیتا" تحلیل کردیئے گئے' مثلاً محکمہ امور مذہبی' جس سے مسلمان خاص طور پر متاثر ہوئے۔ اپریل ۱۹۵۱ء میں حیدر آباد کی افواج باقاعدہ اور نظم جمعیت یا افواج بے قاعدہ دونوں تحلیل کردی گئیں۔ چند ایک فوجی افسروں کے سوا' باقی سب فوجی جو ہزاروں کی تعداد میں تھے' بے کار ہوگئے۔ اس طرح حیدر آبادی مسلم معاشرے کے وہ افراد' جو جاگیروں اور سرکاری ملازمتوں پر تکیہ کئے ہوئے تھے۔ وہ بڑے مسائل و مصائب کا شکار ہوگئے۔ آزاد پیشوں سے وابستہ ڈاکٹر' حکیم' وکلاء' صحافی' ہنرمند اور اس قبیل کے دیگر پیشہ ور اس صورتحال سے قدرے بچے رہے۔ تجارت پیشہ مسلمان ہندوستان کی تاریخ کے ہر دور میں کم رہے' حیدر آباد میں بھی کم تھے۔ بعد میں بھی ان کا یہی تناسب رہا۔ مسلمان مزدوروں' کسانوں اور دوسرے جز معاش لوگوں کی حالت بھی جو پہلے تھی' قریب قریب وہی رہی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد مولانا الطاف حسین حالی نے مسلمانوں کی حالت کی جو تصویر کشی کی تھی' وہ اس سقوط حیدر آباد کے بعد ایک تلخ حقیقت بن کر حیدر آباد کے مسلمانوں پر صادق آرہی تھی:

نہ اہل حکومت کے ہمراز ہیں ہم
نہ درباریوں میں سرافراز ہیں ہم
نہ علموں میں اعزاز شایان ہیں ہم
نہ صنعت و حرفت میں ممتاز ہیں ہم
نہ رکھتے ہیں کچھ منزلت نوکری میں
نہ حصہ ہمارا ہے سوداگری میں

تعلیم کے میدان میں مسلمان شروع ہی سے پیچھے رہے۔ یہ صورتحال سقوط کے بعد مزید خراب ہوگئی۔ جامعہ عثمانیہ کا ذریعۂ تعلیم اردو سے بتدریج انگریزی کردیا گیا اور اس کا معروف و موقر دارالترجمہ' جو اردو کی ترقی اور فروغ کے لئے مثالی خدمات انجام دے رہا تھا' اگست ۱۹۵۴ میں عملاً" جلا دیا گیا۔ رفتہ رفتہ سرکاری' خانگی اور مشن اسکولوں سے اردو کا بحیثیت ایک اختیاری مضمون کے بھی خاتمہ کردیا گیا۔ ماحول کے

www.taemeernews.com

تقاضے اور ضرورت کے تحت خود اردو والے اردو سے بے نیازی برتنے لگے۔ اور اپنے بچوں کو اردو پڑھانے' سکھانے سے غافل ہو گئے۔ جس کے نتیجہ میں ایک ایسی نسل وہاں پیدا ہو گئی ہے' جو اردو بولنے اور پڑھنے سے نابلد اور معذور ہے۔ اگر یہ صورتحال تبدیل نہ کی گئی تو اردو وہاں صرف بول چال کی حد تک ہی رہ جائے گی۔

سقوط حیدر آباد کے نتیجے میں دکنی مسلمانوں کا ذہنی و فکری انتشار بھی بڑھ گیا۔ مسلمانوں کی ایک تعداد ہجرت کر کے پاکستان اور پھر مغربی ممالک چلی گئی اور کچھ لوگ موقع پرستی اختیار کر کے نئی حکومت کا دم بھرنے لگے۔ ہوا کی اس تبدیلی کو دیکھ کر کمیونسٹ تحریکات نے اپنا جال پھیلایا اور انجمن ترقی پسند مصنفین کا سہارا لے کر نوجوانوں کو اشتراکیت اور دہریت کی طرف بڑی کامیابی سے راغب کرنے لگیں۔ طلبہ اور مسلم نوجوانوں میں حالات کے رد عمل کے طور پر بھی الحاد اور کفر عام ہونے لگا اور اسلام "رجعت پسندی" کی علامت بن گیا۔ اس پر آشوب دور کی ایک اچھی اور حقیقت پسندانہ تصویر امیر جماعت اسلامی ہند مولانا محمد سراج الحسن نے' جو اس زمانہ میں رائچور میں مقیم تھے' ان الفاظ میں اس طرح کھینچی ہے:

"(سقوط) کے بعد پوری ریاست میں مسلمانوں کے لئے جیسے کچھ حالات پیش آئے تھے' آج نہ ان کا تصور کیا جا سکتا ہے اور نہ الفاظ میں انہیں بیان ہی کیا جا سکتا ہے۔ ان حالات میں مسلمانوں میں خوف و دہشت' مایوسی و ناامیدی اور پست حوصلگی کی جو کیفیات پیدا ہو گئی تھیں' ان کو دیکھتے ہوئے اور رضاکار تحریک کے انجام کو سامنے رکھتے ہوئے اصلاح و سدھار کے مقصد سے ہی سہی ان کے لئے کسی اجتماعی سعی و جہد اور اقدام کے بارے میں سوچنا بھی مشکل تھا۔ اشتراکیت سے متاثر' ایک دوست نے جو کہ عثمانیہ یونیورسٹی میں تعلیم پا رہے تھے' چھٹیوں میں رائچور آئے ہوئے تھے۔ ایک ملاقات میں اسلام پر اور ہماری مذہبی زندگی اور سرگرمیوں پر ایسے سخت حملے کئے کہ جواب میں ہم سے کچھ بھی نہ بن سکا۔ سخت حیرت اور یاس کا عالم ہم پر طاری رہا۔ رات کروٹیں بدلتے گزری۔ صبح ایک خیال بجلی کی سی تیزی کے ساتھ آیا اور دل و دماغ میں بس گیا کہ

www.taemeernews.com

عہد جدید کے ان سارے فتنوں کا مقابلہ اگر ہو سکتا ہے۔ تو بس تحریک اسلامی کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے

(ماخوذ از "یادگار مجلہ بہ موقع چھٹا کل ہند اجتماع" جماعت اسلامی حیدر آباد' ۱۹۸۱ء ص ۱۲۳۔ ۱۲۴)

ان حالات میں حیدر آباد میں ایک اور فکر ایک اور تحریک بھی ابھرتی ہے۔ یعنی سید خلیل اللہ حسینی (۱۹۲۶ء ۔ ۱۹۹۲ء) بانی کل ہند مجلس تعمیر ملت نے نوجوانوں اور طلبہ کی غیرت کو للکارا۔ ان میں یقین و ایمان کی کیفیت پیدا کر کے انہیں آمادہ عمل کیا۔ اس ضمن میں ان کا ایک درج ذیل' مراسلہ اخبار "رہنمائے دکن" مورخہ ۷؍ جون ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا' جس میں انہوں نے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے اور تباہ حال ملت کی از سر نو تعمیر کا منصوبہ پیش کیا۔ اس دعوت پر فوری طور پر چند دردمند نوجوانوں نے لبیک کہا اور یوں یہ مراسلہ "بزم احباب" کے قیام کی شکل میں ایک بڑی اور موثر تنظیم کا نقطۂ آغاز بن گیا۔ اور جو بالآخر "مجلس تعمیر ملت" کا نام اختیار کر کے مسلمانوں کی بہت مستعد اور فعال جماعت بن گئی۔ مذکورہ مراسلہ درج ذیل ہے:

ہمیں کیا کرنا چاہئے

جس طرح ہر شخص کی زندگی میں ایسے لمحات آتے ہیں کہ ناکامیوں اور مصیبتوں کے ہجوم سے سخت ہراسانی طاری ہو جاتی ہے اسی طرح ہر قوم کو ایسے مراحل سے سابقہ پڑتا ہے' جبکہ سخت ناکامیاں افراد قوم کو دہشت زدہ اور مفلوج کر دیتی ہیں لیکن جس طرح صبر و استقلال اور انتھک محنت سے افراد اپنی کشتی حیات کو طوفانی موجوں سے بچا کر نکال لیتے ہیں اسی طرح پر عزم مساعی سے قوموں کے دن پھر سکتے ہیں اور مایوسی کے ویرانے پر امید کے شگفتہ پھول مسکرا سکتے ہیں۔ مسلمان آج اگر جی چھوڑ بیٹھیں اور جدوجہد سے باز آجائیں تو کھوٹی دھات کی طرح جل کر راکھ ہو جائیں گے۔ اس کے برخلاف اگر وہ استقامت کے ساتھ مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کریں تو کرب و بلا کی اس دہکتی بھٹی سے

www.taemeernews.com

کندن بن کر نکلیں گے اور دنیا کے بازار میں اپنی مناسب قیمت منوا کر رہیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ بیتے دن لوٹ نہیں سکتے سیاست کے دفن شدہ مسائل سر نہیں اٹھا سکتے لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی قوم کے باقی رہنے کے لئے سیاست کا سہارا ہی سب کچھ نہیں۔ مذہب' معیشت اور سماج کے بہت سے مسائل ہیں جن کو جرات اور دانشمندی سے حل نہ کیا گیا تو شاید اسپین کے واقعات تازہ ہو جائیں۔ مسلمانوں کی قوت کا اصلی سرچشمہ اسلام ہے۔ نئی نسلوں تک اسلامی تعلیمات کا پہنچانا وقت کا سب سے اہم فریضہ بن گیا ہے۔ اس کام میں ملت کے ایسے بزرگ زیادہ تعاون کرسکتے ہیں جو وظیفہ پر ملازمتوں سے سبکدوش ہو چکے ہیں اور کافی فرصت رکھتے ہیں' لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ بزرگان ملت اپنے آپ کو بساط حیات کے پٹے ہوئے مہرے سمجھ کر مہرلب ہیں اس لئے مسلم نوجوانوں اور طالب علموں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ آگے بڑھ کر خود اس کام کو سنبھالیں۔ اپنے محلوں میں علمی و ادبی اور مذہبی انجمنیں قائم کریں۔ یہ انجمنیں ہفتہ وار جلسے کیا کریں۔ ان جلسوں میں تقریریں کی جائیں اور مضامین پڑھے جائیں اور ملت کے صاحب علم افراد کی تو   بھی تقاریر رکھی جائیں' تاریخی اہمیت رکھنے والے یوم منائے جائیں اور تقریروں کے ذریعہ محلّہ کے مسلم عوام کو اسلامی تاریخ کے نمایاں واقعات سے روشناس کرایا جائے۔

اس کام کے لئے نہ کسی شور و ہنگامہ کی ضرورت ہے نہ کسی بڑی تنظیم کی۔ کوئی قانون اس راہ میں حائل ہے اور نہ روپے پیسے کی چنداں ضرورت ہے۔ یہ کام زیادہ وقت اور بے حد محنت طلب بھی نہیں۔ تاجر تجارت کرتے ہوئے' ملازم ملازمت کرتے ہوئے اور طالب علم' علم حاصل کرتے ہوئے یہ کام کرسکتے ہیں۔ بظاہر یہ کام شاندار نہیں لیکن اگر یہ بنیاد مضبوط ہو جائے تو عمارت اٹھانا مشکل نہیں۔ مسلم نوجوان اور طالب علموں پر زمانہ نے بڑی بھاری ذمہ داری عائد کی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ بڑھ کر اس کام کو سنبھال لیتے ہیں یا ملت کی تباہی کی آخری تمنا کرتے ہیں۔ فقط   خلیل

اللہ حسینی

www.taemeernews.com

جماعت اسلامی اور مجلس تعمیر ملت کی مشترکہ کوششوں کے نتیجے میں کمیونسٹوں کی مذموم کوششیں ناکام رہیں۔ سقوط کے بعد مسلمانوں میں اشتراکیت کے اثرات کے حوالے سے عمر خالدی نے حیدر آباد کے مشہور مزدور رہنما اور کمیونسٹ راج بہادر گوڑ سے ۸ر جولائی ۱۹۹۰ء کو ایک انٹرویو لیا تھا' اس ضمن میں ڈاکٹر گوڑ کا کہنا تھا کہ ۱۹۴۸ء سے تقریباً ۱۹۶۰ تک مسلمانوں نے اگرچہ کمیونسٹوں سے دوستی کی یا ساتھ نبھایا' مگر یہ بغض معاویہ تھا' حب علیؓ نہیں۔ یہاں تک کہ اردو کے مقبول شاعر مخدوم محی الدین (۱۹۱۰ء۔ ۱۹۶۹ء) ۱۹۵۲ء کے پہلے پارلیمانی انتخابات میں حیدر آباد سے امیدوار بنے' مگر ہار گئے۔ ۱۹۵۷ء میں اندھرا پردیش ریاستی اسمبلی کے لئے بھی وہ پھر کمیونسٹ پارٹی کے ٹکٹ پر کھڑے ہوئے' مگر معصومہ بیگم نے ان کو ہرادیا۔ آخر کار مخدوم کو ریاستی قانون ساز کونسل کے لئے ہماری (کمیونسٹ پارٹی) نے بالراست انتخاب کے ذریعہ کونسل میں نشست دلائی۔"

اس مثال سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے صرف ایک قلیل طبقہ نے کمیونسٹوں کی تائید کی اور مسلمانوں کی غالب اکثریت نے اشتراکیت کو رد کردیا۔

سقوط کے بعد سابق حکومت کے بعض اعلیٰ عہدے داروں' رضاکار تحریک کے قائدین' صحافی اور دیگر زعماء پاکستان ہجرت کرگئے ستمبر ۱۹۵۷ء میں مجلس اتحاد المسلمین کے قائد سید محمد قاسم رضوی نے بھی پونہ   رودار، جیل سے رہائی حاصل کی تو رہائی کے ایک ہفتہ بعد پاکستان ہجرت کرگئے۔ جہاں انہوں نے ۱۹۷۰ء میں انتقال کیا۔ سقوط کے بعد حالات اتنے سنگین ہوگئے تھے کہ لوگ ہجرت کرتے وقت اپنے ارادے کو عام نہ کرتے' یہاں تک کہ قریبی عزیزوں بلکہ بعض اوقات تو اپنے اہل خانہ کو بھی اپنے منصوبے اور اپنی روانگی سے بے خبر رکھتے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ بھارت میں تو مسلمان حکومت کی نظر میں مشتبہ تھے اور پاکستان میں حالات اتنے قابل اطمینان بخش نہ تھے کہ فخریہ اپنی ہجرت کے ارادے کا ذکر کیا جاتا۔ گو نوعیت مختلف تھی' لیکن حالات دونوں جگہ سازگار نہ تھے۔

www.taemeernews.com

آج پاکستان میں حیدر آبادی مہاجر تقریباً ہر شہر میں آباد ہیں لیکن ان کی بڑی تعداد سندھ میں آباد ہوئی' جہاں کراچی' حیدر آباد' اور سکھر میں ان کی تعداد خاصی نمایاں ہے۔ کراچی میں ان کی متعدد آبادیاں ان سے مخصوص ہیں۔ حیدر آباد کالونی میں متوسط طبقہ آباد ہے' جب کہ متمول طبقہ بہادر آباد میں رہتا ہے۔ غریب طبقہ نے لانڈھی کے مختلف علاقے آباد کر رکھے ہیں۔ بہادر یار جنگ اکیڈمی ابتداء ہی سے حیدر آبادیوں کے درمیان رابطہ کا ایک اہم ادارہ اور مرکز ہے اس کے علاوہ "محفل علم و ادب" اور طلبائے قدیم جامعہ عثمانیہ کی تنظیم "مجلس طیلسانین جامعہ عثمانیہ" بھی ان کے درمیان فعال رہی ہیں۔

حیدر آباد کے ان مہاجرین کی پاکستان میں آمد پاکستان کے لئے بار نہیں بلکہ اس کے استقلال استواری اور استحکام کا باعث ہوئی۔ مالی اعتبار سے بھی وہ پاکستان کے لے ممد و معاون ثابت ہوئے۔ سقوط حیدر آباد سے قبل ہی پاکستان میں مملکت حیدر آباد کی جانب سے مشتاق احمد خان کو مملکت آصفیہ کا ایجنٹ مقرر کیا گیا تھا اور اسٹیٹ بینک قائم ہو چکا تھا جس میں مملکت حیدر آباد کا کروڑوں روپیہ جمع تھا۔ آج بھی اسٹیٹ بینک کے لئے خریدی ہوئی جائیداد "وکٹوریہ چیمبرز" عبداللہ ہارون روڈ پر موجود ہے جس پر ناجائز قبضہ ہے اس کی بازیابی کے لئے کارروائی جاری ہے۔ کلفٹن کی وہ عمارتیں بھی جو حیدر آباد نے خریدی تھیں' پاکستان نے سپرد کر دی گئیں۔ اسٹیٹ بینک کی رقم اور دیگر ذرائع سے باون کروڑ روپے حکومت پاکستان کے حوالے کئے گئے۔ یورپی ممالک کے بینکوں میں جو رقومات حیدر آباد کی جمع تھیں' وہ بھی حکومت پاکستان کو منتقل کر دی گئیں۔ ہتھیاروں سے بھرے ہوئے جہاز جو حیدر آباد نے منگوائے تھے وہ ساحل کراچی اور اور چٹگام پر ٹھہرے ہوئے تھے' سڈنی کاٹن کے ذریعہ حیدر آباد بھجوانے کا منصوبہ تھا لیکن بھارت کے حملے کی وجہ سے وہ پاکستان ہی کے ہاتھ آئے۔ نواب حسن یار جنگ کا بیان ہے کہ "سڈنی کاٹن کے جہازوں کے ذریعے جو سونا پاکستان منتقل کیا گیا وہ حکومت پاکستان ہی کو ملا۔"

۱۹۵۰ء میں وزیراعظم حیدر آباد میر لائق علی' جو سقوط کے فوری بعد نظر بند کر دیئے

www.taemeernews.com

گے' معجزانہ طور پر فرار ہو کر پاکستان آگئے اور نواب زادہ لیاقت علی خاں وزیراعظم پاکستان کی تجویز پر انہوں نے حیدر آباد ٹرسٹ قائم کیا' جس کے تحت متعدد صنعتی کارخانے قائم کیے گئے مثلاً دیا سلائی کا کارخانہ' کانچ اور چینی کے برتن بنانے کا کارخانہ' پکی سرخ خلادار اینٹوں کا کارخانہ' اور سائیکل بنانے کے کارخانے وغیرہ قائم ہوئے۔ ان میں حیدر آباد کے مہاجرین کو جو بے روزگار ہوتے ملازمت دی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ پاکستان کی صنعتوں کے لئے کاریگروں کی کمی کو پورا کرنے کے لئے ان میں مختلف فنون کی تعلیم کا انتظام تھا۔ اس طرح پاکستان میں قائم ہونے والے صنعت و حرفت کے لئے تربیت یافتہ ہنرمند افراد مہیا کئے جاتے تھے۔ مہاجرین کے بچوں کے لئے بہادر یار جنگ اسکول قائم کیا گیا جس میں بلاامتیاز تمام مہاجرین کے بچوں کی تعلیم کا انتظام تھا۔ یہ اسکول آج بھی قائم ہے۔ اسی ٹرسٹ کے زیر انتظام ایک دواخانہ کھولا گیا جس میں تمام مہاجرین کا خواہ ان کا تعلق کسی جگہ سے رہا ہو نہایت عمدہ علاج کیا جاتا ہے اس دواخانہ سے ملحق ایک زچہ خانہ بھی ہے جو ضرورت مند خواتین کی بلالحاظ قوم و علاقہ خدمت انجام دے رہا ہے۔

ایک ٹائپنگ انسٹی ٹیوٹ بھی قائم کیا گیا تھا' جہاں ٹائپنگ کے علاوہ اکاؤنٹنگ اور بک کیپنگ کی تعلیم کا معقول انتظام تھا۔ جہاں سے سیکھ کر مہاجرین اس خلاء کو پر کر رہے تھے جو ہندوؤں کے چلے جانے سے پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک پریس اور ایک ادبی ادارہ "کاروان ادب" بھی قائم ہوا۔

اہل حیدر آباد تقریباً ۱۹۷۱ تک پاکستان ہجرت کرتے رہے۔ پھر ایک تو سانحہ سقوط ڈھاکہ نے پاکستان کی جانب جانے سے ان کے قدم روک دیئے' تو دوسری جانب مغربی ممالک میں آباد کاری کے مواقع اور دستیاب سہولتوں نے انہیں ادھر کھینچ لیا۔ خلیج فارس اور سعودی عرب کے تیل نے بھی ان کے لئے اپنے دروازے کھول دیئے۔ اب تو یہ صورت ہے کہ خود حیدر آباد میں حیدر آبادیوں کی کمی محسوس ہونے لگی ہے۔

(ع خ۔ م ع)

www.taemeernews.com

فصل پنجم .... ایک مشورہ، ایک تجزیہ

مملکتی مجلس اتحادالمسلمین کے صدر کے حیثیت میں جناب قاسم رضوی صاحب کی پالیسی اور بالخصوص رضا کار تحریک کی ابتدا کے بعد تصادم کے حالات کے تعلق سے ہندوستان کے کئی مشاہیر، زعما اور علماء نے مشورے دئے ۔ ان میں سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا انتخاب مرتبین نے کیا ۔ یہ تحریر بڑی اہم ہے ۔ اس میں جو تجاویز مولانا مودودی نے پیش کی ہیں آج کے حالات میں بھی ہندوستانی مسلمان ان میں معنویت (RELEVANCY) پائیں گے ۔

اس فصل میں جناب سید خلیل اللہ حسینی مرحوم کا اقتباس بھی پیش کیا جارہا ہے اس تجزیاتی تحریر کو پڑھتے وقت اس بات کو ذہن میں رکھا جائے کہ مرحوم مملکتی مجلس اتحادالمسلمین کی طلباء تنظیم "اتحاد طلباء" کے نائب صدر تھے اور ایم ۔ اے کے مقالہ کے لئے انھوں نے "حیدرآباد کے مسلمانوں کا تہذیبی و تمدنی جائزہ" کے موضوع کا انتخاب کیا تھا ۔ (ادارہ)

www.taemeernews.com

حیدر آبادی قائدین کے نام

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

سرزمین دکن کو اس بات پر یقیناً ناز ہو گا کہ بیسویں صدی میں دنیائے اسلام کے عظیم مفکر سید ابوالاعلیٰ مودودی ۱۹۰۳ء میں اورنگ آباد میں پیدا ہوئے اور اپنی تحریک احیائے دین کا آغاز انہوں نے حیدر آباد ہی سے شروع کیا تھا۔ اس تحریک کا ایک مؤثر آغاز ان کا معروف رسالہ "ترجمان القرآن" تھا' جو وہ اپنے قیام حیدر آباد کے دوران ۱۹۳۸ء تک یہاں سے نکالتے رہے۔ اگرچہ وہ ۱۹۳۸ء میں پنجاب منتقل ہو گئے' مگر اپنے وطن مالوف سے ان کا لگاؤ برقرار رہا' جو ایک فطری امر ہے۔ اس کا ایک مظہر ان کا ایک خط ہے' جو انہوں نے حیدر آباد کے دور ابتلاء میں حیدر آبادی قائدین کے نام لکھا تھا۔

ان کے اس خط پر تاریخ ۲۵ دسمبر ۱۹۴۷ء درج ہے۔ یہ خط جماعت اسلامی حیدر آباد کے رکن مولانا محمد یونس مرحوم کے توسط سے سید قاسم رضوی' صدر مجلس اتحادالمسلمین تک پہنچایا گیا تھا۔ مرحوم قاسم رضوی کا جو تاثر اس خط کے بارے میں تھا' تاریخ اس بارے میں خاموش ہے۔ ہمارے علم کی حد تک یہ خط پہلی بار "یادوں کے خطوط" نامی مجموعہ مکاتیب میں چھپا تھا جو مولانا مودودی کے ان خطوط پر مشتمل ہے' جو مولانا نے مختلف حیدر آبادی احباب' خصوصاً مولانا محمد یونس کو لکھے تھے۔ یہ مجموعہ مکاتیب حیدر آباد دکن سے ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا تھا۔

www.taemeernews.com

حیدر آباد کے قائدین کے نام
مولانا مودودی کا ہمدردانہ مشورہ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

حیدر آباد کے مسلمانوں سے دینی اخوت کی بناء پر میرا جو تعلق ہے' اگرچہ اس کا بھی تقاضہ ہے کہ میں اس نازک موقعہ پر ان کو ایک خیر خواہانہ مشورہ دوں۔ لیکن اس کے علاوہ حیدر آباد سے اس بناء پر میرا ایک ذاتی تعلق بھی ہے کہ اورنگ آباد میرا پیدائشی وطن ہے اور میری زندگی کا نصف سے زائد حصہ حیدر آباد ہی میں بسر ہوا ہے۔ اس دوہرے قلبی تعلق کی وجہ سے میں اس تمام تشویش اور فکرمندی میں بعد مقام کے باوجود حیدر آباد کے مسلمانوں کے ساتھ برابر کا شریک ہوں۔ جس میں وہ موجودہ سیاسی صورت حال کی وجہ سے اپنے آپ کو مبتلا پا رہے ہیں۔ یہی چیز مجھ کو مجبور کرتی ہے کہ میں بلا طلب اپنا مشورہ ان حضرات کی خدمت میں پیش کروں جو اس وقت مسلمانان حیدر آباد کی رہنمائی کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ میری ان گزارشات پر وہ ٹھنڈے دل سے غور کریں گے۔ اور سرسری طور پر انہیں نظرانداز نہیں کریں گے تاہم وہ اگر ایسا کریں تو میں اپنی اخلاقی ذمہ داری سے بری الذمہ ہو جاؤں گا اور میرا ضمیر مطمئن رہے گا کہ اپنے بھائیوں کا جو حق مجھ پر عائد ہوتا تھا۔ اسے ادا کرنے کی میں نے کوشش کر دی۔

ہندوستان کے مسلمانوں نے ابھی ابھی اپنا جو انجام دیکھا ہے اور دیکھ رہے ہیں وہ دراصل خمیازہ ہے ان کوتاہیوں کا جو پچھلی صدیوں میں ہمارے حکمران ہمارے امراء

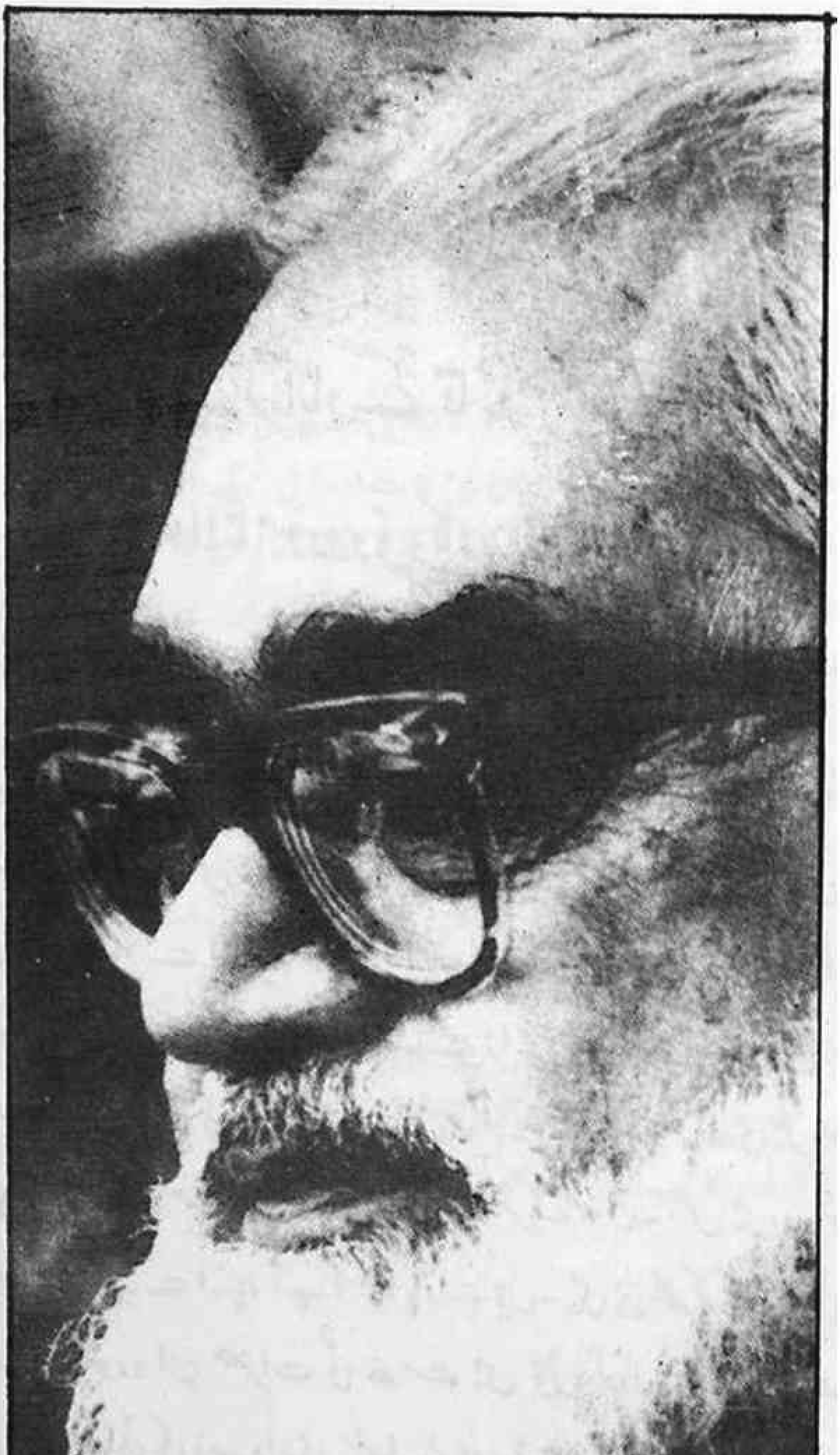

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

www.taemeernews.com

ہمارے مذہبی پیشواؤں کا ایک بڑا گروہ اور باستثناء چند ہمارے عام اہل ملت اپنے اس فرض کی ادائیگی میں برتتے رہے ہیں۔ جو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان پر عائد ہوتا تھا۔ اگر وہ اسلام کی صحیح نمائندگی کرتے۔ اگر وہ اپنے اخلاق اور معاملات اور اپنی سیرتوں میں اسلام کا صحیح نمونہ پیش کرتے اگر وہ سیاست اور حکمرانی میں عدل وانصاف پر قائم رہتے اور اپنی طاقتوں کو اسلام کی سچائی پھیلانے میں صرف کرتے تو آج دہلی اور مغربی یوپی اور مشرقی پنجاب سے مسلمان اس طرح بیک بنی ودوگوش نہ نکال دیئے جاتے جیسے اس وقت نکالے گئے ہیں۔ اور یوپی۔ بہار اور وسط ہند میں ان کے سر پر اس طرح تباہی نہ منڈلا رہی ہوتی جیسی آج منڈلا رہی ہے۔ یہ وہ علاقے ہیں جہاں سات آٹھ سو سال تک مسلمانوں کا اقتدار رہا ہے۔ جہاں مسلمانوں کی بڑی بڑی عظیم الشان جاگیریں حیدر آباد کی پائیگاہوں سے کئی گنا زیادہ بڑی جاگیریں قائم رہی ہیں۔ اور جہاں مسلمانوں کی تہذیب اور ان کے علوم و فنون کے عظیم الشان مرکز موجود رہے ہیں لیکن عیاشی دنیا میں انہماک' فوجی طاقت اور سیاسی اقتدار پر انحصار' اسلام کی دعوت پھیلانے سے تغافل اور انفرادی سیرتوں اور اجتماعی طرز عمل میں اسلام کے اخلاقی اصولوں سے انحراف کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان علاقوں کی عام آبادی غیر مسلم رہی۔ مسلمان ان کے درمیان آٹے میں نمک کے برابر رہے اور دلوں کو مسخر کرنے کے بجائے معاشی اور سیاسی دباؤ سے گردنیں اپنے سامنے جھکوانے پر اکتفاء کرتے رہے۔ پھر جب سیاسی اقتدار ان سے چھنا اور ایک غیر ملکی قوم ان پر مسلط ہوئی تب بھی انہوں نے اور ان کے رہنماؤں نے ان اسباب کو سمجھنے کی کوشش نہ کی جن کی بناء پر وہ حاکم سے محکوم بن کر رہ گئے تھے۔ بلکہ انہوں نے غیر ملکی حکمرانوں کے بل پر جینے کی کوشش کی اور اپنے سیاسی مطالبے اور دعوے ہمسایہ اکثریت کے مقابلے میں اس تیسری طاقت سے جس کے اقتدار کو بہرحال عارضی ہی ہونا تھا' منواتے رہے۔

اس تمام مدت میں زندگی کی جو مہلت مسلمانوں کو ملی تھی اس میں اپنی اخلاقی اصلاح کرنے اور اپنے بزرگوں کی غلطیوں کی تلافی کرنے کے بجائے مسلمان محض معاشی

www.taemeernews.com

اور سیاسی فائدوں کے لئے غیر مسلم اکثریت کے ساتھ کشمکش کر کے بظاہر یہ سمجھتے رہے کہ وہ اپنے جینے کا سامان کر رہے ہیں۔ لیکن دراصل وہ اپنی قبر کھود رہے تھے اور آخر کار آج ہماری بد قسمت آنکھوں نے دیکھ لیا کہ بہت سے تو اس قبر میں دفن ہو گئے ہیں اور بہت سے زندہ درگور ہیں۔

یہ جو کچھ ہندوستان کے مسلمانوں کو پیش آیا ہے میں چاہتا ہوں کہ حیدر آباد کے مسلمان اس سے سبق لیں اور جو تھوڑی سی مہلت ان کو سنبھلنے کے لئے ملی ہے اس سے فائدہ اٹھائیں۔ حیدر آباد کے مسلمانوں کی پوزیشن ہندوستان کے مسلمانوں سے بہت زیادہ مختلف نہیں۔ یہاں بھی صدیوں کی حکومت کے باوجود باشندوں کی عظیم اکثریت غیر مسلم ہے اور مسلمان (۱۵) فیصد سے زیادہ نہیں ہیں۔ یہاں بھی مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان سیاسی اور معاشی کشمکش سے وہی قومی منافرت پیدا ہو چکی ہے جو ہندوستان میں پیدا ہو چکی تھی اور اس انتہائی تلخی کی حد تک پہنچتی جا رہی ہے جو دہلی اور پنجاب میں پائی جاتی ہے۔ فرق اگر ہے تو صرف یہ ہے کہ یہاں مسلمان ریاست قائم ہے اور ریاست کے نظم و نسق پر مسلمان چھائے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ فرق جو اب تک حیدر آباد کے مسلمانوں کے بچے رہنے کا موجب بنا ہوا ہے کچھ ایسا زیادہ پائیدار اور مستحکم فرق نہیں کہ حیدر آباد کے مسلمان اس کے بھروسہ پر زیادہ مدت تک جی سکتے ہوں۔

انڈین یونین کی ہندو اکثریت جو سابق انگریزی طاقت کی وارث ہوئی ہے حیدر آباد کے چاروں طرف محیط ہے۔ حیدر آباد اس کے محاصرہ میں اس طرح گھرا ہوا ہے کہ کسی طرف سے وہ مدد نہیں پا سکتا۔ ریاست کی (۸۵) فیصدی آبادی غیر مسلم ہے اور وہ مسلمان ریاست کے اقتدار کو ختم کرنا چاہتی ہے۔ موجودہ جمہوریت کے دور میں ۱۵ فیصدی مسلمانوں کا یہ دعویٰ کہ حکمرانی ان کے ہاتھ میں رہے یا وہ کم از کم آدھے اقتدار کے شریک ہوں کسی طرح نہیں چل سکتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ غیر مسلموں کے کسی معتد بہ عنصر کو مسلمان اپنے ساتھ ملا کر اکثریت حاصل کر سکیں۔ یا کم از کم پچاس فیصدی رائے حاصل کر سکیں گے۔ اس صورت حال میں اگر مسلمان اپنے اقتدار کو اور ان تمام

www.taemeernews.com

امتیازی حقوق اور اختیارات اور فوائد و منافع کو برقرار رکھنا چاہیں جو انہیں اب تک حاصل رہے ہیں تو اس کے لئے انہیں لڑنا پڑے گا۔ لڑائی محض ریاست کی غیر مسلم اکثریت سے نہیں ہوگی بلکہ آخر کار انڈین یونین کی فوجی طاقت سے ہوگی جس کی پشت پر پورے ہندوستان کی ہندو قوم کی متفقہ طاقت ہوگی مجھے امید نہیں کہ اس لڑائی میں ریاست کی طاقت حیدر آبادی مسلمانوں کا ساتھ دے۔ رئیس کی فطرت یہ ہوتی ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے مفاد اور اپنے خانوادہ کے مفاد کو دیکھتا ہے۔ اگر وہ محسوس کرے گا کہ مسلمانوں کا ساتھ دینے سے اس کو بھی نواب جوناگڑھ کا سا انجام دیکھنا پڑے گا تو بعید نہیں کہ وہ انڈین یونین کے ساتھ اپنا معاملہ طے کرلے اور اپنی قوم کو اس کی قسمت پر چھوڑ دے۔ حیدر آباد کی فوج' پولیس' عدالتوں اور ایڈمنسٹریشن پر بھی آپ یہ بھروسہ نہیں کرسکتے کہ وہ اس لڑائی میں کچھ بہت زیادہ آپ کے کام آسکیں گے۔ اس لئے کہ ان میں سے کوئی بھی خالص مسلمان عناصر پر مشتمل نہیں ہے۔ بلکہ سب میں اچھا خاصہ غیر مسلم عنصر موجود ہے۔ لہٰذا اگر خدانخواستہ لڑائی پیش آگئی تو شاید حیدر آباد کے مسلمانوں کا انجام اس سے بھی زیادہ دردناک ہوگا جو مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کا ہوا ہے۔ کیوں کہ یہاں کم از کم اتنا فائدہ تو تھا کہ پاکستان کی سرحدیں قریب تھیں۔ اور پاکستان کی فوج ان کو نکال کرلانے میں کامیاب ہوگئی۔ لیکن اگر خدانخواستہ حیدر آباد کے مسلمانوں پر ایک طرف خود گھر کی اکثریت اور دوسری طرف گردونواح کے علاقوں کے مسلح ہندو جتھے اور تیسری طرف انڈین یونین کی فوجیں ٹوٹ پڑیں اور خود ریاست کے نظم و نسق نے ان کا ساتھ نہ دیا تو ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہ ہوگی۔ نہ کہیں سے وہ مدد پاسکیں گے اور نہ وہ کہیں جاسکیں گے۔

اس بناء پر میرا یہ مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ اس فرق کو جو سردست آپ کی حالت اور ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت میں پایا جاتا ہے کوئی بہت بڑا پائیدار قابل اعتماد فرق نہ سمجھیں اور چند مہینوں کی مہلت کو جو خوش قسمتی سے آپ کو مل گئی ہے ضائع کرنے کے بجائے ایسا لائحہ عمل بنانے میں صرف کریں جس سے مسلمانان حیدر آباد کی

www.taemeernews.com

نہ صرف یہ کہ جان و مال اور آبرو بچ جائے بلکہ ان کو ایک بہتر اور زیادہ شاندار مستقبل تک پہنچنے کا راستہ مل جائے۔

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں اصل چیز جو مسلمانوں کے لئے ذریعہ تحفظ ہی نہیں بلکہ ذریعہ ترقی اور وسیلہ سربلندی ہو سکتی ہے وہ تو یہی ہے کہ وہ اسلام پر قائم ہوں۔ اس کے صحیح نمائندے بنیں۔ اس کی دعوت اپنے قول اور عمل سے دنیا کے سامنے اور بحیثیت ایک قوم کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بن کر کھڑے ہوں۔

یہی چیز ان کے لئے زندگی اور عزت کی زندگی کی ضامن ہو سکتی ہے۔ لیکن ان خطوط پر اپنی قوم کو تیار کرنے کے لئے بہر حال ہمیں کچھ وقت درکار ہے اور یہاں حال یہ ہے کہ طوفان سر پر آ چکا ہے اس لئے یہ ناگزیر ہے کہ ہم کوئی ایسی تدبیر سوچیں جس سے یہ طوفان ٹل سکے۔ اور ہمیں اتنا وقت مل جائے کہ ہم مسلمانوں کی عام اخلاقی اصلاح کر سکیں اور دعوت اسلامی کے کام کو منظم طریقہ سے آگے چلا سکیں۔

میں اس مسئلہ پر بہت غور کرتا رہا ہوں کہ ایسی تدبیر کیا ہو سکتی ہے۔ اور آخر کار میں جن نتائج پر پہنچا ہوں ان کو ذیل میں نمبروار بیان کرتا ہوں۔

(۱) ہندوستان اور حیدر آباد کی سیاسی صورت حال کو دیکھتے ہوئے یہ کسی طرح ممکن نظر نہیں آتا کہ آپ انڈین یونین میں حیدر آباد کے داخلہ کو اور حیدر آباد میں ذمہ دارانہ حکومت کے قیام کو روک سکیں۔ یہ چیز بہر حال ہو کر رہے گی۔ آپ کے روکے نہ رک سکے گی اور روکنے کی کوشش کا حال اس کے سوائے کچھ نہ ہو گا کہ ریاست اور مسلمان دونوں تباہ ہو جائیں یا صرف مسلمان تباہ ہوں۔ اور ریاست مسلمانوں کی بھینٹ چڑھا کر اپنے آپ کو بچا لے۔ اس صورت حال میں عقلمندی یہ ہے کہ مزاحمت کرنے کے بجائے آپ ایسی بنیادوں پر مفاہمت کرنے کی کوشش کریں جن سے انڈین یونین کی شرکت اور ذمہ دار حکومت کا قیام نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے لئے کم سے کم مضر ہو سکے بلکہ اس کے برعکس مسلمانوں کو ایسے مواقع حاصل ہو جائیں جن سے وہ مذکورہ بالا مقصد کے لئے اپنی عملی تعمیر زیادہ اچھی طرح کر سکیں۔

www.taemeernews.com

(۲) مزاحمت اور کشمکش کرنے کے بجائے اگر اس وقت حیدر آبادی مسلمانوں کی قومی تنظیم یعنی انجمن اتحاد المسلمین یہ بات پیش کرکے وہ چند شرائط کے ساتھ انڈین یونین کے داخلہ اور مکمل ذمہ دار حکومت کے قیام پر بخوشی راضی ہے تو مجھے امید ہے کہ اس مرحلہ پر اسٹیٹ کانگریس اور انڈین یونین دونوں ہماری شرائط ماننے پر راضی ہوسکیں گی۔

(۳) میرے نزدیک جو شرائط اس غرض کے لئے مفید ہوسکتی ہیں اور جن پر انڈین یونین اور اسٹیٹ کانگریس کو با آسانی راضی کیا جاسکتا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

الف: ریاست کے آئندہ دستور میں مسلمانوں کو یہ حق دیا جائے کہ ان کے تہذیبی اور مذہبی معاملات کے لئے ان کا اپنا الگ ایک آرگنائزیشن ہو جسے مسلمانوں پر زکوۃ عائد کرنے اور خرچ کرنے کے لئے اور مذہبی اوقاف کا انتظام کرنے اور ان کی آمدنی کو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے کاموں پر صرف کرنے کے لئے نیز مسلمانوں کا پرسنل لا ان کے معاملات نکاح وطلاق و وراثت وغیرہ پر جاری کرنے کے لئے ضروری قانونی اور عدالتی اختیارات حاصل ہوں (ایسے ہی اختیارات اگر دوسرے غیر مسلم گروہ بھی حاصل کرنا چاہیں تو مسلمانوں کو اس پر کوئی اعتراض نہیں)

ب: مسلمانوں کے اس حق کو بھی دستور میں محفوظ کرایا جائے کہ وہ اپنے خرچ پر اپنی الگ مذہبی درسگاہیں قائم کرسکیں اور اس طرح سرکاری تعلیم گاہوں میں مسلمان بچوں کے لئے اپنے خرچ پر لازمی مذہبی تعلیم کا انتظام کرسکیں (یعنی مسلمان بچوں کے لئے سرکاری درسگاہوں میں مذہبی تعلیم (Compulsory) ہوگی اور اس کا خرچ مسلمانوں کا مندرجہ بالا (Orgnisation) برداشت کرے گا۔

ج: ریاست کے لئے جو اسمبلی یا پارلیمنٹ بنے اس میں طریق انتخاب مخلوط تو ضرور ہو لیکن لازماً کوئی ایسا طریق انتخاب اختیار کیا جائے جس سے آبادی کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا گروہ بھی نمائندگی سے محروم نہ رہ سکے۔ مثلاً (Proportional) (Represention متناسب نمائندگی کا وہ طریقہ جس میں ملک کو یک نشستی حلقہ ہائے

www.taemeernews.com

انتخاب میں تقسیم نہیں کیا جاتا۔ بلکہ پورا ملک ایک حلقہ انتخاب ہوتا ہے اور رائیں منفرد نمائندوں کے حق میں نہیں بلکہ پارٹیوں کے حق میں ڈالی جاتی ہیں۔

د: دستور کی ترمیم پر ایسی پابندی عائد کی جائے جس کی وجہ سے مسلمانوں کے وہ حقوق جو انہیں پہلے دستور میں دے گئے ہوں بعد کی کسی ترمیم میں باآسانی سلب نہ کئے جاسکیں۔ مثلاً دستور کی ترمیم کے لئے استصواب رائے عامہ ضروری قرار دیا جائے اور کم از کم (۸۰) فیصدی یا (۸۵) فیصدی ووٹوں کے بغیر کوئی ترمیم پاس نہ ہوسکے۔

ہ: اس بات کی ضمانت دی جائے کہ سرکاری محکموں میں اور ان کے کسی شعبے میں بھی مسلمانوں کا تناسب ان کی آبادی کے تناسب سے بہرحال گھٹنے نہ پائے گا اور کسی شعبے میں ان کے خلاف کوئی امتیازی پابندی نہ عائد کی جائے گی۔

و: ازروئے دستور تبدیلی مذہب پر کوئی پابندی عائد نہ ہوسکے گی ان شرائط کے ساتھ مسلمانوں کو یہ تسلیم کرلینا چاہئے کہ ریاست میں مکمل ذمہ دارانہ حکومت قائم ہو اور نظام صرف ایک دستوری فرمانروا کی حیثیت سے رہیں۔ نظام کے لئے دستوری فرمانروا سے بڑھ کر کسی پوزیشن کا مطالبہ پر مسلمانوں کو اصرار نہ کرنا چاہئے ورنہ سمجھ لیں کہ یہ چیز ایک خاندان کے مفاد پر ایک پوری قوم کے مفاد کو قربان کرنے کے ہم معنی ہوگی جس کا خمیازہ آگے چل کر مسلمانوں کو بہت برا دیکھنا ہوگا۔

(۴) مذکورہ بالا شرائط کے مطابق مسلمانوں کو اپنا جو قومی آرگنائزیشن قائم کرنے کا حق حاصل ہو اس سے انہیں پورا فائدہ اٹھانا چاہئے۔ زکوٰۃ اور اوقاف کی آمدنی اتنی کافی ہوگی کہ اس سے ایک عظیم الشان بیت المال قائم ہوسکے گا۔ مسلمانوں کی تعلیم اخلاقی اصلاح، معاشی خوشحالی اور صنعتی ترقی کے لئے بہت سے کام کئے جاسکیں گے۔ ان کو سودی قرض سے نجات دلائی جاسکے گی۔ اور ایسے ادارے قائم کئے جاسکیں گے جو دعوت دینی کے لئے مسلمانوں، مسلمان نوجوانوں کو تیار کریں۔ ملکی زبانوں میں قرآن مجید کے ترجمہ اور تفاسیر شائع کریں اور اسلامی لٹریچر کی وسیع پیمانے پر اشاعت کریں۔ ان ذرائع سے یہ ممکن ہوگا کہ ہم بتدریج مسلمانوں کی طاقت حیدرآباد میں بڑھا سکیں اور

www.taemeernews.com

اپنی سوسائٹی کو زیادہ سے زیادہ صالح بنا کر غیر مسلم عناصر کو اپنے اندر جذب کر سکیں۔

(۵) ان تحفظات کے ساتھ جو ذمہ دار حکومت قائم ہو اس میں مسلمان اپنا اثر اس طرح بڑھا سکتے ہیں کہ ان کی سیاسی پارٹی یعنی انجمن اتحاد المسلمین کوئی ایسا پروگرام پیش کرے جسے لے کر وہ صرف مسلمانوں ہی کے سامنے نہ جائے بلکہ غیر مسلم ووٹروں کے سامنے بھی جا سکے۔ اور ان کی زیادہ سے زیادہ رائیں حاصل کر سکے۔ مثال کے طور پر اس کے پروگرام میں (Depressed Classes) کے لئے کوئی ایسی کشش ہونی چاہئے کہ اپنے ووٹ اونچی ذات کے ہندوؤں کی کوئی سیاسی پارٹی نہ حاصل کر سکے بلکہ وہ مسلم پارٹی کو حاصل ہو۔ آج اگر آپ سیاسی جوڑ توڑ کر کے پست اقوام کو ہندوؤں سے توڑنے کی کوشش کریں گے تو آپ کچھ فائدہ نہ حاصل کر سکیں گے اور یہ چیز ہندوؤں میں آپ کے خلاف اور زیادہ ضد پیدا کر دے گی۔ لیکن کل نئے دستور کے مطابق اگر انتخابات میں آپ ایسا پروگرام لائے جو پست اقوام کی اکثریت کو آپ کے ساتھ ہم آواز بنا دے تو آپ اسمبلی میں اکثریت حاصل کر سکیں گے اور رہنمائی آپ کے ہاتھ میں ہو گی۔ بہرحال اس نقشہ پر کامیابی حاصل کرنے کے لئے ناگزیر ہے کہ مسلمان نئے حالات کے مطابق اپنے اندر سے ایک بہتر اور زیادہ بیدار مغز سیاسی لیڈر شپ پیدا کریں۔ جو تنگ نظری کے ساتھ مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے مفادات کی حفاظت پر مصر نہ ہو بلکہ بڑے پیمانہ پر عدل و انصاف کے مقام سے اور عامتہ الناس کی حقیقی ترقی و فلاح کے کاموں سے مسلمانوں کے اصلی مفاد کی خدمت کر سکے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

بقلم محمد یونس

مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۹۴۷ء

www.taemeernews.com

مملکت آصفیہ حیدرآباد کا سقوط

—— سید خلیل اللہ حسینی

سید خلیل اللہ حسینی (۱۹۲۶ء - ۱۹۹۲ء) کا شمار عثمانیہ یونیورسٹی کے نامور سپوتوں میں ہوتا ہے انھوں نے (۱۹۴۸ء) بی میں درجہ اول میں ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی تھی۔ انھیں یو۔ ایس۔ اے میں تعلیم کے لئے اسکالر شپ بھی ملی تھی اور چند دوست انھیں مجبور کر کے مشرقی پاکستان بھی لے گئے جہاں انھیں ڈھاکہ کے ریڈیو اسٹیشن میں عہدہ بھی مل گیا لیکن انھوں نے اسکالر شپ قبول نہیں کی اور بس تھوڑے ہی دن بعد ملازمت اور عہدہ چھوڑ دیا۔ حیدرآباد واپس آگئے تاکہ تباہ حال ریاست حیدرآباد کے مسلمانوں کی خدمت کر سکیں۔ انھوں نے اس دور میں جبکہ ابھی فوجی حکومت قائم تھی دل ہارے مسلمانوں میں اللہ پر اعتماد اور اپنی صلاحیت پر بھروسہ پیدا کیا اور نوجوانوں کو ملت کی نو تعمیر کے لئے آمادہ عمل کیا۔ "بزم احباب" قائم کی جو آج کل ہند مجلس تعمیر ملت کے نام سے ہندوستانی مسلمانوں کی جانی مانی تنظیم ہے۔

ان کی تصنیف "ہندوستانی مسلمان" سے ایک اقتباس پیش کیا جارہا ہے جو مملکت آصفیہ حیدرآباد اور اس کے سقوط سے متعلق ہے۔ اس مختصر تحریر میں سقوط اور اس کے اسباب کا حقیقت افروز تجزیہ کیا گیا ہے۔ (ادارہ)

www.taemeernews.com

مملکت آصفیہ حیدرآباد

سید خلیل اللہ حسینی

دکن یعنی جنوبی ہند میں مغلوں کے صوبہ دار میر قمرالدین علی خاں نے مغلیہ اقتدار کے زوال پر ۱۷۲۴ء میں آزادی کا اعلان کردیا۔ اس مملکت کے سات حکمران ہوئے جنھیں نظام کہا جاتا ہے اور اس مملکت کو مملکت نظام یا مملکت آصفیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ابتداء میں دکن کا بہت کچھ حصہ نظام اول آصف جاہ کے تحت تھا۔ لیکن نظام علی خاں آصف جاہ دوم کے زمانے میں انگریزوں نے اپنی سازشوں سے نظام کا بہت سا علاقہ لے لیا۔ بہر حال سب کچھ جانے کے بعد بھی سلطنت نظام کا رقبہ ۸۲ ہزار میل تھا۔ (واضح ہو کہ مملکت اسرائیل کا فلسطینی رقبہ شروع میں کوئی دس ہزار مربع میل تھا۔ مملکت نظام کا رقبہ یورپ کی کئی آزاد مملکتوں سے زیادہ تھا۔ اس وقت کی آزاد مملکت بنگلہ دیش کا رقبہ (۵۶) ہزار مربع میل ہے)

نظام کی سلطنت میں کچھ خوبیاں بھی تھیں جن کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا۔ پہلی چیز یہ ہے کہ ہندوستان کے بہت سے قابل اصحاب کو یہاں پناہ ملی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں ایک تحریک ملکی تحریک کے نام سے موسوم تھی لیکن اسکا کتنا اثر تھا اس کو جاننے کے لئے یہی معلوم کرنا کافی ہوگا کہ شمالی ہند کے بلاشبہ ہزاروں لوگ حیدرآباد آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ ملکی اور غیر ملکی تحریک کا وجود صرف اس وقت محسوس ہوتا ہے جب کہ شمالی ہند سے آئے ہوئے لوگوں میں بعض لوگوں کا سلوک اہل حیدرآباد سے قابل اعتراض ہوتا تھا۔ لیکن عام طور پر باہر کے ان لوگوں کو جو بہت بڑی تعداد میں آتے رہے اہل حیدرآباد نے گلے سے لگایا۔ حیدرآباد کا نظم و نسق عام طور پر اچھا تصور کیا جاتا ہے۔ عدلیہ عاملہ الگ الگ تھے۔ لوگوں میں ہمدردی اور رواداری موجود تھی۔ عثمانیہ یونیورسٹی کا تذکرہ کرتے ہوئے مشہور کانگریسی سیاست داں سی راجگوپال چاری نے کہا تھا حقیقی ودیا پتھ (یعنی مرکز علم) یہی ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی نے بہت جلد اپنے معیار اور کارکردگی کا لوہا منوالیا۔ ساری دنیا میں اسکے طالب علموں نے نمایاں مقام حاصل کیا۔ عثمانیہ یونیورسٹی کی شاندار عمارت جہاں اپنی بانی کی حوصلہ مندی کی دلیل ہے وہیں عدالت العالیہ (ہائی کورٹ) اور دواخانہ عثمانیہ اپنے بانی کے نام کو اس وقت تک باقی رکھیں گے جب تک کہ ہائی کورٹ میں انصاف ہوتا رہیگا اور دواخانہ سے شفا ملتی رہے گی۔ حیدرآباد میں ذرایع حمل و نقل (ٹرانسپورٹ سسٹم) قومیایا (Nationalised) گیا تھا۔ ریلویز اور بسیں راحت اور آرام جو مسافروں کو مہیا کرتی تھیں برطانوی علاقہ کے ریلوے اور بسوں پر خندہ زن تھیں۔ غرض یہ کہ مملکت حیدرآباد رواداری، تعلیمی نظام، عدلیہ کا انتظام، شفاخانوں کی کثرت اور عام طور پر خوش حالی کی وجہ سے واقعی ایک فلاحی مملکت (Welfare State)

www.taemeernews.com

تھی۔ یہاں کا کتب خانہ آصفیہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ یہاں کے ایک امیر کبیر سر سالار جنگ نے اتنی نوادرات جمع کی تھیں کہ سالار جنگ میوزیم کے نام سے کئی منزلہ عمارت میں ان کی جمع شدہ نادر اشیاء کا ایک حصہ رکھا گیا ہے۔ کتابوں اور قدیم قلمی نسخوں پر مشتمل ایک کتب خانہ ہے جو سالار جنگ لائبریری کے نام سے موسوم ہے۔ وہ ہندوستان بھر میں اپنی نظیر آپ ہے۔ اور ریسرچ اسکالر کے لئے ایک نعمت سے کم نہیں۔ حیدرآباد کے انجنیر علی نواز جنگ نے بڑی نیک نامی پائی۔ ان کے زمانے میں بنائے ہوئے تالاب نظام ساگر، عثمان ساگر، حمایت ساگر، اور علی ساگر تو مشہور ہیں ہی اس کے علاوہ بہت سے پراجکٹس کے اصلی نقشہ انھوں نے بنائے تھے جو بعد میں چل کر عملی جامع پہنے جیسے تنگبھدرا پراجکٹ، ناگر جناساگر پراجکٹ وغیرہ اس موقعہ پر مولوی غلام یزدانی صاحب کا تذکرہ بے محل نہ ہو گا جنھوں نے شہرہ آفاق ایلورہ اور اجنٹہ کے غاروں میں بہت سی نئی دریافت کیں اور دریافت شدہ غاروں کا بہترین انتظام کیا۔ اور ان پر بڑی معیاری کتابیں لکھی جو آکسفورڈ یونیورسٹی لندن میں شائع ہوئیں۔ ویسے ساری دنیا کو ایلورہ اور اجنٹہ سے متعارف کرانے میں جناب اسد اللہ صاحب کی پینٹنگس کو بھی بڑا دخل ہے۔

مملکت حیدرآباد بہت سی خوبیوں کے باوجود بعض خطرناک کمزوریوں کا شکار بھی تھی۔ انگریزوں نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ کوئی نظام ایسا نہ آنے پائے جو ان کی بالا دستی (Parmountcy) کو چیلنج کرسکے۔ اگر کوئی ذہین آدمی جیسے نظام سابع تھے تخت پر فائض ہوجائے تو انگریزوں کی کوشش ہوتی کہ ایسے لوگوں کو ان کا درباری بنادیا جائے جو حکمران کو عیاشی میں افیون کی پینک اور دیگر شوق و ذوق میں غرق کردیں۔ ایسے درباریوں کا کام یہ ہوتا کہ نظام کو مرد میدان نہ بننے دیا جائے۔

دوسری کمزوری اس مسلم معاشرہ کی تھی جو تاریخی طور پر سلطنت نظام کا بازوئے شمشیر زن تھا پورے مسلم معاشرے کو گویا گھن لگ چکا تھا۔ مختصر یہ کہ حیدرآباد کا مسلم معاشرہ اتنا کھوکھلا ہوچکا تھا کہ وہ حکومت ہند سے ٹکر نہیں لے سکتا تھا۔ (ریاست حیدرآباد پر ہندوستانی فوج کے حملے سے پہلے مارچ ۱۹۴۸ء میں میں نے ایم اے کی ڈگری کے لئے حیدرآباد کے مسلمانوں کا تہذیبی و تمدنی جائزہ کے عنوان سے مقالہ (Thesis) لکھا تھا جس میں میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ حیدرآباد کا معاشرہ اتنا کھوکھلا ہوچکا ہے کہ وہ حکومت ہند سے ٹکر نہیں لے سکے گا۔ ممتحن صاحب نے اس نتیجہ سے اختلاف کیا تھا۔ لیکن ستمبر ۱۹۴۸ء کے واقعات نے اس نتیجہ کو صحیح ثابت کیا)۔

یوں تو حیدرآباد کو آزاد رکھنے کی کوشش بھی ہوئی۔ اسوقت مسلمانوں کی سیاسی تنظیم کے رہنما جناب قاسم رضوی صاحب ایڈوکیٹ تھے۔ (ریاست حیدرآباد کو ہندوستان کے فوجی قبضہ سے آزاد رکھنے کے لئے سید قاسم رضوی صاحب نے جو غیر معمولی کوششیں کیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔ ان کی جراءت، بے باکی اور عزم و ہمت سے مسلمانان حیدرآباد نے بیداری کی ایک نئی انگڑائی لی۔ اور مسلمانان دکن میں سرفروشی کا جذبہ پیدا ہوا اس نے حکومت ہند کو مرعوب کردیا۔ ہندوستان کے اخبارات و رسائل قاسم رضوی صاحب کو ہندو دشمن اور راکشس بتانے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگے۔ ایک رسالہ نے یہاں تک لکھا کہ رضوی صاحب روزانہ ہندوؤں کا ناشتہ کرتے ہیں۔ خون خوار اور آدم خور ہیں۔ ایک خاص مقصد کے تحت رضوی صاحب کی

www.taemeernews.com

کردار کشی کی جارہی تھی ۔ پروپگنڈہ کیا جارہا تھا کہ قاسم رضوی صاحب کے ہوتے ہوئے ہندوؤں کی خیر نہیں ہے ۔ افسوس یہ ہے کہ لاتور ضلع عثمان آباد کے اس پر جوش ایڈوکیٹ (رضوی صاحب) نے اس پروپگنڈہ کے مقاصد کا اندازہ نہیں لگایا اور ان کے حاشیہ نشینوں اور جی حضوری مصاحبین نے اس طوفان کی اہمیت کو نظر انداز کردیا جو رضوی صاحب کے خلاف اٹھایا جارہا تھا ۔

قاسم رضوی صاحب جری تو تھے لیکن جوش آزادی میں اس ہوش سے محروم تھے جو انسانوں کو اپنی کمزوریوں پر نظر رکھنے میں مدد دیتا ہے ۔ اندھے جوش و جذبے کا نتیجہ وہی ہونا تھا جو ہوا ۔ مسلمانان حیدرآباد کو درد ناک ناکامی ہوئی اور ہزاروں مسلم نوجوانوں کو حکومت ہند کی بہادر فوج نے گولی سے اڑا دیا ۔ مقامی فرقہ پرست ہندوؤں کے غول کے غول فوج کے پیچھے پیچھے جاتے اور مسلمانوں کی بستیوں کو بری طرح لوٹ لیتے ۔ اپنی عزت بچانے کے لئے سینکڑوں مسلم خواتین نے خودکشی کرلی اور کنوؤں میں گر کر جان دیدی لیکن تباہی اور بربادی کے باوجود مسلم نوجوانان حیدرآباد جو رضاکاروں کے نام سے مشہور ہوئے اپنی بہادری کے انمٹ نقوش چھوڑ گئے ۔ وہ دبابوں کے سامنے لیٹ گئے اور اپنی برچھیوں سے دبابوں کی چین گرانے کی کوشش کی ۔ جہاں بھی موقع ملا حکومت ہند کی فوجوں کو نقصان پہنچایا ۔ کہا جاتا ہے کہ نظام کے سپہ سالار جیب العیدروس ہندوستانی حکومت سے مل گئے تھے اور ان کی سازشانہ کوششیں ایسی رہیں کہ نظام کی فوجوں کو اپنے حوصلے نکالنے کا موقع نہ مل سکا ۔ جو کچھ بھی مقابلہ رضاکاروں نے کیا اور وہی حکومت ہند غیظ و غضب کا شکار ہوئے ۔ مسلم نوجوان مقامی فرقہ پرست ہندو غنڈوں اور حکومت ہند کی بہادر فوج کی بندوقوں کی نذر ہوگئے لیکن ہزاروں لوگوں کی تباہی کے یہ واقعات دنیا کی نظروں سے کسی طرح اوجھل ہیں جس طرح کہ شمال مغربی سرحدی صوبہ (پاکستان) کے بہادر مسلمانوں کی سکھوں کے مقابلہ میں سرفروشی کی داستان بہ زمانہ مہاراجہ رنجیت سنگھ ۔

اسپین کی حکومت غرناطہ کی طرح تہذیب و تمدن کا یہ باغ جس کا نام مملکت آصفیہ تھا اور جو کارکرد نظم و نسق ، اعلیٰ تہذیب و تمدن ، عوام کے مذہبی معاملات میں عدم مداخلت اور رواداری کا نمونہ تھا ، حکومت ہند کی بھیجی ہوئی تیز و تند آندھی کی زد میں آگیا ۔ حیدرآباد کی عظمت و شوکت داستان پارینہ بن گئی ۔

www.taemeernews.com

فصل ششم

ڈوبتی کشتی کے ملاح

آصف سابع میر عثمان علی خاں

www.taemeernews.com

ڈوبتی کشتی کے ملاح

ان پر کیا گزری، کیا بیتی

اکھنڈ بھارت کے نظریے کے تحت مملکت حیدر آباد کا بھارت میں انضمام اور اس کے نتیجے میں پیش آنے والے حالات اگرچہ مملکت کے مسلمانوں کا مقدر تھے، لیکن ان کے اس مقدر کی جنگ میں جن ذمہ داروں کی طرف انگلیاں اٹھتی ہیں، وہ دراصل ہمارے چار اکابر ہیں۔

۱۔ میر عثمان علی خان نظام الملک آصف جاہ سابع

۲۔ میر لائق علی، صدر اعظم

۳۔ میجر جنرل سید احمد العیدروس

۴۔ سید قاسم رضوی، صدر، مجلس اتحاد المسلمین

مملکت کے آخری دنوں کے بحران میں ان کے نقطہ نظر، کردار اور ان کی جدوجہد سے قطع نظر --- سقوط کے دوران اور بعد کے واقعات میں ان کے ساتھ پیش آنے والے حالات یہاں ہمارے موضوع ہیں۔ چنانچہ ذیل کے معروضات اور اقتباسات سے ان اکابر کے متعلقہ کردار کا سرسری تذکرہ قارئین کے لئے ان کی حیثیت کو متعین کرنے میں مددگار ہوسکے گا۔ یہاں یہ پہلو قابل لحاظ ہے کہ سقوط کے وقت ان اکابر کی عمریں پچاس سال سے کم یا اس کے آس پاس ہی تھیں۔ گویا یہ سب ہی ابھی اپنے نصف النہار پر تھے --- اور ابھی ان کی لیاقتوں و استعداد کے اظہار کا پورا موقع بھی شاید انہیں

www.taemeernews.com

نہیں مل سکا تھا!

میر عثمان علی خاں

میر عثمان علی خاں ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد میر محبوب علی خاں کی وفات ۱۹۱۱ء پر تخت نشین ہوئے۔ تقریباً چالیس برس تک بلا شرکت غیرے کامیابی سے حکومت کی۔ ان کے رفاہی، تعلیمی اور دینی کارنامے شاندار اور یقیناً ان کے لئے قابل فخر ہیں۔

سقوط کے بعد حکومت ہند نے ان کے اختیارات کلی طور پر چھین لئے۔ مگر ان کو اور ان کے خاندان کو کوئی مالی نقصان فوری نہ ہوا۔ ان کے جیب خاص کا خرچ ایک کروڑ روپیہ (ٹیکس کی چھوٹ کے ساتھ) انہیں ملتا رہا۔ ۱۹۵۲ء میں وہ ریاست کے راج پرمکھ یعنی گورنر بنادیئے گئے۔ اور چار سال کے بعد جب ریاست کو لسانی بنیادوں پر تقسیم کردیا گیا اور قیام آندھرا پردیش واقع ہوا تو انہیں یہی عہدہ پھر پیش کیا گیا، لیکن اسے انہوں نے قبول نہ کیا۔

۱۹۵۶ء کے بعد وہ تقریباً گوشہ نشین ہوگئے۔ اب ان کا زیادہ وقت اپنے محل (کنگ کوٹھی) میں گزرتا تھا۔ اس دوران ان کی اولین دلچسپی غریب اور نادار بچوں کی پرورش ہوگئی تھی۔ وہ ۳۰۰ سے زائد بچوں کو اپنے محل میں یا اس کے اطراف "خانہ زادوں" کے نام سے پرورش کرتے رہے۔ ان کی دوسری دلچسپی اپنے خاندان اور عام لوگوں کے لئے قائم کردہ اوقاف چلانے میں لگی رہی، جس سے ہزارہا افراد کو بلالحاظ مذہب و نسل تعلیمی وظائف، وظیفہ پیرانہ سالی اور طبی امداد ملتی رہی۔ اپنے شہزادوں اور شہزادیوں کا انہوں نے معقول اور متمول اوقاف کے ذریعے مالی فراغت کا انتظام کردیا تھا۔ محض سرپرستی اور روزگار فراہم کرنے کی غرض سے انہوں نے آخر وقت تک زمانہ شاہی کے کسی ملازم کو ملازمت سے علیحدہ کرنے نہ دیا، چاہے اب اس کی کوئی ضرورت باقی نہ ہو۔ اس طرح ان کے ملازمین کی تنخواہوں کی مد میں ماہانہ ۳۶ لاکھ روپے خرچ ہوتے رہے۔ آخری برسوں میں نواب مکرم جاہ کو انہوں نے اپنا وارث اور جانشین نامزد کردیا، جس کی

www.taemeernews.com

توثیق حکومت ہند نے بھی کردی تھی۔

دوسری جانب وہ اپنے "کلام بلاغت نظام" کی تخلیق میں بھی دلچسپی لیتے رہے اور اسے پروفیسر رشید احمد صدیقی کے مقدمے کے ساتھ شائع بھی کروایا۔

۲۴؍ فروری ۱۹۶۷ء کو اپنے وقت کا یہ بطل جلیل اور حاتم دوراں تاریخ میں اپنی بے نفسی، انسان دوستی، علم پروری، علماء نوازی کی زندہ جاوید یادگاریں ثبت کرکے مثالی نیک نامی کے ساتھ اس دنیائے فانی سے رخصت ہوگیا۔ رہے نام بس اللہ کا۔

میر لائق علی

صفحات ماقبل میں ان کی خودنوشت کے اقتباس کے ساتھ ان کا سرسری تعارف کیا جاچکا ہے۔ وہ ایک کامیاب صنعت کار تھے اور کامیابی سے اپنے کاروبار میں مصروف تھے کہ نومبر ۱۹۴۷ء میں مملکت کے صدر اعظم (یا وزیر اعظم) نامزد کردیئے گئے۔ مملکت کی مجلس انتظامیہ کے اہم اراکین سر اکبر حیدری (۱۸۶۹ء ۱۹۴۲ء) اور وزیر مالیات غلام محمد سے، (جو بعد میں پاکستان کے گورنر جنرل بنے)۔ سے ان کے قریبی روابط نے انہیں یہاں تک پہنچا دیا تھا۔ موخرالذکر سے ان کی قربت پاکستان میں بھی ان کے لئے معاون بنی۔

سقوط کے بعد انہیں نظربند کردیا گیا اور کڑے پہرے میں رہے، لیکن کڑی نگرانی کے باوجود وہ وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے اور کراچی پہنچ گئے۔ ان کا وہاں سے فرار ہونا بھی وہاں کے حالات مابعد کی ایک اور تصویر ہمارے سامنے لاتا ہے۔ جو ایک عرصہ تک راز ہی رہا۔ اس بارے میں بہت سی قیاس آرائیاں ہوتی رہیں۔ یہاں اس تصویر کو دکھانے کے لئے اس وقت کے حیدرآباد کی خفیہ پولیس کے ایک افسر اعلیٰ مرحوم فضل رسول خان نانگڑ (۱۸۸۵ء۔ ۱۹۷۴ء) کی یادداشتوں پر مشتمل کتاب "سراغ رسانی اور تفتیش" کا متعلقہ اقتباس پیش کیا جاتا ہے، جو مرحوم کے فرزند محمد مرتضیٰ علی نے مرتب کرکے حیدرآباد سے ۱۹۸۱ء میں دو جلدوں میں شائع کی ہے۔

www.taemeernews.com

۷؍ مارچ ۱۹۸۰ء کو مقامی اخبارات میں یہ سنسنی خیز خبر شائع ہوئی کہ میر لائق علی صاحب اپنے گھر سے پراسرار طور پر فرار ہو کر پاکستان پہنچ گئے ہیں اور بعد میں ان کے لاپتہ ہو جانے کی خبر آئی۔ اس کے بعد ہی دیگر تمام اراکین باب حکومت کو جو اپنے اپنے گھروں میں نظربند تھے سینٹرل جیل پہنچا دیا گیا اور حیدر آباد ہی میں کیا پورے ہندوستان میں سنسنی پھیل گئی۔ مختلف افواہیں شہر میں گرم ہوئیں کہ وہ ہیلی کاپٹر کے ذریعہ اڑ کر پاکستان فرار ہو گئے۔ کہیں افواہ تھی کہ وہ بڑے دیگچے میں بیٹھ کر گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور کہیں افواہ تھی کہ وہ برقعہ پوش عورت کے بھیس میں گھر سے نکل گئے جیٹلے صاحب' آئی جی پی اور ایس این ریڈی صاحب کمشنر سٹی پولیس (کوتوال بلدہ) لائق علی صاحب کے فرار کا طریقہ اور اسکیم معلوم کرنے میں مصروف ہو گئے۔ سینٹرل گورنمنٹ بھی یہ معلوم کرنے میں دلچسپی رکھتی تھی کہ آخر وہ اتنے پہروں میں سے کسی طرح بچ کر نکل گئے اس لئے سینٹرل گورنمنٹ نے فوراً بی این ملک کو ان کا پتہ چلانے اور تفتیش کرنے حیدر آباد روانہ کیا۔ شہر حیدر آباد میں شبہ کی بنا پر نہ صرف بہت سی گرفتاریاں ہوئیں بلکہ لائق علی صاحب کے رشتہ دار' عزیز و اقارب اور ان سے تعلق رکھنے والے تمام افراد کیا عورت کیا مرد سب کو نگرانی میں لے لیا اور نظربند رکھا گیا تھا۔ فضل رسول خاں صاحب کو بعد میں مسٹر ہلدی والا انسپکٹر بھٹی سی آئی ڈی سے معلوم ہوا تھا کہ حیدر آباد سے کہیں زیادہ احتیاطی نقطہ نظر سے گرفتاریاں بمبئی میں عمل میں آئی تھیں۔ ہوائی جہازوں کے ذریعہ سفر کرنے والوں میں لائق علی صاحب کی تلاش کی گئی اور ہر ذریعہ عمل و نقل کو' جہاں کہیں وہ تھا وہیں رک جانے کی ہدایات دی گئیں اور ذمہ دار افسروں کو مسافروں کی جانچ کرنے کے بعد سفر جاری رکھنے کی اجازت دی گئی۔ بتاریخ ۱۰؍ مارچ ۱۹۵۰ء تک کوئی پتہ نہ چل سکا تھا کہ لائق علی صاحب آخر کس طرح نکل کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

راقم الحروف کا بڑا لڑکا اس زمانے میں ٹائیفائیڈ میں مبتلا تھا اور والد صاحب قبلہ کے ساتھ ہی ملک پیٹھ میں وہ مقیم تھا۔ والد صاحب قبلہ اس کے علاج و تیمارداری میں

www.taemeernews.com

مصروف تھے۔ میں ان دنوں پرگی میں بحیثیت منصف مجسٹریٹ کارگزار تھا۔ مجھے لڑکے کی علالت کی اطلاع ہونے پر میں رخصت اتفاقی لے کر ۹؍ مارچ ۱۹۵۰ء کی شام میں بلدہ آیا۔ دوسرے دن صبح ۹ بجے والد صاحب کی طلبی آئی جی پی صاحب کے پاس سے ہوئی' اور شہر میں افواہ پھیل گئی کہ والد صاحب بھی گرفتار کرلئے گئے۔ والد صاحب قبلہ کے بعد میں گھر واپس تشریف لانے پر ان سے مجھے معلوم ہوا کہ انہیں لائق علی صاحب کی فراری کے طریقے اور فراری کی اسکیم کے انکشاف کرانے کے لئے طلب کیا گیا تھا۔ جب تین دن تک بھی لائق علی صاحب کے فراری کے طریقہ کار کا انکشاف آئی جی پی اور ملک صاحب وغیرہ نہ کراسکے تو مرکزی حکومت نے ہدایت دی کہ مقامی سی آئی ڈی کے عہدیدار فضل رسول خان کو بھی شریک تفتیش کیا جائے۔ والد صاحب قبلہ نے فرمایا کہ شاید ان کا ذکر کے ایم منشی صاحب (نظام اسٹیٹ میں سینٹرل گورنمنٹ کے ایجنٹ جنرل) کی ان رپورٹوں میں تھا جو سینٹرل گورنمنٹ کو دیا کرتے تھے۔ ورنہ سینٹرل گورنمنٹ کو ان کے نام کا کیسے علم ہوسکتا تھا۔ اب حقیقت کیا تھی وہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ بہرحال والد صاحب نے اندرون تین گھنٹے انکشافات کرادیئے اور متعلقہ اعلیٰ حکام تک رپورٹ کردی گئی اور سب ہی نے اطمینان کا سانس لیا کہ اور کسی کے فرار کا نہ تو منصوبہ ہی تھا اور نہ کوئی غیر معمولی یا محیرالعقول طریقے فرار کے لئے استعمال کئے گئے تھے۔ بلکہ بالکل معمولی طور پر بغیر کسی تبدیلی لباس وغیرہ کے والد صاحب کے الفاظ میں نہایت ہی بھونڈے اور بھدے طور پر لائق علی صاحب فرار ہوئے۔ ہر ہر قدم پر ان کے گرفتار ہونے کا امکان موجود تھا۔ ان کی قسمت نے ان کا ساتھ دیا اور وہ بچ کر نکل گئے۔

والد صاحب قبلہ کی لائق علی صاحب کے بنگلہ پر طلبی کے بعد جنگلے صاحب اور ایس این ریڈی صاحب کمشنر پولیس شہر حیدرآباد نے ان سے کہا کہ شوکت النساء بیگم صاحبہ جو لائق علی صاحب کی ہمشیرہ تھیں ان کو لائق علی صاحب کے فرار کا پورا قصہ معلوم ہونا وہ باور کرتے ہیں لیکن وہ حقیقت چھپا رہی ہیں وہ ان سے حقیقی حالات کا انکشاف کرائیں۔

www.taemeernews.com

والد صاحب قبلہ نے ان دونوں سے کہا کہ ان جیسے بڑے عہدہ داروں کے اثرات جب ان صاحبہ پر قائم نہ ہو سکے تو والد صاحب تو معمولی سے آدمی ہیں ان کی موجودگی میں ان کے اثرات کیسے قائم ہو سکیں گے یا تو وہ دونوں وہاں سے چلے جائیں یا والد صاحب کو تنہائی میں ان سے گفتگو کرنے کا موقعہ دیا جائے تو شاید وہ کچھ پوچھ سکیں گے۔ جٹلے صاحب نے یہ تجویز مان لی۔

وہ اس کمرہ میں گئے جہاں شوکت النساء بیگم موجود تھیں' انہیں سلام کیا اور دیکھا کہ وہ بہت کمزور ہو گئی تھیں۔ اور ایسا محسوس کیا کہ انہیں کچھ عرصہ سے غذا وغیرہ جیسی ضروری اشیاء بھی شاید نہیں دی گئیں اور شاید کچھ سختی بھی کی گئی ہو۔ وہ پھر باہر آئے اور جٹلے صاحب سے کہا کہ وہ انہیں اجازت دیں کہ وہ شوکت النساء بیگم کو ہوٹل سے کچھ منگوا کر کھلائیں پلائیں اور جب وہ اچھی طرح گفتگو وغیرہ کرنے کے قابل ہوں تو ان سے بات چیت کریں۔ اجازت ملنے پر کھانا' پانی' کیک' بسکٹ وغیرہ کی قسم کی اشیاء آدمیوں کے ذریعہ منگوائی گئیں اور والد صاحب نے شوکت النساء بیگم کو کھانے پر مجبور کیا۔ وہ پہلے کھانے کے لئے تیار نہ ہوئیں۔ انہوں نے اپنا تعارف کروایا۔ اور کہا کہ وہ اپنی صحت کی خاطر غذا وغیرہ لیں۔

چنانچہ انہوں نے کچھ ایسی گفتگو کی کہ شوکت النساء بیگم نے پورے واقعات تفصیل سے سنا دیئے۔ ان کے بیان کردہ ---- واقعات کی دیگر متعلقہ لوگوں سے جو روک لئے گئے تھے لفظ بلفظ تصدیق ہوئی تو والد صاحب قبلہ کو ان کا بیان سچ باور کرنے میں کوئی تامل نہ ہوا۔ اور انہوں نے رپورٹ حکام سے کردی شوکت النساء بیگم ان کے صاحبزادے' دیگر عزیز و اقارب' ڈرائیور اور ٹیکسی ڈرائیور سے ان کو جو واقعات معلوم ہوئے ان کی نسبت ان صفحات میں اتنی گنجائش نہیں کہ تفصیلات مل جائیں۔ مختصراً" لائق علی صاحب کے فراری کا قصہ والد صاحب سے معلوم ہوا وہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

دسمبر ۱۹۴۸ء میں جب لائق علی صاحب کو نظربند کیا گیا تو شروع شروع میں ان پر

www.taemeernews.com

نگرانی کافی سخت رکھی گئی تھی۔ درمیان میں انہوں نے حکومت میں نمائندگی بھی کی تھی کہ نظربند وہ ہیں نہ کہ ان کے اہل خانہ کہ ہر آنے جانے والے اور ہر سواری کی سخت سے جھڑتی وغیرہ لی جاتی ہے۔ مرد و زنانہ کے ساتھ ساتھ نگرانی میں جو سختیاں تھیں وہ نرم کردی گئیں اور کچھ عرصہ بعد تو ان سے کاروباری اصحاب کو جن سے لائق صاحب کے بحیثیت ایک صنعت کار تعلقات تھے ملنے کی اجازت بھی آئی جی پی کی جانب سے دی جانے لگی تھی۔

تمام نظربند وزراء کی طرح لائق علی صاحب اور ان کے متعلقین کو بھی یہ توقعات تھیں کہ ۲۶ر جنوری ۱۹۵۰ء کو ہندوستان کے دستور کے نفاذ کے ساتھ ہی جب ہند کے خود مختار جمہوریہ ہونے کا اعلان کردیا جائے گا تو اس وقت سیاسی نظربندوں کی رہائی کے احکام بھی دے دیے جائیں گے۔ ۲۶ر جنوری بھی آئی دستور بھی نافذ ہوگیا اور حیدر آباد ریاست نے انڈین یونین میں شرکت بھی کرلی۔ لیکن نظربندوں کی رہائی کے احکام صادر نہ ہوئے اور لائق علی صاحب اور ان کے پاکستان میں رہنے والے ہمدردوں سب ہی کو مایوسی ہوئی۔ والد صاحب کا کہنا تھا کہ لائق علی صاحب کے فرار سے متعلق لوگوں کے بیانات سے ان کو اندازہ ہوا کہ ۲۶ر جنوری ۱۹۵۰ء تک لائق علی صاحب کی فراری کا کوئی منصوبہ کہیں بھی نہیں بنا تھا۔ اس کے بعد میں ان کے فرار کا منصوبہ بنا اور پاکستان سے لائق علی صاحب کے ایک دوست عبدالقوی صاحب ایڈوکیٹ کے ایک عزیز نے ہندوستان آنا جانا شروع کیا اور سفر کے کاغذات کی ہوائی اڈوں پر کس طرح جانچ ہوئی ہے اور کیا کیا امور کی جانچ کی جاتی ہے دیکھنا شروع کیا اور ماہ فروری ۱۹۵۰ء کے شاید آخری ہفتہ میں وہ ضروری کاغذات کے ساتھ ہندوستان آئے۔ اس وقت تک بھی جہاں تک معلومات ہوسکے لائق علی صاحب اپنے فرار کے منصوبہ سے واقف نہ تھے اور ان کے بنگلہ کا باہر کے آدمیوں سے کوئی ربط نہ تھا۔ ان کی بڑی لڑکی (اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو جس کا نام عالیہ تھا) باہر سے آنے والوں اور بنگلہ میں رہنے والوں کے درمیان رابطہ کا کام فروری کے ختم سے پہلے انجام دینے لگی تھی۔ فرار سے دو تین ہفتہ

www.taemeernews.com

پہلے ایک دن لائق علی صاحب سے ان کی بیگم صاحبہ نے کہا کہ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ سو جائیں اور آرام کریں۔ انہوں نے کہا کہ وہ تو اچھے ہیں لیکن بیگم صاحبہ نے یہ کہا کہ وہ نہیں جانتے ان کی طبیعت خراب ہے انہیں آرام کرنا چاہئے۔ ان کو پلنگ پر لٹا دیا پولیس کی اصیل نے جو کھڑکی کے باہر نگرانی پر تھی کھڑکی سے یہ دیکھا بہت ممکن ہے کہ اس روز یا اس کے بعد سے لائق علی صاحب کو اسکیم فرار کے متعلق علم کرا دیا گیا ہو۔ اس طرح نگراں گارڈ اور سب ہی کو لائق علی صاحب کی علالت کا علم ہو گیا۔ ہر روز ان کی بیگم صاحبہ زنانی موٹر میں صبح اور شام ڈاکٹروں کو کیفیت بولتے جاتی آتی رہیں۔ دوا لاتی، شیشیاں لے جاتی اور گلاس سے لائق علی صاحب کو دوا پلاتی رہیں۔ ایک گارڈ گھر کے گیٹ پر تھا اور ایک ورانڈے میں تھا اور خفیہ کی اصیل وغیرہ سب کو اس کی علالت کا علم تھا۔ بیگم صاحبہ کی موٹر کو پردے رہتے اور آتے جاتے اس موٹر کو نہ تو روکا جاتا اور نہ تلاشی لی جایا کرتی تھی یہ سلسلہ دس بارہ دن سے زائد عرصہ تک جاری رہا۔ فرار کے مقررہ دن سے ایک روز پہلے لائق علی صاحب کی بڑی لڑکی انہیں کی موٹر میں شام کے وقت اپنی پھوپھی شوکت النساء کے گھر جا کر پھوپھی سے کہہ کر آئی کہ کل دن کے دس بجے وہ اپنے مکان پر ایک موٹر تیار رکھیں اور اس موٹر کے ڈرائیور کا نہایت ہی اعتماد اور بھروسہ کا آدمی ہونا ضروری ہے۔ نہ پھوپھی نے وجہ پوچھی اور نہ بھتیجی نے وجہ بتائی۔ شوکت النساء بیگم کو بھی لائق علی صاحب کے فرار کا اس وقت تک علم نہ تھا۔ اس سے دو تین روز پہلے سے بنگلہ میں ان کے کسی عزیز کے یہاں شادی ہونے کی شہرت دے دی جا چکی تھی۔ لائق علی صاحب کے بچے شادی کے متعلقہ رسوم میں آتے جاتے رہے اور بنگلہ سے پکانے کے بڑے برتن بھی ایک روز لاری میں روانہ کئے گئے تھے وہ زمانہ ہولی کا تھا اور لمباڑے وغیرہ حسب روایات سالہا سابق انعام مانگنے آتے ناچتے کودتے۔ گارڈ کے سپاہی ان کے ناچ گانے میں محو رہتے اور اندر سے سرکار (لائق علی صاحب) نے یہ انعام دیا ہے کہہ کر کوئی ملازم خادمہ انعام لا کر دیتی۔ مقررہ دن خادمہ نے بہ آواز بلند کوئی نو، ساڑھے نو بجے صبح ہمیشہ کی طرح ڈرائیور کو آواز دی کہ وہ زنانی

www.taemeernews.com

حصہ میں موٹر لائے۔ بیگم صاحبہ دوا لانے ڈاکٹر صاحب کے پاس جانے تیار کھڑی ہیں۔ موٹر زنانہ حصہ میں حسب معمول آئی اور بیگم صاحبہ (حقیقت میں لائق علی صاحب) پردے لگی ہوئی موٹر میں سوار ہوئیں۔ اور موٹر اسٹارٹ ہو کر گیٹ اور گارڈ کے درمیان سے نکل گئی۔ والدِ صاحب فرماتے تھے کہ یہ چہار شنبہ کے دن کا واقعہ ہے اور اس روز خود بیگم صاحبہ لائق علی مکان کے اوپر کے حصہ میں چھپ کر بیٹھ گئیں اور بیگم صاحبہ کے بجائے لائق علی صاحب موٹر میں سوار ہو کر گھر سے نکل گئے ان کی موٹر سیدھی ان کی بہن شوکت النساء بیگم صاحبہ کے مکان پر جا کر رکی۔ ان کے کمپونڈز میں ان کے صاحبزادے جو نظام اسٹیٹ ریلوے میں ملازم تھے جن کا نام شاید فصیح الدین تھا' کی موٹر عالیہ صاحبہ کی حسب خواہش تیار کھڑی تھی اور انہیں کا ڈرائیور بھی تھا۔ آنے والی زنانی موٹر سے لائق علی صاحب اترے بہن سے ملے اور موٹر فوراً" واپس کردی گئی' تاکہ بنگلہ کے گارڈ اور محافظین کو شبہ نہ ہو۔ ان کے بنگلہ میں حسب معمول موٹر زنانہ حصہ میں گئی' کھڑی ہوئی خادمہ نے آواز سے کہا بیگم صاحبہ دوا لے کر آگئے کیا اور بیگم صاحبہ اوپر کے حصہ سے نیچے اتر موٹر سے شیشیاں وغیرہ لے کر لائق علی صاحب کے کمرے میں آئیں اور کہا ڈاکٹر صاحب دوا بدل دیئے ہیں یہ دوا پیجئے اور گلاس سے دوا لائق علی صاحب کو جو پلنگ پر سوئے ہوئے تھے (اب تو ان کی جگہ تکیہ سو رہا تھا) حسب معمول دوا پلا دی۔ یہ تو ان کے بنگلہ پر ایکٹنگ ہوئی۔ اب ان کی بہن کے گھر پر بہن بھائی میں جو گفتگو ہوئی سنیئے۔

بہن نے بھائی کو دیکھ کر تعجب سے پوچھا کہ تم یہاں کہاں؟ تو بھائی نے کہا جہاں اللہ لے آیا۔ بہن نے خواہش ظاہر کی کہ وہ بھی ساتھ جائیں گی۔ بھائی نے جواب دیا۔ یہ عورتوں کا کام نہیں۔ بہن نے بھائی کو پانی پلایا اور بہن بھائی نے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا اور بھائی بھانجے کے موٹر میں جس کو پردے لگے ہوئے تھے سوار ہوا اور بہن کے گھر سے روانہ ہوگیا۔ یہ موٹر عبدالقوی صاحب ایڈوکیٹ کے گھر پر جا کر رکی جہاں پردے لگی ہوئی ایک ٹیکسی کار پہلے ہی سے کھڑی تھی اور جس میں عبدالقوی صاحب کی بیوی

www.taemeernews.com

پہلے ہی سے سوار تھیں۔ لائق علی صاحب اسی ٹیکسی میں روانہ ہوئے۔ وہ رومی ٹوپی اوڑھے ہوئے تھے۔ فصیح الدین صاحب کی موٹر وہیں رہی اور ٹیکسی کار ان تینوں کو لے کر گلبرگہ کی طرف روانہ ہوئی۔ شہر سے باہر نکلنے کے بعد مضافات شہر گزرنے کے بعد شاید لنگم پلی موضع سے گزرنے کے بعد موٹر کے پردے بھی نکال دیئے گئے۔

اس سے قبل ہی لائق علی صاحب کے ایک عزیز نے جو فوج میں ملازم تھے حیدر آباد سے بمبئی جانے والی گاڑی میں ایک فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ رزرو کرالیا تھا۔ لائق علی صاحب اور ان کے ساتھیوں کی ٹیکسی کار گلبرگہ جاکر درگاہ شریف کے سامنے رکی۔ وہاں انہوں نے پھول خریدے درگاہ شریف میں جاکر پھول چڑھائے اور فاتحہ پڑھی اور گاڑی کے وقت سے چند منٹ پہلے گلبرگہ کے ریلوے اسٹیشن آئے۔ ٹیکسی سے اتر کر ویٹنگ روم میں ٹھہرے۔ عبدالقوی نے ڈرائیور کو کچھ دیر کے لئے روک لیا۔ کیونکہ ریل اس روز بیس منٹ یا نصف گھنٹہ لیٹ تھی۔ ریل کے آجانے کے بعد عام لوگوں کی طرح یہ تینوں اپنے رزرو کمپارٹمنٹ کو کھول کر اس میں داخل ہوئے اور گلبرگہ سے روانہ ہو کر صبح چھ بجے کے قریب ان کی ٹرین بمبئی پہنچ گئی۔ اسٹیشن پر کسی بڑے کاروباری کی موٹر اس پارٹی کا انتظار کر رہی تھی۔ اس موٹر سے یہ تینوں اس کاروباری شخص کے یہاں گئے اور ناشتہ کیا۔ وقت مقررہ پر لائق علی موٹر کے ذریعہ ہوائی اڈے پر سفر کے ضروری کاغذات کے ساتھ پہنچ گئے۔ غلام احمد کے نام سے ان کے لئے ہوائی جہاز میں سیٹ رزرو کرائی جاچکی تھی۔ وہ اس نام سے اپنے سفر پر روانہ ہوگئے۔

ان کی روانگی کے دوسرے روز جمعرات کو حسب پروگرام ان کے سب بچے اچھے کپڑے پہن کر اپنے عزیز کے یہاں شادی میں شرکت کرنے جانے کے نام سے اپنے بنگلہ سے نکلے اور بیگم صاحبہ برابر لائق علی صاحب کی حسب معمول دوا دارو موٹر میں لاتی لے جاتی رہیں اور لائق علی صاحب کو دوا کے پلانے کا سلسلہ بھی جاری رہا اور ہولی کے انعام پانے والی ٹولیوں کو سرکار کی (لائق علی صاحب کی) طرف سے برابر انعام دیئے جاتے رہے۔ لائق علی صاحب کے بچے ان کی ایک مہاجر ملازمہ کے ساتھ گھر سے نکل

www.taemeernews.com

کرنامپلی اسٹیشن سے ریل میں سوار ہوکر بمبئی روانہ ہوگئے۔ ان کی سیٹس بھی پہلے ہی سے رزرو ہوچکی تھیں اور وہ جمعہ کی صبح بمبئی پہنچ گئے جہاں عبدالقوی صاحب ان کے منتظر تھے۔

جمعہ کے دن لائق علی صاسب نے پہلے سے تیار کئے ہوئے نوٹوں کی گڈیاں جن پر ملازمین کے ناموں کی چھٹیاں الگ الگ گڈی پر لگا کر رکھیں تھی اپنے پرانے خادم علی بن احمد باغزال کو جو عرب تھا اور جو موٹر خانہ میں رہتا تھا حوالہ کیں اور اسے تاکید کردی کہ اتوار کے روز وہ ان نوٹوں کی گڈیوں کو جس جس کے نام کی ان پر چھٹی لگی ہے اسی ملازم کو دینا شروع کردے اور اتوار سے پہلے وہ انعامات کسی کو نہ دے۔ وہ بھی اپنی موٹر میں خادمہ کے ساتھ نکلیں اور اپنے بھائی صاحب کے بنگلہ گئیں۔ بھائی سے ملیں اور وہاں سے سیدھا ہوائی اڈے پہنچ گئیں اور ان کی اور ان کی خادمہ کی سیٹ پہلے ہی ریزور تھیں وہ دوپہر میں بمبئی پہنچیں اور اپنے بچوں سے جا ملیں۔ یہ سب عبدالقوی صاحب کی سرکردگی میں دوسرے روز یعنی ہفتہ کو سابرمتی جہاز سے اپنے سمندری سفر پر روانہ ہوگئے۔

والد صاحب فرماتے تھے کہ جہاں تک وہ سمجھے لائق علی صاحب کی ہندوستان سے فرار کی خبر سب سے پہلے ہندوستان میں عام نہیں ہوئی بلکہ لائق علی صاحب نے پاکستان پہنچنے کے بعد جیسی رازداری برتنی چاہئے ویسی نہیں برتی اور کسی عام تقریب میں حصہ لیا اور وہاں وہ پہچان لئے گئے۔ اس تقریب کی نسبت قطعیت سے کچھ نہیں کہا جاسکتا کیا تقریب تھی۔ ایک اطلاع تو یہ تھی کہ وہ تقریب خود لائق علی صاحب کے خیرمقدم و استقبال کے سلسلہ میں منعقد ہوئی تھی۔ اور دوسری اطلاع یہ تھی کہ وہ کوئی اور تقریب تھی جس میں لائق علی صاحب بھی مدعو تھے۔ لائق علی صاحب کا تعارف اس تقریب میں اہم شخصیتوں سے کرایا گیا۔ اس تقریب میں ہندوستانی ہائی کمشنر مقیم پاکستان بھی موجود تھے۔ تقریب سے واپسی پر ہندوستانی ہائی کمشنر نے سردار پٹیل وزیر داخلہ ہند کو اس واقعہ کی اطلاع دیتے ہوئے دریافت کیا کہ کیا لائق علی صاحب کی نظربندی کے احکام واپس

www.taemeernews.com

لے لئے جا کر ان کو رہا کر دیا گیا ہے۔ اس اطلاع پر دہلی سے وزیر داخلہ نے حیدر آباد سے ربط پیدا کیا اور لائق علی صاحب کی خیریت دریافت کی۔ حیدر آباد سے جواب دیا گیا کہ لائق علی صاحب ہنوز علیل ہیں اس پر سردار پٹیل وزیر داخلہ نے حیدر آباد کے آئی جی پی مسٹر جنٹلے سے کہا کہ وہ خود لائق علی صاحب کے گھر جا کر لائق علی صاحب سے مل کر ان کی (سردار پٹیل کی) جانب سے مزاج پرسی کریں اور فوراً" ان کی خیریت سے انہیں مطلع کریں۔ جنٹلے صاحب حسب ہدایت لائق علی صاحب کے گھر گئے اور ان کے کمرے میں داخل ہو کر لائق علی صاحب سے جب ملنا چاہا تو انہیں ان کی جگہ بستر علالت پر ایک تکیہ سویا ہوا اور ان کے تمام متعلقین بھی گھر سے غائب پائے گئے۔ والد صاحب کا خیال تھا کہ لائق علی صاحب کے فرار کے بعد جب ان کے عرب ملازم نے ملازمین کے انعامات دینے شروع کئے تو ملازمین انعامات لے کر گھر سے یکے بعد دیگرے غائب ہونے لگے۔ اسی وقت محافظین کو جہاں تک وہ سمجھے تھے ان کے فرار کا علم یا شبہ تو ہو چکا تھا لیکن اب سب سے پہلے جو بھی ان کے فرار کی اطلاع دیتا وہی پھنس جاتا اس لئے اسی خوف سے کسی نے بھی اطلاع نہیں دی۔ اس طرح لائق علی صاحب بھاگنے میں تو کامیاب ہو گئے اور ان کی قسمت نے ان کا ساتھ دیا۔ ورنہ وہ جس طرح فرار ہوئے اس میں ان کے ہر جگہ گرفتار ہو جانے کا ڈر لگا ہوا تھا۔ نہ انہوں نے تبدیل لباس کیا اور نہ فرار کے لئے کوئی غیر معمولی طریقہ اختیار کیا۔

لائق علی صاحب کی حراست سے فرار میں مدد دینے کے الزام میں ان کی ہمشیرہ شوکت النساء بیگم، عرب ملازم اور دیگر کئی اشخاص کا چالان کیا گیا۔ عدالت ابتدائی میں ایک قانونی عذر اٹھایا گیا کہ لائق علی صاحب کی حراست یا نظربندی ہی جائز نہ تھی اس لئے ملزمین پر حراست جائز سے فرار میں مدد دینے کا مقدمہ نہیں چلایا جا سکتا۔ ابتدائی عدالت نے اس عذر کو تسلیم نہ کیا۔ عدالت عالیہ میں نگرانی پیش ہوئی اور مباحث میں یہ بات سامنے آئی کہ لائق علی صاحب پر ریاست حیدر آباد دکن کے دستور العمل تحفظ امن عامہ کے تحت دسمبر ۱۹۴۸ء میں جو نوٹس تعمیل کرائی گئی تھی اس کے تحت ان کی

www.taemeernews.com

نظربندی ۲۶ر جنوری ۱۹۵۰ء سے پہلے تک جائز تھی۔ ۲۶ر جنوری ۱۹۵۰ء کو دستور ہند نافذ ہوگیا تھا اور حیدر آباد کا دستور العمل کالعدم ہوچکا تھا۔ ڈیفنس آف انڈیا رولس کے تحت کوئی نوٹس لائق علی صاحب پر چونکہ تعمیل نہیں کرائی گئی تھی اس لئے ۲۶ر جنوری ۱۹۵۰ء کے بعد سے ان کی نظربندی قانوناً" جائز نہ تھی اس لئے ان کے فرار میں مدد دینے والوں پر کوئی الزام عائد نہیں کیا جاسکتا۔ عرب ملازم علی بن احمد باغزال دوران تحقیقات جیل ہی میں فوت ہوگیا تھا۔ اور باقی سب کو رہا کردیا گیا۔

○○○

کراچی پہنچنے کے بعد میر لائق علی نے حیدر آباد کے سابق وزراء، انجینئروں اور صنعت کاروں اور اقتصادی ماہرین کے مشورے سے ایک منصوبہ تیار کیا جس کا مقصد حیدر آبادیوں کے لئے مستقل روزگار، رہائش گاہ، علاج معالجہ کا بندوبست کرنا تھا، اس مقصد کے حصول کے لئے حیدر آباد ٹرسٹ کا قیام عمل میں آیا اور اس ٹرسٹ کے تحت مختلف ادارے قائم کئے گئے

www.taemeernews.com

میجر جنرل سید احمد العیدروس

۳؍ مارچ ۱۸۹۹ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد حضرموت (واقع یمن) سے آکر حیدر آباد میں بس گئے تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد فوج میں ملازم ہوگئے۔ ۱۹۴۵ء میں افواج حیدر آباد کے سپہ سالار بنادیئے گئے۔ فوجی ماہرین ان کے نااہل اور ناتجربہ کار ہونے کی مثالیں اور دلیلیں پیش کرچکے ہیں۔ ان امور کی تفصیلات عمر خالدی کے مقالے۔

"Memoirs of Gen EL-Edroos of Hyderabad"

in: "Pakistan Historical Society Journal."

Vol. XLII, Part II (Apr,1994) PP182-213

میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

سقوط کے بعد بھارتی جنرل جے این چودھری نے العیدروس کو افواج حیدر آباد کی تحلیل کا کام تفویض کیا۔ جو ۱۹۵۰ء میں ختم کردی گئیں۔ اس سال میر لائق علی کے فرار میں مدد کرنے کے الزام میں انہیں گرفتار کرلیا گیا' لیکن کچھ دنوں کے بعد رہا کردیئے گئے۔ پھر وہ بنگلور منتقل ہوگئے' جہاں کے فوجی کلب کے صدر رہے۔ جولائی ۱۹۶۲ء کو انتقال کیا۔

www.taemeernews.com

سید محمد قاسم رضوی

سید محمد قاسم رضوی لاتور کے ایک متوسط طبقہ کے گھرانے میں ۱۳۱ مئی ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ہوئی' جہاں سے انہوں نے بی اے اور ایل ایل بی کیا۔ زمانہ طالب علمی کے ان کے دوست سید مسعود الحسن زیدی نے اپنی کتاب "علی گڑھ کی باتیں' علی گڑھ کی یادیں" (مطبوعہ لاہور' ۱۹۷۷ء صفحات ۵۹۔ ۶۰) میں اپنے اس دوست کے بارے میں لکھا ہے:۔۔۔

"قاسم رضوی" شیر دکن سیماب صفت' حرکت میں برکت پر ایمان' انتہائی بے چین طبعیت۔ یہی وجہ کہ کھیل بھی طالب علمی میں فٹ بال پسند کیا (علی گڑھ یونیورسٹی کی فٹ بال ٹیم میں تھے)۔ دھکا مکی اس کو ٹکر لگائی اس کے ایڑ ماری' یونین کی طرف دوڑے چلے جارہے ہیں اور وہاں بڑی جوشیلی دھواں دھار تقریر جاماری۔ ڈاکٹر ضیاء الدین مرحوم کو جب رحمت اللہ کمیشن کی رپورٹ پر علی گڑھ یونیورسٹی کی پرو وائس چانسلری سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی تو یونین حامد ہال میں ایسی الوداعی تقریر کی کہ سب زار قطار تھے' ہچکیاں بندھ گئیں ہال معلوم ہو رہا تھا کہ امام باڑہ ہے۔

دن بھر کے ہنگاموں سے ان کی طبعیت سیر نہیں ہوتی تھی پچھلی رات میں کسی کی چارپائی الٹ کر بھاگ لئے۔ زیادہ ستانا مقصود ہوا تو سوتے ہوئے پر ٹھنڈے پانی کا مٹکا پھوڑ دیا۔

علی گڑھ سے تعلیم ختم کرکے اپنے وطن حیدر آباد دکن چلے گئے۔ وکالت شروع کی قیامت برپا کردی نظام کو طاق میں بٹھادیا۔ حکومت ہندوستان کو ہلا کر رکھ دیا"

قاسم رضوی کے ایک نوجوان پیروکار محمد مظہرالدین نے اپنی کتاب "پولیس ایکشن، کے خوفناک ماحول میں" لکھا ہے کہ "وہ ہمیشہ باوضو رہے اور تلاوت قرآن و نماز سے

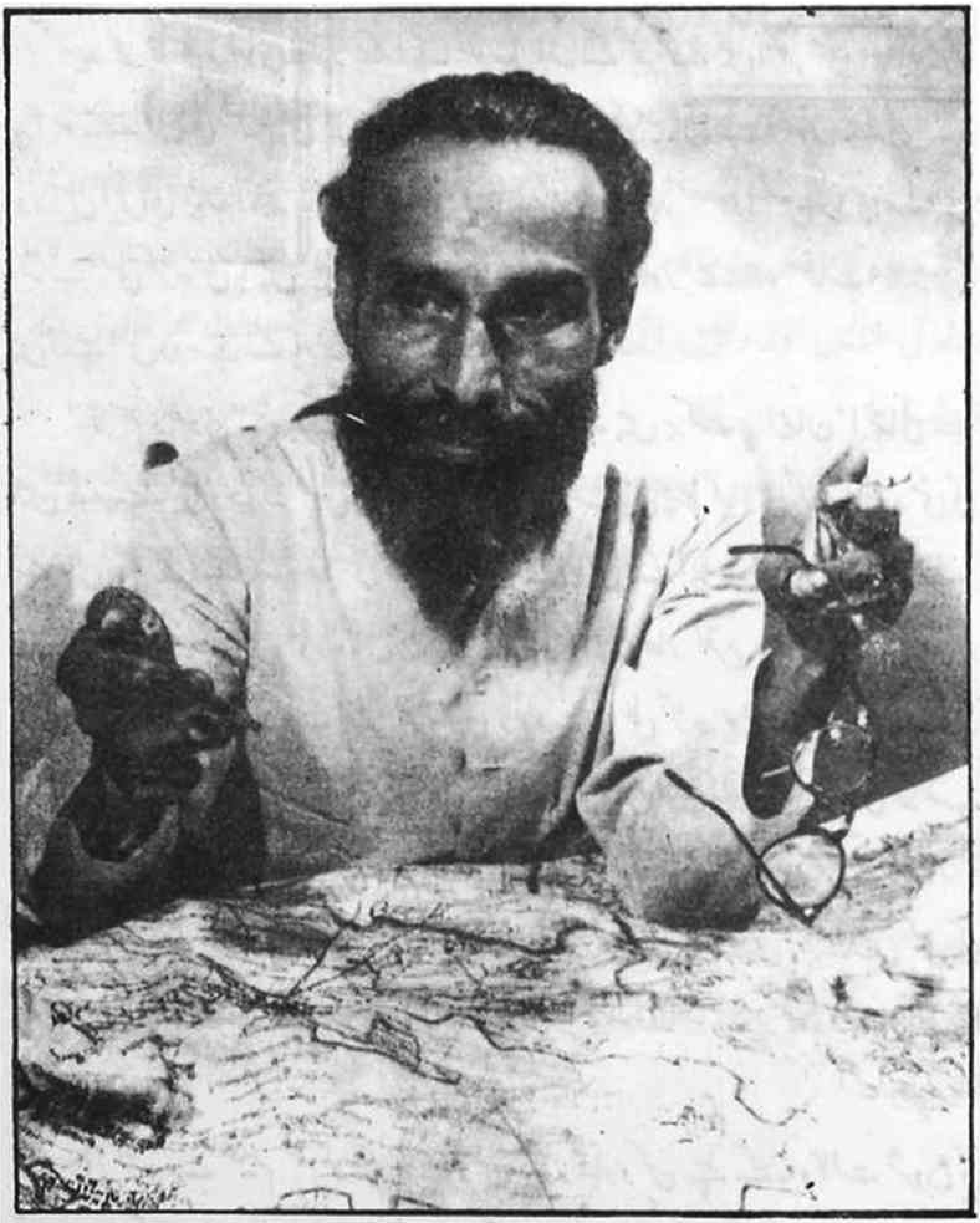

مجاہد اعظم سید قاسم رضوی

www.taemeernews.com

غیر معمولی شغف رکھتے تھے۔ اکثر قرآن ---- گلے میں حمائل رہتا تھا۔ جب وہ تفسیر قرآن' سیرت پاک اور کلام اقبال کا مطالعہ کرتے تھے ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی تھی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے اور تھوڑی دیر کے لئے ماحول سے بے خبر گم سم ہو جاتے' ان کی آواز میں ایک خاص کھنک تھی۔ بات کا ایک خاص انداز تھا ورنہ آپ کے دل کے کسی گوشہ میں بھی ہندو برادران وطن کے لئے نفرت اور بد خواہی نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی قیادت میں ہزاروں غیر مسلم بھی رضا کار تھے اور آپ پر اعتماد کلی رکھتے اور ملک و قوم کا محافظ سمجھتے تھے۔

ان دنوں جب کہ ملک کو فوجی تصادم کا اندیشہ لگا ہوا تھا' رضا کاروں کے ڈریس اور ہتھیاروں کی فراہمی اور دیگر کئی امور درپیش تھے۔ اس وقت میں (مظہر الدین) نے بحیثیت سالار رضا کار اپنے حلقہ نامپلی کے علاقہ لال ٹیکری کے بعض رضا کاروں کی جانب سے چند ہندو برادران وطن سے چندہ وصول کرنے کے غلط اقدام کی طرف صدر محترم مجاہد اعظم کی توجہ مبذول کرائی تو آپ نے فوری طور پر پریس نوٹ اور مجلس کی تمام شاخوں کے نام گشتی مراسلے جاری کر کے "ہندو بھائیوں سے چندہ وصول کرنے کی سخت ممانعت کردی۔ البتہ آپ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتے تھے جو مذہب کی آڑ میں حیدر آباد کی آزادی و خود مختاری کو متاثر کرنا چاہتے تھے۔

۱۹۴۶ء میں وہ "مجلس اتحاد المسلمین" کے صدر منتخب ہوئے اور اپنے زور خطابت سے سارے دکن میں تہلکہ مچا دیا۔ ان کے انداز خطابت کے بارے میں مظہر الدین لکھتے ہیں۔

"ان کی تقریروں اور تحریروں میں بلا کا جوش اور روانی ہوتی تھی۔ غوغائی مجمعوں پر قابو پالینا ان کا خاص جوہر تھا اور گفتگو میں یقین کی روح بولتی تھی۔"

لیکن' بدر شکیب مرحوم جو خود "مجلس اتحاد المسلمین" سے وابستہ تھے' اپنی کتاب "حیدر آباد کا عروج و زوال" (مطبوعہ کراچی ۱۹۶۳ء) میں لکھتے ہیں:

قاسم رضوی ابتداء سے ایک جذباتی انسان تھے' وہ ایک اچھے مقرر ضرور تھے لیکن

www.taemeernews.com

الفاظ پر انہیں قابو نہ تھا۔ ان کی جذبات انگیز تقریریں اور بیانات نے انڈیا یونین کے جذبہ انتقام کو تیز کردیا اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جو خلیج تھی وہ وسیع سے وسیع تر ہوگئی۔ ہندوستان کی طاقت و قوت اور حیدر آباد کی فوجی بضاعتی کا انہیں بخوبی علم تھا۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی انڈیا یونین کی فوج کو بزدل قرار دینا یا یہ کہنا کہ اس نے چوڑیاں پہن لی ہیں اور حیدر آباد پر حملہ کرنے کی اس میں ہمت نہیں ہے' ایسے الفاظ ہیں جو اتحاد المسلمین جیسی وقیع جماعت کے صدر کی زبان سے ادا نہ ہونا چاہئے تھا۔ یہ ان کے لئے شایان شان نہ تھے۔ قاسم رضوی کو قطعاً" اس امر کا احساس نہ تھا کہ ان کی لایعنی بے تکی اور اشتعال انگیز باتوں کا انڈیا یونین پر جس کی حربی قوت حیدر آباد سے کئی گناہ زیادہ تھی اور ہندوؤں پر جو مسلمانوں سے تعداد میں سات گنا زیادہ تھے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔۔۔نہ صرف صدر بلکہ ان کے حوارین کی زبانیں بھی اس طرح بے لگام تھیں اور وہ انڈیا یونین کے خلاف دشنام طرازی سے باز نہ آتے تھے ان سب کا کچھ نہ بگڑا لیکن جب انتقام کا وقت آیا تو حیدر آباد کی آزادی کے ساتھ مسلم تہذیب و ثقافت' عفت و عصمت' امارت و دولت' ہر چیز اجڑ کر رہ گئی' اور لاکھوں معصوم زندگیاں اور خاندان تباہ ہوگئے۔ (صفحات ۳۳۴۔۳۳۵)

اس کے علاوہ قاسم رضوی میں ایک مستبد آمر کی ساری خصوصیتیں پیدا ہوگئی تھیں۔ ان پر کسی حلقہ سے اعتراض نہیں کیا جاسکتا تھا اور نہ کسی مشورہ کو قبول کرنے کی ان میں صلاحیت تھی۔ شعیب اللہ خان مدیر روزنامہ "امروز" کے واقعہ قتل کے بعد کسی میں ان پر تنقید کرنے کی ہمت نہ تھی۔ چند وظیفہ یاب مسلم عہدہ داروں نے ان کی پالیسیوں پر اپنے ایک اخباری بیان میں اعتراض کرتے ہوئے ہندوستانی یونین میں شرکت کا مشورہ دیا تو ان کے وظائف کی مسدودی کی کارروائی شروع ہوگئی اور انہیں غدار قرار دیا گیا۔ ملک کی سیاست پر رضاکار پوری طرح چھا گئے تھے۔

اتحاد المسلمین اپنے اقتدار کے نصف النہار پر پہنچ گئی تھی اور ارتقاء کی ساری منزلیں انتہائی سرعت سے اس نے طے کرلی تھیں۔ اس سرعت پذیری کا اندازہ قاسم

www.taemeernews.com

رضوی کی موٹر کی رفتار سے بھی ہوتا تھا جبکہ وسط شہر کی گنجان سڑکوں پر ساٹھ ستر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جب وہ اپنی جیپ چلایا کرتے تھے جب کوئی جماعت سرپٹ راستہ کے نشیب و فراز سے آنکھیں بند کئے آگے بڑھے تو اس کا بھی وہی حشر ہوتا ہے جو ایک تیز رفتار موٹر اور اس میں بیٹھنے والوں کا موٹر کے کسی گہری کھائی میں گرنے کے بعد ہوتا ہے حیدر آباد کا بھی یہی حشر ہوا۔ (صفحہ ۱۶۸)

لیکن اپنی ساری کمزوریوں اور خامیوں کے باوجود قاسم رضوی کے پہلو میں ایک تڑپتا ہوا دل اور مسلمانوں کی خدمت کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ لیکن ان کی انتہا پسندی نے انہیں نتائج و عواقب سے بے بہرہ کردیا تھا۔ ان کا حاشیہ غلط اور ان کے اطراف چھوٹے اور کم فہم لوگ جمع تھے۔ ان کے اعمال و افکار پر پابندی عائد کرنے والا ایک بھی ان کے قریب نہ تھا۔ لوگوں کی بیجا تعریف اور خوشامد نے ان کے اندر عجیب انانیت پیدا کردی تھی۔ اپنی عقل و دانش کو وہ عام سطح سے بہت ہی بلند و برتر سمجھنے لگے تھے حالانکہ مجلس کے اندر انہوں نے کبھی اپنی فہم و فراست کو اپنے ہمعصر ساتھیوں کے مقابلہ میں بہتر ثابت نہیں کیا تھا۔ مملکتی مجلس کی صدارت اور تعلقہ لاتور کی مجلس کی صدارت ان کے نزدیک برابر تھی۔ لاتور کے تجربات کو انہوں نے مرکزی مجلس میں دہرایا۔ وہاں کا نقطہ عروج حادثہ لاتور تھا اور یہاں کا نام نہاد پولس ایکشن جس نے حیدر آباد میں مسلم اقتدار کے سفینہ کو ہمیشہ کے لئے قعر مذلت میں ڈبو دیا۔ (صفحہ ۳۳۵)

قائد اعظم محمد علی جناح کے سانحہ رحلت (۱۱ر ستمبر ۱۹۴۸ء) پر ۱۳ر ستمبر کی صبح گوشہ محل کے میدان میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا تھا۔ اس سے خطاب کرتے ہوئے ' قاسم رضوی صاحب نے کہا تھا۔

کل شام قائد اعظم کی تدفین ہوئی۔ ساری ملت اسلامیہ رنج و غم میں ڈوبی ہوئی ہے کہ آج صبح طلوع آفتاب سے قبل ہی اچانک ہندوستان نے حیدر آباد پر چاروں طرف سے حملہ کردیا' بیدر اور ورنگل پر بمباری کی گئی۔ خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان نے جنگ کی پہل کی۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے خون سے اس جنگ کا خیر مقدم کریں۔

www.taemeernews.com

مجاہد اعظم سید محمد قاسم رضوی صدر مملکتی مجلس نے تمام مسلمانان دکن سے اپیل کی کہ وہ حضور سرور کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں۔ مادی قوتوں اور سازو سامان پر تکیہ نہ کریں صرف اللہ کی قوت پر بھروسہ رکھیں اور اپنے نصب العین کی صداقت پر قائم رہیں۔ خاص طور پر اپنے رضاکاروں کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ اس کا خاص خیال رکھیں کہ "ان کا کوئی اقدام دشمن کے بوڑھوں' بچوں' اور عورتوں کے خلاف نہ ہو۔ بیکس اور نہتے دشمن پر ہاتھ نہ اٹھائیں۔ خدا ظالم کی مدد نہیں کرتا۔" اور خیال رکھیں کہ اپنے وطن کے کسی غیر مسلم کو ذرا بھی نقصان نہ پہنچے ہماری جنگ ہندو یونین سے ہے ہندو سے نہیں۔ مجاہد اعظم نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا سرزمین دکن میدان کربلا بننے کو ہے نوجوانو اٹھو وطن کے بہادر اٹھو محمدی فوج کے سپاہیو اٹھو ملت اسلامیہ وقار و ناموس اور مملکت اسلامیہ دکن کی آزادی کے تحفظ کی خاطر جام شہادت نوش کرو۔ اور میدان کربلا دکن میں انسانیت کو داغ جوان مردگی دے کر تاریخ عالم پر اپنے خون سے دوسرا سانحہ کربلا لکھ جاؤ۔ (پولیس ایکشن کے خفیہ ماحول میں۔ صفحات ۹۳۔۹۴)

مظہر الدین اور بدر شکیب نے رضوی صاحب کی شعلہ بیانی کا جو ذکر کیا ہے' اس کا ایک نمونہ یہ ہے۔

"آج دارالسلام سے ہزاروں رضاکار اپنے ملک و ملت کی آبرو کی بہرقیمت حفاظت کا حلف اٹھا کر مختلف محاذ پر روانہ ہوئے۔ سر مغرب مجاہدین اور قوم و ملت کی عزت و ناموس کے پاسبانوں کو خدا حافظ کہتے ہوئے فیلڈ مارشل مجاہد اعظم جناب سید محمد قاسم رضوی صدر مملکت مجلس نے کہا عزیز رضاکارو آج آپ کی آزمائش کا وقت آگیا ہے۔ شہیدان کربلا کا خون افق دکن پر شفق بن کر پھوٹنے والا ہے۔

آج ملت اسلامیہ اور حکومت حیدر آباد آپ کی طرف دیکھ رہی ہے بلکہ ملک و ملت کی حفاظت آپ کے ہاتھ میں ہے۔

تمہیں اپنے علی اکبروں کو اپنی نگاہوں کے سامنے کٹوانا ہے' علی اصغروں کے گلوں

رضاکار جنگ آزادی کی تیاری

حیدر آبادی نوجوان لڑکیوں کی جنگی تیاری

www.taemeernews.com

کو اپنی گودوں میں چھدوانا ہے' اپنے عابدوں کو یتیم بنوانا ہے اپنی شہربانوؤں کو بیوہ بنانا ہے' اپنے قاسموں کو دولہا بنا کر خون سے کپڑے رنگوانا ہے' اپنی بیٹی بانوؤں کا سہاگ اپنے ہاتھوں لٹوانا ہے اور یہ سب کچھ کر کے "ہند کی غلامی سے بچنا اور آزادی کی موت مرنا ہے۔"

جو ذمہ داری آپ پر عائد کی جا رہی ہے وہ بڑی نازک اور بڑی مقدس ہے۔ مجھے آپ سے آج کوئی بات چھپانی نہیں ہے آپ جا رہے ہیں ممکن ہے کہ پھر واپس نہ آئیں اور شہید ہو جائیں اور خدا کے راستہ میں بھوکے پیاسے مر جائیں۔

جو شخص اس کے لئے تیار نہیں وہ اس وقت صفوں سے باہر آ جائے اور گھر لوٹ جائے کسی پر کوئی جبر نہیں' کوئی پابندی نہیں اور کوئی قانون نہیں یہ صرف خدا کا مطالبہ ہے' مذہبی پکار ہے' اور یہی قانون اور یہی فرض سارے دنیاوی قوانین سے بالاتر و مقدس ہے۔

میں آپ کی بے سروسامانی سے واقف ہوں اور دشمن کی سروسامانی سے بھی باخبر ہوں' لیکن یاد رکھو اور یہ ایقان بناؤ کہ خدا کی نصرت تمہارے ساتھ ہے۔ جاؤ اللہ کی مدد سے اور اپنے دست و بازو سے حیات جاودانی حاصل کرو۔" ("پولیس ایکشن کے خوفناک ماحول میں" صفحات ۹۵۔۹۶)

سقوط کے بعد قاسم رضوی صاحب کو سڈنی کاٹن کے تاریخی طیارے کے ذریعے پاکستان لے جانے کا انتظام پورا کر لیا گیا تھا' مگر اس مجاہد نے چپکے سے فرار کے منصوبے کو ٹھکرا دیا۔ جبکہ بعض لوگ اسی طیارے سے چلے گئے۔ اس کے دوسرے دن ۱۹ر ستمبر ۱۹۴۸ء کو آپ گرفتار کر لئے گئے۔ مجاہد اعظم فیلڈ مارشل سید محمد قاسم رضوی نے اپنی گرفتاری کے بعد ملٹری حکومت سے ڈنکے کی چوٹ پر کہہ دیا کہ ملک میں جو کچھ ہوا اس کے تنہا ذمہ دار وہ خود ہیں۔ جو سزا حکومت چاہے مجھے دے مگر کسی اور کو ان واقعات کی پاداش میں مبتلائے آلام نہ کیا جائے۔" آپ نے عام گرفتار شدہ رضاکاروں کی جیل میں بدحالی کے پیش نظر اے کلاس قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ پر کئی فرضی الزامات

www.taemeernews.com

عائد کئے گئے۔ خصوصی عدالت فوجی اریا تلملگھوی میں مقدمہ قتل دو فرضی گواہوں کو گواہ معافی یافتہ سرکاری بنا کر چلایا گیا تھا۔ اس مقدمہ میں جج مسٹر ہنٹو کے حکم "سزائے موت" کو بھی اس مجاہد نے سینہ تان کر مسکراتے ہوئے سنا۔ آپ کو جیل کی کال کوٹھری میں ہتھکڑی اور بیڑی کے بجائے "آڑے کھڑے ڈنڈے" ڈال کر بھی رکھا گیا۔ جو بہت ہی خطرناک طاقتور عادی مجرموں کو برطانوی دور میں ڈالا جاتا تھا جس سے ٹخنے زخمی ہوجاتے تھے۔ آپ نے اسیری کی نو سالہ طویل مدت میں ہر طرح کی بھیانک مصیبت کو خندہ پیشانی سے جھیل کر ثابت کردیا کہ اس کے عزم و حوصلہ کو بڑی سے بڑی مصیبت بھی شکست نہیں دے سکتی۔ مسلمانوں کی اندھادھند گرفتاریوں نے اس وقت ایک عجیب وحشت و سراسیمگی کا ماحول پیدا کردیا تھا اس ظلم عام کے انسداد کے لئے محترم قاسم رضوی نے جیل میں مرن بھرت رکھا اور جب تک ملٹری حکومت نے یقین نہیں دلایا کہ جن کے خلاف ثبوت نہ ہو ان کو رہا کردیا جائے گا اور خصوصی عدالتوں کے ذریعہ محروسین کے مقدمات کی جلد یکسوئی کردی جائے گی۔ اس وقت تک آپ نے بہ جبر غذا استعمال کرنے اور "ہرنیا" کا آپریشن کرانے سے قطعی انکار کردیا تھا۔ حالانکہ مرض کی نوعیت "جان لیوا" حد تک خطرناک ہوچکی تھی۔ اس وقت ملٹری گورنر مسٹر جے این چودھری نے ہر طرح کی کوششوں اور دباؤ سے تھک ہار کر جیل میں ملک کے بڑے مشاہیر اور علماء کے ذریعہ اس مجاہد کو متاثر کرنے کی بہت کوشش کی مگر "عزیمت" کی یہ چٹان اپنی جگہ سے ہل نہ سکی۔

۱۱ر ستمبر ۱۹۵۷ء کو مجاہد اعظم کی رہائی کے دن ان کے استقبال کے لئے آپ کے مشیر قانونی مولوی زاہد علی کامل ایڈوکیٹ، مولوی مرزا امام بیگ رونق مرحوم، ایڈیٹر "دکن نیوز" اور میں (مظہرالدین) پونا کے مشہور "ایرودا" جیل پہنچے (جس میں انگریزوں نے گاندھی جی کو قید رکھا تھا۔) نو سال بعد جب آپ ایرودا جیل سے باہر نکلے اور مجھ پر نظر پڑی تو اپنے مخصوص انداز میں مسکرا کر ہاتھوں کو پھیلا دیا۔ میں بے اختیار سلوٹ کرکے ایک بے خودی کے عالم میں دوڑ کر بغل گیر ہوگیا اور دیکھا کہ بامشقت سزا کی طویل مدت

www.taemeernews.com

میں آپ کے بال سفید ہو گئے ہیں، مگر عقابی آنکھوں میں وہی چمک تھی اور گفتگو کے تیور میں بھی وہی انداز مجاہدانہ تھا۔ جیل کے باہر انٹرویو اور رپورٹنگ کے لئے آئے ہوئے تمام ہندوستان کے بڑے اخباری نمائندے اور فوٹو گرافر بھی آپ کی مقناطیسی شخصیت سے متاثر نظر آرہے تھے۔ آپ کے اہل و عیال پاکستان پہلے ہی منتقل ہو گئے تھے۔ ریاست حیدرآباد کے چیف منسٹر مسٹر بی رام کشن راؤ وزیر داخلہ مسٹر ڈگمبر راؤ بندنے قاسم رضوی صاحب سے جیل میں ملاقات کرکے آپ کی قبل از وقت رہائی کی یہ شرط پیشکش کی تھی کہ وہ پاکستان چلے جائیں مگر آپ نے حکومت کی اس مشروط پیشکش کو ٹھکرا کر اپنی بامشقت سزا کی بھیانک مدت کو پورا کیا۔ ("پولیس ایکشن کے خوفناک ماحول میں" صفحات ۱۲۵۔۱۲۷)

رہائی کے ایک ہفتے کے بعد مولوی زاہد علی کامل کے مکان واقع اڈیکمیٹ میں مجلس اتحاد المسلمین کی مجلس شوریٰ کا اجلاس سقوط کے بعد پہلی بار منعقد ہوا، جس میں رضوی صاحب پر کامل اعتماد کی تجدید کی گئی۔ لیکن رضوی صاحب نے کہا کہ:

"میں چونکہ ترک وطن کرکے ہجرت کر رہا ہوں اور پاکستان کو اپنا وطن بنانے والا ہوں، اس نوبت پر میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ اگر میری دور صدارت میں یا دوران انقلاب یا زمانہ مابعد تا ایندم کچھ غلطیاں ہوئیں ہیں تو ان کی تمام تر ذمہ داری میری دوش پر ہے، خداوند قدوس مجھ کو معاف کرے اور اگر ملت اسلامیہ حیدرآباد و اراکین مملکتی مجلس اتحاد المسلمین اپنی رحمدلی، وسعت قلبی اور وسیع النظری سے مجھے قابل معافی پاکر معاف فرمادیں تو مشکور ہوں گا۔ اور اگر نہ معاف کیا جائے تو چونکہ اخلاقی اور دینی تعزیز کے سواء کے مجھے اور کوئی سزا نہیں دی جاسکتی اس لئے میں ملت کی ہر اخلاقی تعزیز کو بلاچوں و چرا کئے قبول کرلوں گا اور دینی تعزیز کے حصول کے لئے جب خدائے قدوس کے سامنے حاضر ہوں گا تو اس کے حکم سزا کے سامنے سر تسلیم خم کردوں گا۔

میں ملت اور اراکین مملکتی مجلس کا اپنی عمر قلیل کے دوران میں بھی اس اعتماد کلی کا جو مجھے عطا ہوا شکر ادا کرنے کے قابل نہیں۔ صرف خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ

www.taemeernews.com

اس نے مجھ کو ملت کے اعتماد کا حامل بنایا۔"

("پولیس ایکشن کے خوفناک ماحول میں" صفحہ ۱۲۸)

رضوی صاحب نے حیدر آباد کو خیرباد کہہ کر پاکستان کا رخ کیا اور چند دن لاہور میں گزارے ---اور پھر کراچی منتقل ہو گئے۔ مشتاق احمد خاں لکھتے ہیں:

جس شہرت کے وہ حامل تھے اور جس جرات رندانہ کا انہوں نے حیدر آباد میں مظاہرہ کیا تھا اور پھر اس کی کڑی سزا بھگتی تھی ان سب باتوں کے پیش نظر عام طور پر یہ خیال تھا کہ وہ پاکستان میں ہاتھوں ہاتھ لئے جائیں گے اور یہاں کی سیاست میں کوئی اعلیٰ مقام حاصل کر سکیں گے مگر افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ یہ بہت اچھا ہوا کہ وہ حیدر آبادیوں کی اس سیاست سے الگ رہے جو حقائق کو نظرانداز کر کے حیدر آباد کی آزادی کے موقف کو کمزور کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ مگر پاکستان کی سیاست میں وہ اپنے رتبہ کے مطابق کوئی مقام حاصل نہ کر سکے اس کی وجہ جو میری سمجھ میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ ان کے ذہن پر ان کا ماضی مسلط تھا اور وہ یہ نہیں بھولے کہ وہ مجاہد اعظم کے روپ میں کبھی حیدر آباد میں سب کچھ تھے۔ حقیقت شناسی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ ماضی کی شہرت اور اپنی صلاحیتوں کی بنیاد پر اپنا مستقبل بناتے اور نئے سرے سے خدمت اور جذبے سے پاکستان کی خدمت کرتے۔ پاکستان کو ان جیسے مخلص اور نڈر کارکن کی ضرورت تھی مگر ان کے ماضی نے ان کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ ۱۵ر جنوری ۱۹۷۰ء کی صبح جاں آفریں کے حوالے کی خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔

("زوال حیدر آباد کی ان کہی داستان"۔ صفحہ ۱۰)

www.taemeernews.com

فصل ہفتم

تخلیقی ادب میں

سقوط کا

منظر و پس منظر

www.taemeernews.com

ایسی بلندی' ایسی پستی

عزیز احمد

عزیز احمد ۱۹۱۳ء کو حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۴ء میں جامعہ عثمانیہ سے اور ۱۹۳۸ء میں لندن یونیورسٹی سے بی اے کی اسناد حاصل کیں۔ لندن یونیورسٹی ہی سے ۱۹۷۲ء میں انہیں ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری دی گئی۔ ۱۹۳۸ء سے جامعہ عثمانیہ میں تدریسی فرائض انجام دینے شروع کیے۔ سقوط حیدر آباد کے بعد پاکستان منتقل ہو کر ریڈیو پاکستان منتقل ہوئے اور محکمۂ اطلاعات میں ڈائریکٹر کے عہدے تک ترقی کی۔ ۱۹۵۷ء میں انہیں لندن میں "اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز" میں اردو اور ہندوستانی اسلام کی تدریس کے لئے مدعو کیا گیا۔ جہاں وہ ۱۹۶۲ء تک رہے۔ پھر ٹورنٹو یونیورسٹی (کینیڈا) کے شعبہ معارف اسلامیہ سے منسلک ہو گئے۔ انتقال ۱۶ دسمبر ۱۹۷۸ء کو ہوا۔

تخلیقی ادب اور تاریخ نویسی دونوں میدانوں میں کہا جا سکتا ہے کہ ان کی حیثیت و شہرت انہیں ہمیشہ نمایاں رکھے گی۔ تاریخ نویسی سے قطع نظر' جس میں انہیں بین الاقوامی سطح پر شہرت اور عزت حاصل ہوئی' ادب میں تنقید اور ناول نگاری اور افسانہ نویسی میں ان کا مقام بلند تر ہے۔ ادب کو انہوں نے متعدد بلند معیار افسانے اور کئی لازوال ناول دیے ہیں۔ ان ناولوں میں "گریز"' "آگ"' "ایسی بلندی' ایسی پستی" کو عہد آفریں کہا جا سکتا ہے۔ "آگ" سے قطع نظر ان کے تقریباً تمام ہی ناول حیدر آبادی معاشرے اور کرداروں سے متعلق ہیں۔ اور ان میں بھی "ایسی بلندی' ایسی پستی" میں ان کا فن اپنی انتہائی بلندیوں پر ہے۔ یہ ۱۹۴۸ء میں شائع ہوا تھا اور یہ اپنے موضوع کے لحاظ سے اس وقت کے تمام اہم اور ضروری مسائل' حیدر آباد کی سیاست' تہذیب' فرقہ واریت اور تقسیم ہند وغیرہ جیسے معاملات کو سمیٹ لیتا ہے۔

زیر نظر اقتباسات اسی ناول سے ماخوذ ہیں۔

عزیز احمد

www.taemeernews.com

ایسی بلندی ایسی پستی

عزیز احمد

فراق کے بغیر عشق کی تکمیل ہو سکتی ہے اور نہ پستی اور بلندی کے بغیر منظر کی۔ اس لئے ہر بڑے شہر کے قریب ایک پہاڑی ہوتی ہے اگر شہر والے خداداد ذوق رکھتے ہیں تو پہاڑی پر بھی آباد ہو جاتے ہیں اگر بدذوق ہوتے ہیں تو پہاڑی پر ایک آدھ مندر بنا لیتے ہیں یا پہاڑی پر کسی کی قبر دریافت کر لیتے ہیں اور پہاڑی کی زیارت کو جایا کرتے ہیں۔ پہاڑی کی بلندی سے اپنے شہر کے منظر کو تھوڑی دیر دیکھ کر خوش ہو لیتے ہیں اور پھر اپنے شہر کی گلیوں میں واپس آجاتے ہیں۔

اگر کبھی ہوائی جہاز سے اڑ کر دیکھتے تو کشن پلی کی پہاڑیاں ایک بہت بڑی مکڑی معلوم ہوں گی۔ ایسی مکڑی جس کے تین دھڑ ہیں ایک دوسرے کے متوازی اور تینوں دھڑوں سے بے انتہا ہاتھ پر نکل کے چاروں طرف منتشر ہو گئے ہیں مکڑی کے چاروں طرف میدان ہیں یہاں تک کہ میدانوں کا سلسلہ پھر پہاڑیوں پر ختم ہوتا ہے اور میدانوں میں چھوٹے چھوٹے تالاب یا کنٹے ہیں کیونکہ اگر آپ نے کبھی یہ منظر دیکھا ہے تو آپ کو نیلے گدلے تالاب کھیتوں کے درمیان اس طرح نظر آئیں گے جیسے ہوائی جہاز جیسے شیشے کے بڑے بڑے نیلے ٹکڑے لہلہاتے ہوئے سبز دھانی کھیتوں کے درمیان جڑے ہوں۔

پہلے کشن پلی کی ان پہاڑیوں میں محض پگڈنڈیاں تھیں جو ہزاروں قسم کے پتھروں اور چٹانوں اور ببول کے اور نیم کے درختوں کے درمیان سے گزرتی تھیں کہا جاتا ہے

www.taemeernews.com

کہ جب خلاقِ عالم اس دنیائے خاکی کو بنا چکا تو بہت سی مٹی اس کی انگلیوں میں بھری رہ گئی اس نے اپنا ہاتھ جھٹکا اور مٹی کے یہ ٹکڑے سطح مرتفع دکن کے اس حصے پر چٹانیں بن کر بکھر گئے۔

جس زمانے میں عالمگیر نے فرخندہ نگر کا قلعہ سر کیا کشن پلی کی پہاڑیاں ہری بھری ہوتی ہوں گی مگر اب تو جتنے بھی ہیں وہ وہاں کے باشندوں کے لگائے ہوئے ہیں یعنی باغوں کے درخت ہیں یا وہ درخت جو ڈاکٹر قربان حسین نے سڑکوں پر نصب کیے ہیں۔

سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد سے کشن پلی کی پہاڑیوں پر سپاہیوں کے قدموں کی چاپ موقوف ہو گئی مگر بنجارے تجارت کرتے رہے نظیرؔ اکبر آبادی نے کہا: ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں مت دیس دیس پھرے مارا' بنجاروں نے کہا ہشت اور تجارت کرتے رہے۔ وہاں جہاں تین سو فٹ تک کالی چٹان کسی رنگی محبوبہ کی کالی سانق کی طرح وادی کی طرف مڑتی ہے بنجاروں کی جھونپڑی سے دھواں اٹھتا رہتا۔ کیا گیہوں' چاول' موٹھ' مٹر کیا آگ دھواں اور انگارا' وہاں جہاں بڑی بڑی چٹانیں ختم ہوتی ہیں۔ دفعتاً نشیب آجاتا ہے اور بڑی چٹانوں کے بجائے ہزاروں لاکھوں گھٹے پتھروں سے ڈھلوان پر اس طرح بھری پڑی ہے گویا یہ پتھر نہیں پتھروں کی قبریں ہیں اور جہاں یہ پتھر ختم ہوتے ہیں وہاں ایک چھوٹا سا گدلا زہریلا تالاب ہے۔ وہاں نظیرؔ اکبر آبادی نے ڈرایا سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا۔ بنجاروں نے کہا ہشت۔ مرہٹے چوتھ وصول کرتے رہے۔ ابدالی آیا اور پانی پت میں بھاؤ کا سر کاٹ لیا۔ رنجیت سنگھ نے سکھا شاہی کی' ڈوگریوں نے لداخ فتح کیا۔ بنجارا شہر سے شہر تک گاؤں سے گاؤں تک پھرتا رہا وہ کشن پلی کی پہاڑیوں سے نشیب کی طرف اترتا چلا گیا۔ اس نے امیر کبیر عبدالکریم خاں کا دروازہ کھٹکھٹایا اور سامان جو دہلی سے لایا تھا سامنے پھیلا دیا۔ کیا چلوں پردے فرش نئے کیا لال پلنگ اور رنگ محل اس نے راجا راجایاں ہمت شمشیر سنگھ کی ڈیوڑھی کے چوکیدار کو جھک جھک کر سلام کیا۔ باریابی ہوئی اور اس نے سامان سامنے پھیلا دیا۔ کیا گھوڑے زین سنہری کے کیا ہاتھی لال عماری کے نظیرؔ اکبر آبادی نے پھر دوڑایا وہی پوتا

www.taemeernews.com

جنوائی بیٹا کیا بنجارن پاس نہ آوے گی۔ بنجارن تبت اور وسط ایشیاء سے اپنے گہنے ساتھ لائی تھی چھم چھما چھم چھم چھما چھم کانوں میں ہاتھوں میں' پیروں میں' ناک میں' پیشانی پر پیتل کا زیور پہنے ہزاروں سال پہلے کے کڑھے ہوئے لہنگے پہنے ہوئے وہ چھما چھم راجہ راجایاں ہمت شیر سنگھ کے محل میں چلی گئی اور موجودہ راجہ کی دادی بنی۔ بنجارے تجارت کرتے رہے اپنے مال کی اپنی عورتوں کی اپنی یہاں تک کہ انگریز بہادر نے رفتہ رفتہ تجارت اتنی بڑھائی کہ نظیر اکبر آبادی کی پیشنگوئی پوری ہوئی۔ ایک بنجارہ کیا سب بنجارے حرف غلط کی طرف مٹ گئے اور کشن ہلا کی پہاڑیوں کی پگڈنڈیاں خاموش ہو گئیں۔ اکیلے بنجارے کو نہیں آئی تمام بنجاروں کو آئی تمام بنجارنیں راجاؤں نوابوں کی خواص بن گئیں ان کے بچے ان کے اپنے نہیں رہے اور خان حضرت تک انگریزوں کی جگمگاتی ہوئی دوکانوں سے بجائے سونے چاندی کے برتنوں کے شیشے کا سامان خریدنے لگے۔ سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

اور پھر تقریباً سو سال کے بعد مہدی حسن کار جنگ نے محض اتفاقاً" ایک روز جنگ کی راہ لی۔ دکن کی برسات اور مالوے کی رات خدا کی بنائی ہوئی اور اودھ کی شام اور صبح بنارس انسان کی' جولائی کا مہینہ تھا اس زمانے میں پاکستان میں آگ برستی ہے مگر فرخندہ نگر کے اطراف جنت بنی ہوئی تھی سبزہ چھ چھ انچ اونچا تھا اور ایسا رس دار اور گھرا ہرا بھرا تھا کہ بیان نہیں کیا جاسکتا اس لئے راجہ راجایان شجاعت شمشیر سنگھ بہادر اپنی چھوٹی راجپوت رانی ایک مسلمان بیگم اور تین خواصوں کے گنبدوں کو سدھارے۔ یہ گنبد مغرب شاہی سلطانوں کے تھے اور ان کے خیال و خواب میں بھی یہ نہ آیا تھا کہ ان کے یہ گنبد جو ہزاروں روپوں کے خرچ سے بن رہے ہیں محض تفریح گاہ بن کے رہ جائیں گے۔ شجاعت شمشیر سنگھ بہادر دیوان فرخندہ نگر جب جانے لگے تو مہدی حسن کار جنگ بھی جھک کر آداب بجالائے اور ایک دن رخصت کی اجازت چاہی۔

اتفاق سے اس وقت آسمان کو یہ سوجھی کہ ذرا دیکھوں تو سہی فرخندہ نگر میں کیا ہو رہا ہے اس نے بادلوں کی چادر کو چاک کیا اور نیلی آنکھوں سے نیچے جھانکا' راجا

www.taemeernews.com

راجایان شجاعت شمشیر سنگھ بہادر کا ہندو باورچی دہی بڑے بنا رہا تھا اور مسلمان باورچی شب دیگ میں منہمک تھا چھوٹی رانی اس بانکے عرب کا تصور کررہی تھی جسے اس نے موٹر سے جھانک کر دیکھا تھا۔ فنانس منسٹر سے صاحب عالی شاہ بہادر صدر اعظم کی برائیاں کررہا تھا پانچ مینار کے قریب ہیجڑوں کی ایک ٹولی سے تانگے والے مذاق کررہے تھے کشتیا ٹخنے ٹخنے تک پانی میں کھڑا دہاں کے نازک نازک پودوں کو ٹھیک کررہا تھا۔ ایک مزدور دیوار پر چارلی چیپلن کی ایک فلم کا اشتہار لگا رہا تھا۔ مہدی حسن کار جنگ نے آسمان کی طرف دیکھا اور مسکرائے آسمان نے ان کی طرف دیکھا اور کھلکھلا کر ہنس پڑا بادلوں نے سورج کو اگل دیا۔

مہدی حسن کار جنگ نے اب دیکھا کہ وہ جس بلندی پر کھڑے ہیں وہاں سے شہر اتنا خوبصورت معلوم ہوتا ہے کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ مسجدوں کے مینار' گھروندوں جیسے مکان اور ادہر دور تک سرسبز درختوں میں گھرا ہوا شہید ساگر برسات کے پانی سے بھرا ہوا دکنک امان سرور دکن کا ریویرا' اور خود ان کے قدموں کے قریب ایک چھوٹا سا تالاب اس کے ختم پر ایک بند اور بند کے بعد کئی فرلانگ تک دھانوں کے کھیت! ایک انچ مٹی کہیں کھلی ہوئی نظر آتی تھی ہر پتھر ہر چٹان کے اطراف چپہ چپہ زمین پر گھانس تھی جڑی بوٹیاں تین تین انچ لمبی بیلیں اور ان میں زرد زرد پھول' اور ہزاروں لاکھوں حشرات الارض جن کی مرکب آواز دن کے وقت بھی آرہی تھی اور پہاڑ کی ڈھلوان سے تالاب کی طرف بہتا ہوا ایک پہاڑی نالہ جو سال میں تین مہینے چلتا ہے اور نو مہینے وہ خود تو کیا تالاب بھی سوکھ جاتا ہے۔

دوسرے دن نواب مہدی حسن کار جنگ دیوان اور نائب السلطنت راجہ راجایاں راجہ شجاعت شمشیر سنگھ بہادر کے ملاحظے میں کاغذات پیش کررہے تھے اور راجہ راجایاں دستخط کرتے چلے جاتے تھے۔ "شمشیر چوکھٹے کے دانت بوڑھے تھے' پپوٹوں کے اندر اس کی آنکھیں بوڑھی تھیں پسلیوں کے پیچھے ریڑھ کی ہڈی بوڑھی تھی اور اگر بیٹری کا بلب نہ ہوتا تو کمر جھک جاتی راجہ راجایاں شجاعت شمشیر سنگھ بہادر کی عمر

www.taemeernews.com

اسی (۸۰) سال کی تھی۔ جب نواب مہدی حسن کار جنگ کی تمام تجویزوں پر دستخط فرما چکے جن میں سبھی طرح کارروائیاں تھیں۔ روزمرہ کے احکامات کی ترقی' تنزل' تبادلے' اسکیمیں جو یار لوگوں نے محض اپنے عزیزوں اور دوستوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے بنائی تھیں تو انھوں نے وہ فونٹین پن جو صاحب عالی شاہ بہادر نے انہیں تحفتاً" دیا تھا تپائی پر رکھ دیا سر کو پیچھے کی طرف جھکایا' آنکھیں بند کیں خدا جانے اُن کی آنکھوں کے پپوٹوں کے پیچھے اس دماغ کے خلیوں اور خانوں کے اندر کیا تھا۔ خان حضرت سے بے حد انتہا خلوص اور محبت اور وفاداری' تاج برطانیہ سے بے حد و انتہا خلوص اور محبت اور وفاداری غریبوں کی پرورش اور فیاضی امیروں سے' اخلاق مصاحبین سے' مروت اور دنیا کی ہر عورت کے لئے محبت' چھوٹی رانی کی ترچھی آنکھوں کے لئے محبت' بیگم کی بڑی بڑی شیریں آنکھوں کے لئے میموں کے لئے محبت' وڈرنیوں کے لئے محبت دوسرے کی بہو بیٹیوں کے لئے محبت' ماماؤں اور لونڈیوں کی ملگجی ساڑھیوں اور اوڑھنیوں کے لئے محبت۔

فضا حقے کی خوشبو سے مہک گئی اور راجہ نے آنکھیں کھولیں ارشاد فرمایا "خان حضرت زندہ باد سلطنت سلیمانیہ پائندہ باد"۔

مہدی حسن کار جنگ بھی تمام کاغذات کو منتظم پیشی کے حوالے کرکے دیوان کے ارشاد کے منتظر کھڑے تھے۔ راجہ نے ایک حقے کا کش لیا اور دھواں چھوڑا پھر ایرانی قالین دھوئیں کی خوشبو سے مہک گیا۔ آنکھیں چار ہوتے ہی مہدی حسن کار جنگ نے جھک کر سلام کیا جس کے معنی تھے فدوی حاضر ہوتا ہے "یعنی جانے کی اجازت چاہتا ہے۔"

راجہ نے حقے کے اشارے سے روکا اور اپنے قریب کرسی کی طرف اشارہ کیا نواب مہدی حسن کار جنگ' معتمد باب عالی پھر جھک کر آداب بجالائے اور بیٹھ گئے ہر ہر چوبدار نے محسوس کیا کہ راجہ راجایاں کی طبیعت ٹھیک اور شگفتہ ہے۔

نیم باز آنکھوں سے بوڑھے راجہ نے اشارہ کیا "بلاؤ" یہ دربار عام کی اجازت تھی

www.taemeernews.com

وہ سب جو گھنٹے بھر سے یا اس سے زیادہ عرصے سے باہر ڈیوڑھی کے لمبے چوڑے ٹھنڈے برآمدے میں بیٹھے چوبی ستونوں کی نقش و نگار دیکھ رہے تھے اندر آ گئے۔

ہر ایک نے ادب سے جھک کر سلام کیا اور راجہ راجایاں نے ایک ایک اشارے سے جواب دیا۔ ذی جاہ جنگ معتمد امور عامہ' آزمائش علی خاں ناظم محلات' خاقان جنگ طبیب خاص ظل اللہ بہت سے اہل غرض تھے ایک صاحب کو مہدی حسن کار جنگ نے پیش کیا۔ یہ ڈاکٹر اقبال کا رقعہ لے کر آئے ہیں خود بھی بڑے ہونہار شاعر ہیں۔"

"ارشاد ہوا "ماشاء اللہ' ماشا اللہ حقہ گڑگڑا رہا تھا' خوشبو پھر سے کمرے میں پھیل گئی۔ پھر ارشاد ہوا۔"اسم شریف"

نوارد جوزرا لاابالی سا آدمی تھا الول جلول کپڑے آنکھیں چڑھی ہوئیں' صورت شراب خوروں کی سی' مگر رندی کے ساتھ جلال اور وقار اس نے اپنا نام بتایا۔ شبیر حسین خاں جوش ملیح آبادی

راجہ راجایاں نے سر ہلا کر کہا "خوب' ماشاء اللہ آپ اقبال کا خط لائے ہیں اقبال' فقیر شمشیر کا بڑا دوست ہے۔ فقیر ہے فقیروں کو پہچانتا ہے صوفی ہے صوفیوں کا دوست ہے۔"

خاقان جنگ طبیب خاص نے کہا سرکار کا درست ارشاد ہوا بے شک۔"

شبیر حسین خاں وہ خط راجہ راجایاں کی طرف بڑھا رہے تھے کہ مہدی حسن کار جنگ نے ان کے ہاتھ سے بڑی طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ لے لیا۔

راجہ راجایاں کچھ دیر خاموش رہے۔ ذی جا جنگ اور خاقان جنگ میں آپس میں کچھ باتیں آہستہ آہستہ ہوئیں راجہ راجایاں نے حقے کو ایک مرتبہ گڑاگڑا کر اس کا نیچہ چاندی کی کشتی میں رکھ دیا اور خاقان جنگ کی طرف مخاطب ہوا۔ کہا "نواب کیا بات ہے۔"

سرکار ذی جاہ جنگ اپنی کارروائی کا ذکر کر رہے تھے۔

ارشاد ہوا "ذی جاہ کہو کیا کارروائی ہے"

www.taemeernews.com

ذی جاہ جنگ چھ فٹ لمبے بڑے گوڑے چٹے بار رعب آدمی اور خاندانی جاگیردار تھے ذی جاہ جنگ خان حضرت کے سوا کسی اور کے سامنے ہاتھ جوڑ کے بات نہیں کرتے تھے مگر یوں وہ بھی راجہ راجایاں کی تعظیم کرتے تھے۔

ذی جاہ جنگ نے کہا کہ سرکار' فدوی پر فنانس ممبر نے وہ اعتراضات کئے ہیں ایک تو یہ کہ معتمدی کی عمارت کے دو حصوں کے درمیان میں نے ایک ایسی کمان بنائی ہے جو اوپری منزل کے لئے پل کا بھی کام دیتی تھی۔

ماشاء اللہ بہت مناسب خیال تھا کسی روز ہم ضرور معائنہ کریں گے۔ مہدی کم از کم آٹھ دس مرتبہ راجہ راجایان اس کمان کو دیکھ چکے تھے اور اس سے بہت پہلے اس کا سنگ بنیاد رکھ چکے تھے مگر اب بھول گئے تھے۔

مہدی حسن کار جنگ نے کہا "بجا ارشاد ہوا سرکار ضرور ملاحظہ فرمائیں۔"

ذی جاہ جنگ نے کہا "فنانس ممبر نے اس کی بر آورداد پر اعتراض کیا ہے۔

"کوئی بات نہیں ہم اعلیٰ کوثر نواز جنگ سے کہہ دیں گے۔"

"اور کچھ؟"

"خدا سرکار کو زندہ رکھے۔"

"ہاں مہدی' اقبال نے فقیر شمشیر کو آپ کے متعلق کیا لکھا ہے"

اور مہدی حسن کار جنگ نے اقبال کا خط سنانا شروع کیا۔ خط سنتے سنتے راجہ راجایاں اونگھنے لگے اور جب خط ختم ہوا تو وہ اسی طرح آرام کرسی پر جھکے جھکے غافل سو رہے تھے۔ جو لوگ ملنے آئے تھے وہ دبے پاؤں رخصت ہوئے۔ مہدی حسن کار جنگ نے شبیر حسین خان سے آہستہ سے کہا' بس اس قدر کافی ہے' میں آپ کے لئے لکھے دیتا ہوں محکمہ تعلیمات میں آپ کا تقرر کردیا جائے۔"

تھوڑی دیر کے بعد راجہ راجایاں کی آنکھ کھلی اور ارشاد فرمایا' "ہاں ذی جاہ تو تم ابوریحان البیرونی کے متعلق یہ کہہ رہے تھے کہ اندلس میں اس سے بڑا کوئی عالم' مہدی' کیا وہ لوگ سب چلے گئے؟

www.taemeernews.com

"سرکار کے خاصے کا وقت ہو رہا تھا اس خیال سے"۔

"مہدی اور کیا خبر ہے سناؤ۔"

"سرکار کا اقبال ہے' لیکن سرکار کل ایک عجیب و غریب منظر دیکھا' شہید ساگر اور پورا شہر یہاں تک کہ پانچ مینار وہاں سے دیکھ لیجئے۔ میں نے خیال کیا کہ سرکار دلچسپی لیں تو وہاں بمبئی کے مالا بار ہل کی طرح جاگیرداروں امرائے عظام اور سرکاری عہدہ داروں کے لئے ایک بڑی اچھی کالونی بن سکتی ہے۔

"یہ کہاں؟"

"کشن پلی سرکار اگر سرکار کا حکم ہو تو میں نو آبادی کی اسکیم پیش کروں"۔

"ضرور پیش کرو میں خود معروف خان حضرت کی خدمت میں پیش کرکے دستخط حاصل کروں گا۔ ہاں ذرا مجھ سے کشن پلی کی پہاڑیوں کا منظر تو بیان کرو۔ میں وہ داستان لکھ رہا ہوں نا۔"

"طلسم مقناطیس و کہربا سرکار"

"ہاں طلسم مقناطیس و کہربا --- وہ منشی گیان چند ہیں نا' انہوں نے کہا کہ خواب میں انہوں نے سری کرشن مہاراج کو دیکھا جو داستان کے کچھ حصے انہیں دیئے گئے اور کہہ گئے کہ یہ شمشیر کو دے دو یہ اس کی تصنیف ہے۔

"بجا ارشاد ہوا سرکار"۔

"تو تم منشی گیان چند کو کشن پلی کی پہاڑیوں کا منظر سنا دو مجھے تو یاد نہیں شاید میں نے یہ منظر بھی کہیں لکھا ہو منشی گیان چند کو سری کرشن بھگوان سے حکم مل جائے گا" اب خاصہ

چوبدار ہاتھ جوڑ کر الٹے پاؤں واپس دوڑا اور اس نے کہا "آب خاصہ"۔

اور آبدار تھوڑی دیر کے بعد "آب خاصہ" کا گلاس چاندی کی کشتی میں لئے ہوئے حاضر ہوا راجہ راجایاں نے پانی پیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

قابل جنگ اب بہت کم لوگوں کو یاد ہیں اب سے کئی سال پہلے وہ رائچور کے تعلقدار

www.taemeernews.com

تھے پھر صوبہ دار ہوئے اور وظیفہ لیا اور وہ اس زمانے کے آدمی تھے جب سر سید سینے پر تمغے اور ستارے لگاتے تھے۔ حالی نثر میں بے تکلف انگریزی الفاظ استعمال کرتے تھے اور نذیر احمد کا ابن الوقت آس تنگ کھاتا تھا اور ابھی تائب نہیں ہوا تھا۔

تین مرتبہ امیر گھرانوں پر مغربی تمدن کی لہریں امنڈ چکی ہیں۔ پہلے تو غدر کے بعد سر سید کے زمانے میں، قابل جنگ اور مشہور الملک نے اس زمانے میں اپنی معاشرت بدلی' یہ اس قسم کی مغربیت تھی جیسے ترکی' اور مصر کی مغربیت۔ آج یعنی انگریزی کپڑے گھر میں ہر ایک ڈارلنگ ' کتے' انگریزی کھانا' شراب ' بٹلر کرسچن آیائیں' غرض صاحب لوگ بننے کی تحریک۔ دوسری مرتبہ مغربیت کی جو یورش ہوئی اس نے اندر اندر بدلنا چاہا اس کے ساتھ قوم پرستی' خودداری ' وقار' اور مغرب کے ادب علوم و فنون سائنس وغیرہ' کی رغبت' اس دوسرے طرح کا ہمارے ناول کے اہم کرداروں پر کم اثر ہوا کیونکہ اس دوسرے دور کی داخلی مغربیت ---- اسے مغربیت کہہ لیجئے یا مزدکیت یعنی اشتراکی آزاد خیالی۔ یہ تحریک پھیلی تو سہی مگر کشن پلی تک محض ایک ذہنی فیشن بن کر آئی اس نے ہندوستان کے عوام میں انقلاب کیا ہو نہ کیا ہو ہمارے قصبے کے افراد کو اس سے سروکار نہ تھا اور ادب سے مالا بار ہل پر تو کسی آرام کو اس نے فتح کر بھی لیا ہو کشن پلی کی بلندیوں پر یہ چڑھ نہ سکی۔

مشہور الملک اپنے پوتے خاقان کو بہت چاہتے تھے معلوم نہیں کیوں شروع سے آخر تک خاقان میں کبھی نہ ذہانت کے آثار پیدا ہوئے نہ پھرتی اور چالاکی کے' لمبا' دبلا' سانولا، عقل سے ضرورت سے زیادہ معذور اور اپنے رشتے کے تمام بھائیوں اور دوستوں کے لئے تفریح کا ذریعہ تھا اس کا اپنا چھوٹا بھائی اصغر اسے بہت ستایا کرتا تھا۔

مشہور النساء اس کے منہ پر کہتی تھی "تو یہ بڑے بھائی جان کیا دیوانے ہیں" اس نے زیادہ پڑھنے کی طرف توجہ نہیں کی اور اس زمانے میں اس کے خاندان کا رجحان زیادہ پڑھنے کی طرف تھا بھی نہیں۔ ساری فکر یہی تھی کہ لڑکا کسی ترکیب سے میٹرک

www.taemeernews.com

ہو جائے اور فوج میں اسے کمیشن مل جائے قابل جنگ' مشہور الملک' سرتاج الملوک کے خاندان کا یہی دستور العمل تھا۔

پھر جب خاقان کی جوانی آئی تو اتنی ہی سمجھ اب بھی اس کے قابو میں تھی جتنی بچپن میں تھی اس کے دونوں سوتیلے ماموں نیازی اور محمود شوکت ایک چھٹے ہوئے تھے اور خصوصاً نیازی کے نام سے تو سب واقف تھے فرخندہ نگر کے باہر اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے یہ دونوں بھائی جوان وڈر اور کسان عورتوں کو اٹھا لے جاتے اور وڈر اور مزدور ان کے پیچھے دوڑتے پتھر مارتے اور تھک ہار کر خاموش ہو جاتے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ نواب آرائش جنگ کو ابھی خطاب نہیں ملا تھا اور انہیں وہ رسوخ حاصل ہوا تھا جو اعلیٰ کوثر نواز جنگ کے زمانے میں حاصل ہوا وہ اس زمانے میں آرائش حسین انجینئر تھے اور چونکہ ان سے ان کے افسران بالا دست سے عموماً "تعلقات بہت اچھے رہتے اس لئے وہ بجائے دور دراز اضلاع پر بھیجے جاتے قریب ہی کہیں نہ کہیں مامور رہتے۔ اس زمانے میں آب پاشی سے متعلق انجینئرنگ کا کام ان کے سپرد تھا اور ان کے اوورسیئر اور انسپکٹروں نے نیازی اور محمود شوکت کی حرکتوں کی خبر ان تک پہنچائی۔ قابل جنگ ان کے دوست تھے اور مرحوم کی اولاد کو وہ محبت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ انہوں نے نیازی کو بلا کے سمجھایا اور نیازی ان کے سامنے تو بڑی سعادت مندی سے پیش آیا لیکن پھر اس نے اسی تالاب پر شکار کیا۔ ادھر دوسری عورتوں خصوصاً جاگیرداروں کی بیویوں کے کہنے سننے سے خورشید زمانی بیگم قائل ہو چکی تھیں کہ خاقان اور اضطراب دونوں جوان ہو چکے ہیں اور خاموش بیٹھنے والے نہیں۔ فرخندہ نگر میں اسی لئے تو چھوکریوں کا دستور تھا۔ یہ جرم کی بدلی ہوئی صورت تھی۔ جاگیرداروں کے گھروں میں کئی کئی لڑکیاں پائی جاتیں۔ یہ بالکڑیاں یا چھوکریاں کبھی تو زر خرید ہوتیں قحط کے زمانے میں یہ عموماً سستے داموں مل جاتیں یا یہ بے کس اور لاوارث لڑکیاں ہوتیں۔ بہت سی ان میں چھوکریوں کی اولادیں ہوتیں اور نسل بعد نسل ایک ہی گھرانے میں پلتیں' بڑھتیں جوان ہوتیں' بچے دیتیں اور چھوکریوں میں سے جو صاحب کو پسند آجاتی وہ

www.taemeernews.com

تو خیر "خواص" بن جاتی اور بیگم صاحبہ کی رقیب ہوتی۔ اس کے بعد وہ چھوکریاں ہوتیں جو صاحبزادوں کو پسند آتیں اور ان کی خواص بن جاتیں اور جو اتنی بدشکل یا گندی یا ہاتھ پاؤں سے معذور ہوتیں جو نہ صاحب کو پسند آئیں نہ صاحبزادوں کو ان کی شادی گھر کے یا باہر کے ملازمین وغیرہ سے کردی جاتی جب زمانہ اور آگے بڑھ گیا اور "خواص" پر سے پابندیاں اٹھالی گئیں تو یہ بھی ہوتا بلکہ اکثر یہ ہوتا کہ کوئی چھوکری جوان ہوتی کسی صاحبزادے کا بستر کچھ دن گرم کرتی پھر ان کی طبیعت اس سے سیر ہو جاتی اور چھوکری یا تو خود کسی موٹر ڈرائیور کے ساتھ بھاگ جاتی یا اس کی شادی کسی سائیس یا باورچی یا بوائے سے کردی جاتی۔

قابل جنگ کی انگریزیت اور خصوصاً ان کی دوسری اینگلو انڈین بیوی کی وجہ سے ان کے گھر میں چھوکریوں یا خواصوں کا بالکل رواج نہ تھا۔ خورشید زمانی بیگم کی سسرال یعنی مشہور الملک کے گھرانے میں بھی خواص یا چھوکریاں رکھنے کا دستور نہ تھا اور اس کی وجہ بھی انگریزیت تھی۔ اپنے گھر میں خورشید زمانی بیگم نے ابھی تک چھوکریاں نہیں رکھی تھیں کیونکہ ان کے صاحب سنجر بیگ جب تک جواں تھے تب تک آستین میں سانپ پالنے سے کیا حاصل۔ لیکن ہر سال جو گزرتا اس میں خورشید زمانی بیگم کو اپنے بے مثل شوہر سنجر بیگ کی بے داغ جوانی کی قدر ہوتی جاتی۔ سنجر بیگ نے کبھی عیاشی نہیں کی وہ بیوی کے تو کیا لیکن مذہبی پاکدامنی کے اصول کے ہمیشہ بڑی سختی سے پابند رہے اور ان کے سب دوست اس کے قائل تھے کبھی اپنے گھر میں یا اپنی طرف سے انہوں نے رنڈیوں کا مجرا نہیں کرایا۔ وہ دوسروں کے جلسوں میں شریک ضرور ہوتے رنڈیوں سے پھکڑ مذاق بھی کرتے مگر اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ وہ بہرحال محفوظ تھے اور اسی لئے خورشید زمانی بیگم نے جب جاگیرداروں کی نقل میں چھوکریوں کو رکھنے کا ارادہ کیا تو ان کو اپنے میاں کی طرف سے کوئی خدشہ نہ تھا۔

خورشید زمانی بیگم کے نزدیک زندگی اس وقت بے معنی اور بے مصرف تھی جب تک اس میں امارت کی خوبو نہ آئے جب تک ہر معاملے میں جاگیرداروں کی نقل نہ کی جائے

www.taemeernews.com

زندگی کا حاصل ہی کیا تھا۔ جب تک حکومت کرنے کا موقع نہ ملے ہم چشموں میں سب سے اونچا مقام نہ ہوگا زندگی کا فائدہ ہی کیا تھا۔ فرخندہ نگر میں قرون وسطیٰ سے انیسویں اور بیسویں صدی کے ڈانڈے ملانے کا معجزہ ان ہی جیسی ہستیوں اور ان کے والدین ان کے شوہروں ان کی سہیلیوں اور ان کی اولاد کی وجہ سے تو ممکن ہو سکا۔

سلطان حسین کشن پلی کی چھوٹی چھوٹی بلندیوں پر بیسیوں مکانوں کو بنتا اور بڑھتا دیکھ رہا تھا چونے اور گارے سیمنٹ کنکروں سمیت اور لوہے کی سلاخوں کے انبار ہر طرف لگ رہے تھے ہزاروں وڈر معلق چٹانوں کو مکانوں کے پتھر میں تبدیل کر رہے تھے ان کے قوی بازو اور ان کے مضبوط اوزار پتھروں پر ضرب لگاتے اور پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ ہزاروں کوہکن تھے جو کشن پلی کے عظیم الشان محلے کے لئے ستون پر ستون تراشتے چلے جاتے تھے ان فرہادوں کی شیریں ہزار ہا شیریں بنیں ننگے سینے' جو کبھی ساڑھی کے موٹے پلو سے ڈھکے رہتے کبھی کھل جاتے' مٹی کے ٹوکرے سر پر رکھے ادھر سے ادھر مشینوں کی طرف گھومتی رہیں اور راتوں کو ہزار طرح کے کئی خسرو ان سے اپنا پہلو گرم کرتے۔ مکانوں کے مالک' سپروائزر' ٹھیکیدار' مستری' داروغے' بنیادیں کھودی جارہی ہیں سیمنٹ سے یہ مٹی سے پتھر سے پتھر اینٹ پر اینٹ جم رہی تھی۔ لکڑی کٹ کٹ کے دروازے بن رہی تھی اور بنتے ہوئے مکانوں کے پیچھے انسانی اعصاب اور قوت بازو کا صرفہ بھی شامل تھا پسینہ خون' جاری بوجھ کے نیچے دل کی دھڑکن کبھی کبھی پیٹ میں بچہ' سر پر مٹی کا ٹوکرا اور دل کی دھڑکن وڈرنیوں کے سجل جسم اور زیادہ متناسب اور خوبصورت ہوتے جاتے تھے۔

اور وڈروں کے علاوہ اور کئی طرح کے مزدور تھے۔ ڈھیرپادری لمباڑے' لمباڑنیاں تبتی اور کشمیری قسم کا لباس بے شمار چوڑیاں' لمبے لمبے لہنگوں پر بے شمار کانچ کے ٹکڑے یا پتھر ٹانکے اپنے خدوخال میں اب بھی جابجا منگول آثار دکھاتی ہوئی اپنے کام میں مصروف تھیں اور مستریوں اور داروغوں کے کام آرہی تھیں۔ غرض مہدی حسن کارجنگ کا خواب بہت بڑے پیمانے پر پورا ہو رہا تھا۔

www.taemeernews.com

بہت سے انقلابات آچکے تھے مہاراجہ سر شجاعت شمشیر سنگھ بہادر کا دور ختم ہو چکا تھا۔ اب سے تیس سال پہلے جب ہاتھی پر راجہ راجایاں دیوان سر شجاعت سنگھ کی سواری نکلتی تھی تو راہ گیروں پر روپے برسائے جاتے تھے۔ آخری زمانے میں راجہ راجایاں جب اپنی کیڈی لیک میں باب عالی جایا کرتے تھے تو چونیوں اور دونیوں کی بارش ہونے لگی تھی۔ یعنی بارش میں کمی ہوگئی تھی آخر پیسوں کی نوبت آگئی تھی۔ آخر آخر تک دستور تھا کہ جو حاجت مند چاہتا شجاعت شمشیر سنگھ کی موٹر کے راستے میں لیٹ جاتا۔ موٹر کو راجہ راجایاں کا حکم ہوتا ٹھہرو' موٹر روک لی جاتی اور حاجت مند اپنا قصہ سناتا اسے تسلی دی جاتی وہ روتا' راجہ راجایاں کا دل پسیجتا۔ مزید تسلی دی جاتی اور حاجت مند کی عرضی مہدی حسن کار جنگ کے سپرد کردی جاتی۔ باب عالی میں وزراء انتظار کرتے رہتے اور مجلس وزراء کی کارروائی شروع نہ ہوتی۔ اب وہ زمانہ گذر چکا تھا اور اعلیٰ کوثر نواز جنگ نے سر شجاعت شمشیر سنگھ کی جگہ لے لی تھی۔ اس سے پورا فرخندہ نگر کانپتا تھا۔ مہدی حسن کار جنگ سے وہ ناراض تھے اور اب ان کا رسوخ کم ہوگیا تھا مگر کشن پلی کی مہم نے فرخندہ نگر کے "عہدیدار" اور جاگیردار طبقے کے تخیل کو تسخیر کرلیا تھا اور مکانات بنتے ہی چلے جارہے تھے۔ انوکھے سے انوکھے مکان کوئی جہاز کی شکل' کوئی غیر متمدن انسان کے غاروں کی نقل' کسی میں جاپانی انداز' کوئی عہد مغلیہ یا ساسانی طرز تعمیر کی کمانوں سے بھرا ہوا' لیکن سب سے زیادہ "جرمن ڈیزائن" کا شوق تھا معکب مکان' کہیں کہیں نیم دائرے اور قوسین' ٹائلز اور کنکریٹ کی چھتیں' بوگن ویلیا کی بیلیں' زیادہ تر مکانات مہاجنوں کے مکفول تھے' اور یہ مہاجن اپنی قسطیں وصول کرنے' مارواڑی پگڑیاں باندھے ماتھے پر سیندور لگائے' تانگوں پر کشن پلی آتے اپنے قرض دار اور عہدہ داروں کے آگے ہاتھ جوڑ کر جی حضور جی حضور کرتے۔ ہر دستاویز حد سے زیادہ پکی کرکے قرض دیتے جاتے تھے فیشن ایبل قرض داروں کا خون چوستے جاتے۔ کم سے کم سود اور زیادہ سے زیادہ مکان کی ملکیت ہر صورت میں جیت انہی کی تھی۔ اس طرح کشن پلی کی نو آبادی تعمیر ہو رہی تھی ایسی بلندی ایسی پستی۔

واجدہ تبسم

www.taemeernews.com

بدلتا ہے رنگ آسماں

واجدہ تبسم

حیدر آباد کے بحرانی اور سیاسی ابتلا کے دور میں صوبہ برار سے کئی خاندان حیدر آباد آکر آباد ہو گئے تھے۔ صوبہ برار، اب "وِدربھا" کہلاتا ہے اور مہاراشٹرا کا حصہ ہے، یہ ۱۸۵۳ء تک مملکت آصفیہ کے زیرِ اقتدار تھا، لیکن اسے انگریزوں نے اپنے قبضے میں لے لیا۔ مملکت آصفیہ اسے دوبارہ اپنی مملکت میں شامل کرنے کے لئے مستقل کوشاں رہی۔ چنانچہ ۱۹۳۶ء میں مملکت آصفیہ اور برطانوی حکومت ہند کے درمیان ایک معاہدے کی رو سے نظام دکن کے اس استدلال کو قبول کرلیا گیا کہ برار مملکت آصفیہ ہی کا ایک حصہ ہے۔ اس طرح اہل برار قانونی طور پر حیدر آبادی ہی رہے۔

۱۹۴۷ء اور ۱۹۴۸ء کے دورِ ابتلاء میں برار کے متعدد مسلمان حیدر آباد آکر پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ انہیں خاندانوں میں سے ایک خاندان واجدہ تبسم کا تھا۔ وہ ۱۹۳۵ء میں امراؤتی میں پیدا ہوئیں۔ جنوری ۱۹۴۸ء میں اپنے خاندان کے ساتھ حیدر آباد آئیں اور یہاں چودہ سال تک مقیم رہیں۔ پھر بمبئی منتقل ہو گئیں۔ جہاں وہ اب مستقل قیام پذیر ہیں۔

ان کی شہرت تمام تر ایک افسانہ نگار کی ہے اور ان کے زیادہ تر افسانے حیدر آبادی معاشرے اور ماحول یا کرداروں کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ اگرچہ اس منظر کشی میں مبالغہ آرائی حد درجہ نمایاں ہے، لیکن واجدہ تبسم مبالغہ آرائی کے اس پہلو کو قبول نہیں کرتیں۔ ان کے افسانوں کے کئی مجموعے اور ناول شائع ہو چکے ہیں۔ "تہہ خانہ" (۱۹۶۸ء)، "کیسے سمجھاؤں" (۱۹۷۷ء)، "پھول کھلنے دو" (۱۹۷۷ء)، "زخم دل اور مہک اور مہک" (۱۹۷۸ء)، "اترن" (۱۹۷۷ء)، "زر، زن، زمین" (۱۹۸۹ء) اور "شہر ممنوع" جو متعدد بار چھپ چکا ہے۔

ان کا زیرِ نظر اقتباس، ان کے ناول "نتھ اترائی" (۱۹۸۱ء) سے ماخوذ ہے۔

www.taemeernews.com

بدلتا ہے رنگ آسماں

واجدہ تبسم

۱۹۴۷ء (اگست) سے لے کر ۱۹۴۸ء (جنوری) تک چند مہینے انتہائی افراتفری میں گزرے ہیں ہم سب بھائی بہن چھوٹے چھوٹے ہیں کسی بات کی سمجھ نہیں۔ شہر میں بلوے اور لڑائی جھگڑوں کی جو وارداتیں ہوتی ہیں انہیں بھی تماشا سمجھ کر دیکھنے کے لئے لپک پڑتے ہیں لیکن نانی اماں سب کو پکڑ پکڑ کر کمروں میں بند کردیتی ہیں۔

"ارے کم بختو! باہر نہ نکلو کوئی بھی کاٹ کے رکھ دے گا۔"

دھیرے دھیرے پتہ چلا کہ سارا خاندان ہی پناہ گاہ جان کر حیدر آباد دکن پہنچ چکا ہے۔ وہاں سے ہمزردوں کے خط پہ خط آرہے ہیں خدا کے لئے اپنی جان کی سلامتی چاہتے ہو تو حیدر آباد چلے آؤ۔ مسلمان بادشاہ کی حکومت ہے ہم سب کو پناہ مل گئی ہے تمہیں بھی مل جائے گی۔

ایک صبح آنکھ کھلی تو محسوس ہوا کہ گھر چلا جارہا ہے---- ارے یہ گھر چلنے کیسے لگا؟ پتہ چلا کہ اسی وقت سب لوگ ٹرک میں بھرے ہوئے ہیں اور اس ڈر سے کہ محلے والے روک نہ لیں راتوں رات نانی اماں سوتے بچوں کو اٹھا کر ٹرک میں ڈال کر حیدر آباد دکن کے سفر پر چل پڑی ہیں۔ پھر کچھ دن ٹرک میں کچھ بسوں میں، کچھ ریل گاڑیوں میں گزرے۔ پھر حیدر آباد کے حیران کردینے والے ریلوے اسٹیشن کاچی گوڑہ پر ہم لوگ اترے ہیں۔ ایک عجیب و غرب سواری شکرام نظر آتی ہے نہ یہ تانگے جیسی ہے، نہ رکشا جیسی، شکرام والوں سے بھاؤ تاؤ کرکے تین شکرام طے کرکے سب لوگ شکراموں میں سامان سمیت لدنے لگے ہیں پوری گھرگرہستی کا سامان ہے شکرام والے یہ

www.taemeernews.com

کہتے ہیں "نکو صاحب' معصوم جناور کر پر اتا ظلم نکو۔ اتا وزن لے کو گھوڑا کیسا چلیں گا۔"

دو تین ہاتھ رکشا والے تیز تیز اپنی رکشائیں دوڑاتے ہوئے آتے ہیں--- "بولو پاشا کاں جانا ہے؟"

انسانوں کا وزن اٹھانے والا یہ انسان! کتنی ہاتھ رکشائیں آجا رہی ہیں--- موٹے موٹے آدمی برقع پہنے ہوئے عورتیں' چھوٹے بڑے بچے' انسان بھی اور سامان بھی۔ سر سے پیر تک پسینے کی بہتی ہوئی دھاری۔ میں بہت چھوٹی ہوں بارہ سال کی بچی--- لیکن دل پر ایک تیر سا لگتا ہے یہ کیسی دنیا ہے جہاں ہم پناہ لینے آئے ہیں۔ رحم اور پناہ کی تلاش میں ہم کیسے نگر میں آ بھٹکے ہیں جہاں ایک انسان دوسرے انسان کو اپنے بوجھ تلے پیس رہا ہے۔

حیدر آباد دکن کا یہ پہلا تحفہ تھا جسے میرے ننھے سے دل نے قبول نہیں کیا درد کا تحفہ۔

ہم سب شکراموں میں تانگوں میں ہاتھ رکشاؤں میں سامان کے ساتھ لدے چلے جا رہے ہیں یہ چوڑی چوڑی شفاف سڑکیں' یہ جگمگاتے بازار' یہ پر جلال' باوقار حیدر آباد دکن یہ کشادہ گلیاں۔

راستے میں چار مینار پڑتا ہے۔ پر ہیبت رعب دار سہا دینے والی شان و شوکت سے۔ شاہ گنج' چوک' خانہ باغ ہوتے ہوئے ہم اس شاندار حویلی میں پہنچتے ہیں جس کے گرد پیدل ایک چکر لگایا جائے تو صبح سے شام ہو جائے پتہ نانی اماں کے پاس لکھا ہوا تھا بڑی آسانی سے اس حویلی کا پتہ مل گیا ہے۔ اس حویلی کے مختلف حصوں میں ہمارا پورا خاندان --- ننھیال' ددھیال دونوں طرف کا--- بھرا پڑا ہے خود حویلی کے مالک نواب ظہیر یار جنگ کے خاندان کے افراد بھی یہیں رہتے ہیں۔ سینکڑوں گھر اس حویلی میں بنے ہوئے ہیں سنگ مرمر کے فرشوں' چاندی جڑے کلسوں' میناروں والے شادی خانے مہمان خانے توشے خانے' سب خانے [illegible]

www.taemeernews.com

ہیں اس لئے معمولی سا گھر ہمیں دے دیا گیا ہے۔ ہمارا گھر ایسے زاویے پر ہے کہ اوپری چاندنی سے اکثر گھرانوں کی گھر بیٹھے سیر ہو جاتی ہے صرف ایک محل شادی خانہ ایسا ہے جس کا کوئی حصہ یہاں سے نظر نہیں آتا۔ شادی خانے کی آخری دیوار ہمارے گھر سے ملی ہوئی ہے۔

چند ہی دن میں سب گھروں کے مکینوں کے بارے میں جان چکی ہوں نیلے محل میں ایک بہت گوری چٹی خوب موٹی زیورات سے لدی پھندی بیگم صاحبہ رہتی ہیں کئی نوکرانیاں ان کے آس پاس خواہ مخواہ کھڑی رہتی ہیں۔ بے حد غصہ ور ہیں بات بات میں "اجاڑ مٹھی پڑ کو جاؤ" دہراتی رہتی ہیں۔

حیدر آبادی زبان بڑی مشکل سے سمجھ میں آتی ہے۔ ہوتی اردو ہی ہے مگر ایسی تو نہیں جیسی میں اب تک اسکول میں پڑھتی آ رہی تھی۔ مگر ان لوگوں کے بات کرنے کے انداز اور اتار چڑھاؤ سے سمجھ لیتی ہوں کہ کیا کہہ رہے ہیں۔

ایک اور معمولی شکل و صورت کی بیگم صاحبہ دوسرے محل میں رہتی ہیں دستار اور اچکن پہنے ہوئے جب ان کے میاں (غالباً" میاں ہی ہوں گے) اندرون محل میں داخل ہوتے ہیں تو پتہ نہیں کیوں گالیاں دے کر اپنی مخصوص خوبصورت سی نوکرانی کو اندر بھگا دیتی ہیں ایک دن چٹیا پکڑ کر گھسیٹا بھی۔

نیلے محل میں رہنے والی بے حد شاندار اور پر شکوہ عمارت جیسی مالکن نے ایک دن اس بات پر غصہ ہو کر کہ ان کی پالکڑی چھوکری نے ان کا کھڑا دوپٹہ بجائے زعفرانی کے گلابی رنگ دے دیا ہے اس کے آبشار کی طرح لہریں مارتے بے پناہ بال جڑ سے کٹوا دیئے حجام اس کا سر مونڈتا رہا اور وہ بیٹھی ونداتی رہیں۔ اب اس کے سر پر کالی اوڑھنی لپٹی رہتی ہے۔

تعجب ہے کہ یہ نوکرانیاں گالیاں کھا کر ڈانٹ سن کر' مار اور ظلم سہہ کر بھی پھر یہیں کیوں رہتی ہیں۔ یہ حویلیاں چھوڑ کر چلی کیوں نہیں جاتیں۔؟

یہ سامنے والے محل میں جو نواب صاحب رہتے ہیں ہمیشہ اپنے پاؤں نوکرانیوں سے

www.taemeernews.com

ہی دلواتے ہیں مگر بہت اچھے آدمی معلوم ہوتے ہیں---- اپنے بڑے پن اور شان و شوکت کو بھی نہیں دیکھتے اور نوکرانیوں سے اتنی محبت کرتے ہیں انہیں گلے تک لگا لیتے ہیں کئی بار میں نے دیکھا ہے کہ محبت کے مارے ان کے گالوں کو بھی چوم رہے ہیں۔

ایک تو نواب صاحب سفید محل والے البتہ مجھے اچھے نہیں لگتے۔ نوکر نے جوتا لانے میں دیر کردی تو اسے اسی جوتے سے اتنا مارا کہ اس کی ہڈی پسلی توڑ کر رکھ دی اتنے خراب تو مجھے وہ نواب صاحب بھی نہیں لگتے، جنہوں نے ایک خادم پر غصہ ہو کر باورچی خانے سے پسی مرچ منگوا کر اس کی آنکھوں میں بطور سرمہ لگوا دی۔

ایک نواب صاحب بہت اچھے ہیں وہ جب اپنی بڑی سی بگھی میں بیٹھ کر محل سے باہر جاتے ہیں تو اپنے بچوں کے ساتھ نوکر خانے کی پوری فوج کو بھی بٹھا لیتے ہیں اور گھما پھرا کر لاتے ہیں تو اپنے اور نوکروں کے سب کے بچوں کے ہاتھوں میں ایک سے ایک کھلونے ہوتے ہیں۔

ایک بیگم صاحبہ بہت بری لگتی ہیں---- یہ عجیب قاعدہ میں نے اس حیدر آباد دکن میں ہی دیکھا۔ ہمارے شہر امراؤتی میں تو ایسا نہیں ہوتا تھا کہ بچہ تو بیگم صاحبہ کا اور دودھ پلائے بے چاری نوکرانی، اب اس کا اپنا بچہ پڑا رو رہا ہے تو کوئی بات ہی نہیں--- کوئی اسے اٹھاتا بہلاتا نہیں خود ماں بھی اسے ہاتھ نہیں لگاتی بس مڑ مڑ کر دیکھے جاتی ہے۔ یہ بیگم صاحبہ اور وہ نوکرماں دونوں ہی مجھے پسند نہیں آئیں۔

اب یہ سارے محل، ان کے مکیں، ان کے روزمرہ کے معمولات دیکھتے دیکھتے ہی اوب چکی ہوں اور پھر جادوئی محل کی اس شہزادی کی طرح جسے جادوگرنی سارے کمروں میں جانے کی اجازت دے کر بس ایک کمرے میں نہ جھانکنے کی ہدایت کرکے سو جاتی ہے اور شہزادی ہے کہ بس اسی دھن میں مری جاتی ہے کہ آخر اس کمرے میں کیا ہوگا۔ اور آخر اس کمرے کو کھول ہی لیتی ہے۔ میں نے بھی ایک دن ہمت باندھ کر شادی خانے والا دروازہ کھول ہی لیا۔

سنگ مرمر کے بنے ہوئے اس شاندار کمرے میں ایک بے حد دبیز اور نرم قالین

www.taemeernews.com

اس کونے سے لے کر اس کونے تک بچھا ہوا تھا بیچ میں ایک چھپر کھٹ پڑا ہوا تھا جس کے پائے سونے کے تھے برابر میں ایک ہاتھی دانت کا بے حد قیمتی صوفہ سیٹ تھا جس پر اعلیٰ مخمل کے چھوٹے چھوٹے تکیئے رکھے ہوئے تھے۔ قد آدم آئینے درودیوار میں فٹ تھے چھت پر ایسا شاندار اور روشن فانوس آویزاں تھا کہ ایک بار اوپر نگاہ اٹھ جاتے تو اس کی خوبصورتی سے دل بھرے نہ نگاہ پھر نیچی ہو ایک طرف الماری تھی جس کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے اس میں ایسے ایسے قیمتی کپڑے لٹکے رہتے تھے جو تصور کی آنکھوں سے بھی میں نے پہلے نہ دیکھے ہوں گے۔ کھڑکیوں اور دروازوں پر جالی دار حسین ترین پردے تھے۔ جو ہوا کے ہلکوروں سے دور دور اڑ کر جاتے اور پھر سہم جاتے ٹھٹھک جاتے زعفرانی رنگ کی بہتات تھی قالین پردے 'صوفے کے غلاف' دیواروں کی ہلکی رنگت' ہر چیز جیسے ہنس رہی تھی۔

ہا ہا! ایک سحر زدہ سی آواز آپ ہی میرے منہ سے نکلی --- اور اس آواز پر اس لڑکی نے پلٹ کر مجھے دیکھا جو پلنگ پر سے نیچے پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی جس کی پیٹھ میری طرف تھی میری طرف دیکھ کر پہلے تو وہ کچھ حیرت زدہ سی ہوئی' اس کے بعد ایک بڑی پیاری' محبت بھری اور شرمیلی سی معصوم مسکراہٹ اس کے چہرے پر بکھر گئی وہ اٹھی اور میری طرف بڑھی اور میں نئے سرے سے حیرت میں ڈوب گئی۔

سنہرے بالوں کا ایک امنڈتا ہوا سمندر تھا جو نیچے جا کر زمین سے مل گیا تھا جب تک کہ میں جی بھر کے اس کے حسین بالوں کو دیکھتی' وہ میری طرف منہ کر کے کھڑی ہو چکی تھی اب جو وہ کھڑی ہوئی تو مجھے احساس ہوا کہ شاید یہ وہی کوئی پری ہے جس کی کہانیاں میں پڑھتی اور سنتی رہتی ہوں۔ میرے بچپن کا ایک احساس تھا لیکن اتنے سال گزر جانے پر آج بھی میں سوچتی ہوں تو اس حسین عورت کے لئے روایتی پری سے موزوں کوئی نام مجھے بجھائی نہیں دیتا۔

مجھے ذرا سہا دیکھ کر وہ آگے بڑھی اور بڑے پیار سے پوچھنے لگی۔ مہاجر بچی ہے نا؟"
میں نے ہاں' میں سر ہلایا تو وہ رحم اور خوشی کے ملے جلے جذبات سے مغلوب ہو کر

www.taemeernews.com

آگے بڑھی اور میرے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر بولی "تم نے اپنا نام نئیں بتائے میرے کو۔"

"واجدہ"

اور

"آپ کا نام"

"رفیعہ بانو (رفیقہ بانو) مگر حویلی کے سب چھوٹے بچے میرے کو رفو باجی بولتے تھے تم بھی ایساچ بولنا---"

"جی اچھا---"

رفو باجی کو میں نے کبھی اسکول جاتے نہ دیکھا۔ گھر میں ہی انہیں ہر قسم کی تعلیم ملتی تھی قرآن شریف پڑھانے پہلے کوئی استانی ماں آیا کرتی تھیں یہ انہوں نے ہی مجھے بتایا تھا کیونکہ جب میں ان سے ملی تھی تو اس وقت تو انہیں قرآن شریف ختم کیے مدت ہو چکی تھی میرے سامنے صرف انگلش پڑھانے والے ایک ماسٹر آیا کرکے تھے ان کی انا بی جو پوری حویلی میں مغلائی اماں مشہور تھیں جب تک وہ پڑھتیں ان کے ساتھ لگی بیٹھی رہتیں۔ وہ پانچوں وقت کی نماز پڑھتی تھیں ان ہی دنوں مجھے خود بھی اسکول میں داخلہ مل گیا میں دن بھر ان کے ساتھ تو رہتی نہ تھی مگر جب بھی ملاقات ہوتی تو وہ دن بھر کی جو بھی مصروفیات بتاتیں ان میں نمازوں کا ذکر ضرور آتا مجھے خود آٹھ برس کی عمر سے نانی اماں نے نماز سکھا دی تھی' اور میں بڑی پابندی سے نماز پڑھتی تھی وہ بڑی خوش ہوتیں ایک دن کہنے لگیں وجو ماں نماز تو تم کو آتی ہے تم کو "بہشتی زیور" پڑھنے کو دیوں گی۔ جہاں جہاں کچھ سمجھ میں نئیں آیا--- میرے کو پوچھ لینا---"

میں کہہ نہیں سکتی رفو باجی نے مجھے مذہبی طور پر کس قدر مکمل کیا--- لیکن میں ان کی احسان مند ضرور ہوں۔

پھر زوال حیدر آباد کا دردناک المیہ---- نوابوں کی تباہ حالی ان کی مالی پریشانیاں' خاندانی مراسم کی بناء پر ظہیر یار جنگ نے اپنی لمبی چوڑی کوٹھی مہمان داری کے لئے

www.taemeernews.com

وقف کردی لیکن حالات بگڑے اور ان کے سگے سوتیلے بھائی بندوں نے اپنے اپنے حقوق کے دعوے کردیئے تو مہاجروں کو اس کوٹھی کو چھوڑنا پڑا۔ مجھے کم از کم کوئی غم نہ ہوا اس لئے کہ ہمارا گھر تھا ہی کون سا بڑا حسین؟ مجھے تو الٹا دوسروں کی شاندار حویلیاں دیکھ دیکھ کر غصہ آتا تھا۔

وہ کوٹھی چھوڑنے کے بعد بنجارہ ہلز پر اتفاق سے ایسا خوبصورت کاٹیج جیسا گھر ملا کہ پھر تو اس گودام کی یاد آنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ ہاں البتہ رفو باجی بہت یاد آتی تھیں وہ پیار بھی تو بے حد کرتی تھیں نا ان کے بابا یعنی بڑے نواب صاحب اور امی جان غریبوں کو کوئی خاص لفٹ نہیں دیتے تھے۔ یہ بات رفو باجی بھی جانتی تھیں اس لئے وہ موقع کبھی آنے بھی نہیں دیتی تھیں کہ ان کی موجودگی میں مجھے بلائیں یا پیار کریں۔ ویسے ان کا اپنا شاہی کمرہ خود ہی ایک الگ تھلک سی دنیا تھا جہاں کسی کو بھی داخل ہونے سے پہلے مغلانی اماں کی اجازت لینا پڑتی تھی ہاں بس دو تین مخصوص کنزیں ضرور ایسے ہی چلی آتیں ان کے بال بے حد بڑے تھے نا اس لئے وہ کنگھی نہیں کر سکتیں تھیں ایک کنیز آکر ان کے بال سلجھا کر جاتی تھی ایک دوسری کنیز نہلا کر جاتی تھی پھر دن بھر میں تین چار جوڑے وہ ضرور بدلتی تھیں ایک جوڑا گھنٹہ بھر ہی پہن لیتیں تو وہ فوراً" احاطہ میں رہنے والی دھوبن کے ہاں پہنچا دیا جاتا دوپٹوں میں کلف اور ابرق لگا کر چنے جاتے مغلائی اماں گوٹے لپے ٹانکتی رہتیں ایک درزن اماں بس انہی کپڑے سینے پر مامور تھیں۔ اللہ جانے کتنے کپڑے مہینے بھر میں سلتے ہوں گے نماز کے دوپٹے کلف اور گوٹے کے بغیر ہوتے کہ " گردن میں کلف چبھتا ہے' باریک نفیس ململ کے دوپٹے کی بکلی مارے وہ بڑے خشوع و خضوع سے نماز پڑھتیں اور ہمیشہ مجھے تاکید کرتیں کہ وجو ماں خدا سے دعا مانگا کرو وہ ہمیں صراط مستقیم پر چلائے"۔

اور اب یہ وہی رفو باجی تھیں جو کبھی ہے ٹ پیٹ' کبھی جینز' کبھی بیل باٹم کبھی اوپن شرٹ میں نظر آتیں اور بیچ پر جاتے وقت محض بکنی برا پر اکتفا کرتیں۔

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

www.taemeernews.com

"لندن سے میں پارسا آئی تھی پن یہ امریکہ میرے کو تباہ کر ڈالا" ان کی آواز میں کرب تھا۔ "مجھے خدا سے کوئی گلہ نئیں' کوئی شکایت نہیں ہے آپ اچ بھٹکی خدا کو کائے کو خصوروار ٹھہراؤں۔"

وہ اور میں "سی شور" پر بیٹھے ہوئے تھے وہ بغیر کسی جھجک کے مجھے سنا رہی تھیں۔

"اصل میں اتے عیش و آرام کو بیٹھے تھے اس راستے کے سوا کوئی دوسرا راستہ سوجھا اچ نئیں۔ تم لوگاں کوٹھی سے گئے اس کے بعد بھایاں بھایاں آپس میں ایسا لڑے ایسا لڑے کہ بس خون خرابے ہونا باخی رہ گیا۔ غموں فکروں سے بابا کا ہارٹ فیل ہوگیا' اکیلی امنی جان ہو رئیں ---- میری شادی خاندان میں اچ طے تھی' پھر جب جاگیرداری ختم ہوگئی تو سب بچ سمجھ گئے کہ اس سسرال سے ملیں گا بھی کیا۔ انوں بغیر کچھ بتائے کرے پاکستان چلے گئے۔ یہ صدمہ ایسا تھا کہ میں تو زندہ رہ گئی پر امنی جان زہر کھا کو مرگئے۔ اب سوچو کیسی زندگی ہوگئی؟ اتا پڑھے نئیں تھے کہ نوکری کرتے اور نوکری کی عادت بھی یاں کس کو ہوتی؟ ان ہی دنوں چچا لندن کو جارہے تھے معلوم نئیں کیسا کرکے ترس آگیا تو اپنے بیٹیاں کے ساتھ میرے کو بھی لے کو لندن آگئے۔ اب میں کیسا کیا کرکے تیرے کو یہ باتاں بتاؤں وجو ماں--- چچا وطن چھوڑ کر اسی واسطے پاکستان نئیں جا کو لندن آگئے تھے کہ ہم سب چھوکریاں کو ڈھیلی دوڑ چھوڑ دینا۔

جیلانی بانو

www.taemeernews.com

ایوان غزل

جیلانی بانو

جیلانی بانو حیدر آباد میں ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوئیں' جہاں ان کے والد علامہ حیرت بدایونی اپنے وطن مالوف سے آکر بس گئے تھے۔ انہوں نے کم عمری ہی میں افسانے لکھنے شروع کردیئے تھے' چنانچہ پہلا افسانہ ۱۹۵۴ء میں "ادب لطیف" میں چھپا۔ افسانوں کے علاوہ انہوں نے ناول بھی لکھے ہیں جن میں "ایوان غزل" ۱۹۷۶ء اور "بارش سنگ" کو اہمیت حاصل ہے۔ "ایوان غزل" میں حیدر آبادی معاشرت میں قدیم و جدید کے ٹکراؤ کو پیش کیا گیا ہے اور دراصل یہ ایک پورے عہد کا المیہ ہے۔ ان کا دوسرا ناول "بارش سنگ" ۱۹۸۵ء تلنگانہ تحریک کی مسلح جدوجہد اور اسی کے متوازی حیدر آباد کے مزدوروں کے دکھ کی تصویر کشی پر مشتمل ہے۔ ان کے علاوہ "جگنو اور ستارے" (۱۹۶۵ء) اور "نغمے کا سفر" (۱۹۷۷ء) ان کے ناولٹ ہیں۔ جب کہ ان کے افسانوں کے چند مجموعوں کے نام یہ ہیں : "روشنی کے مینار" (۱۹۵۸ء)' "نروان" (۱۹۶۴ء)' "پرایا گھر" (۱۹۷۹ء)' "رات کے مسافر" (۱۹۷۹ء)۔

زیر نظر تحریر ان کے ناول "ایوان غزل" کے اقتباسات پر مبنی ہے۔

www.taemeernews.com

ایوان غزل

جیلانی بانو

سرخ مورم کی روش واحد حسین کی کرسی سے بچتی ہوئی دور پھاٹک تک چلی گئی تھی جہاں ''ایوان غزل'' کا دل کی وضع کا پھاٹک بہت دیر ہوئی کھل چکا تھا۔ پھاٹک کے دونوں طرف جینا کے پھولوں کی باڑھ تھی اور اس کے پیچھے کروٹن کے کونڈوں کی قطاریں شروع ہوجاتی تھیں ۔ گیٹ کے داہنی جانب سرخ اور سفید بوگن ویلیا کی بیل نے ''ایوان غزل'' کی زنگ آلود دھندلی تختی کو بالکل ڈھانپ لیا تھا۔ مگر اس کی ضرورت بھی کیا تھی۔ حیدر آباد کا ہر شخص اس ڈیوڑھی کو اور اس کے مکینوں کو اچھی طرح جانتا تھا۔ پھاٹک سے اندر تک روشوں کے دونوں طرف ہری گھاس کو کاٹ کاٹ کر پھولوں کی بڑی بڑی کیاریاں بنی تھیں جن میں اودے اور سفید پھول جیسے کسی نے ٹوکروں سے الٹ دیئے تھے۔ پھولوں کے ڈھیروں کا یہ سلسلہ اوپر سیڑھیوں تک چلا گیا تھا جہاں سے '' ایوان غزل'' کا سب سے بڑا ہال ''بیت الغزل'' نظر آتا تھا۔ سامنے بڑے بڑے اونچے ستونوں کے سہارے لمبا چوڑا وراندا تھا اس کے دونوں طرف اندر جانے کے راستے اور بیچ میں ''بیت الغزل'' کادروازہ۔ یہ ہال اس ڈیوڑھی کا سب سے بڑا کمرہ تھا اور ڈیوڑھی کے ہر پورشن کا سلسلہ بالاخر اسی ہال میں آکر ملتا تھاہال کے اندر سرخ قالینوں کا فرش بچھا ہوا تھا بے حد قیمتی پرانے اخروٹ کی لکڑی کے بھاری بھرکم مخمل کے صوفے پڑے تھے اس کے پیچھے سنہرے کام والی منقش کرسیوں کا سلسلہ تھا اوربیچوں بیچ اونچا سا تخت جس پر زریں قالین بچھا تھا۔ اور کارچوبی تکیے رکھے تھے یہاں بیٹھ کر حیدر آباد آنے

www.taemeernews.com

والے ہر اہم شاعر نے اپنا کلام سنایا تھا۔ اس ہال میں واحد حسین کے جن آباواجداد نے شاعری کی اور مشاعرے منعقد کئے تھے وہ سب بڑے بڑے سنہری فریموں میں جڑے اس ہال میں موجود تھے۔ ایک سے ایک رعب داب والی صورتیں تھیں کہیں گل مچھے لہرا رہے ہیں اور کہیں لمبی لمبی داڑھیاں ہلتی نظر آئیں۔ دستار پہنے کمر سے تلوار باندھے حالانکہ وقت پڑنے پر ان میں سے کسی کو تلوار چلانا نہیں آتی وہ سب کے سب تو قلم کے دھنی تھے اسی لئے جب بھی شہ پڑی ان کو مات ہوئی' ایوان غزل کی لائبریری میں ایک سے ایک قیمتی نایاب کتابیں بھری ہوئی تھی۔ ان ہی کتابوں کا فیض تھا کہ ایوان غزل کے ٹھاٹ باٹ پر زوال آتا گیا جاگیریں کم ہوتی گئیں' بے ایمانیوں اور سازشوں کے جال پھیلے اور جھک مار کے واحد حسین ڈیوڑھی سے باہر نکلے تحصیلداری جیسی حقیر نوکری کرنے اور ان کا بیٹا راشد انجینئری پڑھنے ولایت گیا ایسے برے دن دیکھنا لکھے تھے اس ڈیوڑھی کے نصیبوں میں۔ زیادہ پڑھنے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ بعض اوقات واحد حسین سوچتے تھے اور زیادہ الجھاوے' زیادہ مسائل' شکوک وشبہات' کیا علم کے ذریعے آدمی کسی ایک قطعی فیصلے پر پہنچ جاتا ہے؟ اب سڑک پر چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔

کبھی کبھار کوئی تانگہ کھٹ کھٹ کرتا گزر جاتا یا کوئی گوالہ بھینسوں کو ہانکتا سر پر چارے کا ٹوکرا لئے گزر جاتا تھا۔ پھر دولہے نواب کی ڈیوڑھی پر کوئی ماما چلانے لگی۔ سیتارام کے مکان کے سامنے ان کی بڑی لڑکی نے گوبر کے پانی کا چھڑکاو کر کے سفید چونے سے رنگولی بنانا شروع کردی۔

سیتا رام برہمن تھے مگر عید بقرعید کو بڑی پابندی سے آکر واحد حسین کے ہاں شیر خرمہ کھاتے۔ ان کے ہاں کی ہر پوجا اور تیوہار میں واحد حسین اور ان کے بیوی بچے شریک ہوتے تھے۔ وہ وکیل تھے اور واحد حسین کے سارے جھوٹے سچے مقدموں کی پیروی کرتے' ان کے لئے جھوٹے گواہ ڈھونڈ کر لاتے اور ان کی ہاں میں ہاں ملائے جاتے تھے۔ راشد کے ساتھ ہی ان کے لڑکے ملشم نے بی اے پاس کیا تھا مگر راشد انجینئری میں گیا تو وہ بلڈنگیں بنانے کا چھوٹا موٹا کاروبار کرنے لگا اس کام کے لئے بھی وہ راشد

www.taemeernews.com

اور واحد حسین کی خوشامد میں لگا رہتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد دولہے نواب اپنی ڈیوڑھی سے باہر آئے زربفت کی پرانی شیروانی پہنے دستار لگائے لمبے دبلے پتلے' سفید بالوں کی پیچھے جھالر سی لٹکتی تھی اپنے چھوٹے سے پوتے کو سینے سے لگائے سڑک پر ٹہلنے لگے دولہے نواب کے گھر میں وسیوں نوکر چاکر تھے' آیائیں اور چھوکریاں تھیں مگر روز صبح وہ اپنے سال بھر کے پوتے کو لے کر ٹہلا کرتے تھے۔ جیسے کہ ان کی سب سے قیمتی شے ہو دولہا نواب کو دیکھ کر واحد حسین کو بھی حرص ہوئی کہ اپنے تین برس کے پوتے شاہین کو لے کر دولہے نواب کے ساتھ ٹہلا کریں مگر ان کا بیٹا اپنے بیٹے کو بالکل انگریزی اصولوں پر پال رہا تھا۔ اس کی موٹی کرسچین آیا بچے کو سات بجے سے پہلے نہیں اٹھنے دیتی تھی۔ اس پر بھی پابندی کہ بچے کا منہ مت چومو' اسے وقت بے وقت کھٹے میٹھے پھل مت کھلاؤ' ننگے پیر مت اتارو زمین پر' جب زمین پر اتنی تلخی اور نفرت پھیلی ہو تو یہی جی چاہتا ہے کہ دولہا نواب کی طرح کسی کو سینے سے لگا کر سب کچھ بھول جائیں مگر نکلتے ہوئے دن کی حقیقت اور سورج کی موجودگی کو کیسے فراموش کردیں گے آپ۔ "بندگی عرض کروں قبلہ" دولہے نواب کو گیٹ کے قریب سے گزرتے دیکھ کر واحد حسین کھڑے ہو کر تعظیماً" جھکے۔ "جیتے رہو' حیات بڑی ہو' دولت اقبال میں ترقی ہو" دولہا نواب رک گئے۔

"آج چھوٹے پاشا بڑی جلدی آپ کو باہر لے آئے"

"جی ہاؤ ذرا چھوٹے نواب کو چھاتی سے لگا لوں تو آرام ملتا ہے۔" دولہا نواب نے ٹھنڈی آہ بھر کے کہا۔

"جی بجا ارشاد-- وہ منصب کا بھی ابھی تک کچھ نہیں ہوا شاید" واحد حسین جانتے تھے کہ دولہا نواب کا سکون کیوں کھو گیا ہے۔

"کب ہوتا اللہ کو مالوم لوگاں بول رئیں کتے حضور کی سلور جوبلی کی خوشی میں سب کا منصب بڑھنے والا ہے۔"

"جی ۔انشاء اللہ ---" واحد حسین ہاتھ باندھے سر جھکائے کھڑے تھے کیونکہ

www.taemeernews.com

بزرگوں کے ساتھ بات کرنے کا یہی انداز تھا۔

"مگر اتنا منصب بڑھا تو کیا ہوتا میاں" دولہا نواب حقارت سے بولے۔

"بڑے بھائی صاحب کے محل میں چار بیگماں ہیں۔ چھ سات اور لونڈیاں چھوکریاں ہیں۔ اپنے محل میں دو بیگمات کے اخراجات ہیں جاگیر تو صرف ڈیڑھ ہزار روپے مہینے کی رہ گئی ہے۔ صاحبزادے کی بھی شادی ہو گئی۔ گھر میں داماد اور ان کے بال بچے ہیں آپ ہی بولو گزر بسر کیا ہوں گی۔۔۔"

"جی بجا ارشاد فرمائے حضت"۔

واحد حسین کی باتوں کے اختصار سے پریشان ہو کر دولہے نواب آگے بڑھ گئے تو واحد حسین کمر کے پیچھے ہاتھ باندھ کر ہری گھاس پر ننگے پاؤں ٹہلنے لگے۔ بھلا دولہا نواب کے باپ دادا نے یوں آمدنی اور خرچ کے بارے میں غور کیا ہوگا' اس نئے انگریز ریزیڈنٹ نے تو ناکوں چنے چبوا دیئے۔ جاگیرداوں کی ساری جمع و خرچ کا حساب کتاب دیکھنے کی فکر۔ ہر بات کی نگرانی' خرچ کوئی کرے فکر کسی کو۔۔۔ دولہے نواب کہتے تھے کہ ڈیوڑھیوں کی حرم سرایں تک چھان ڈالی تھیں ان اجاڑ صورت فرنگیوں نے۔

ڈر کے مارے اعلا حضرت کو "انسداد بے رحمی بر انسان" کا محکمہ قائم کرنا پڑا۔ جو گھروں اور ڈیوڑھیوں کے چھوکروں اور لونڈیوں کو باہر بلا کر پوچھتے تھے کہ ان پر کیا ظلم ہوا ہے۔ اب ان نوکر پیشہ لوگوں کی تو عادت ہوتی ہے چغل خوری کرنے کی۔ پیٹھ یا ہاتھوں پر کسی زخم کا نشان دیکھا اور ان لوگوں نے لاری میں لڑکی کو ڈال کر بحق سرکار ضبط کیا۔ اب لاکھ سر پٹکیے' کوئی شنوائی نہ ہوتی تھی۔ حالانکہ یہ چھوکریاں کوئی مفت میں آسمان سے نہ ٹپکتی تھیں باقاعدہ پیسے خرچ کرکے خریدی جاتیں۔ لیجئے اب کام کون کرے! تنخواہ دار نوکر رکھو تو ان کے ہزار نخرے۔ اپنی یہ قدر دیکھ کر اب تو کاما ئنیں تک اترائی اترائی پھرتیں۔ کیا مجال کہ کوئی اندھیرے اجالے ان کا ہاتھ تو پکڑ لے۔ دھیڑوں کی پوری پلٹن آجاتی ہائے واویلا مچانے۔

واحد حسین پھاٹک پر کھڑے دور تک پھیلے ہوئے بنگلوں کی قطاریں دیکھنے لگے۔ باہر

www.taemeernews.com

سے فقیروں کے پیوند لگے کپڑوں کی طرح پرانے بدشکل مکان اپنے اندر کیا کیا چھپائے ہوئے تھے۔ ہر مکان کے اندر کتنی کہانیاں ہوتی ہیں۔ آنسوؤں اور قہقہوں میں چھپی ہوئی باتیں۔ محرومیوں کی لمبی قطاریں۔

اکتا کر انہوں نے اپنے گھر کو دیکھا۔ یہاں انہوں نے کیسے سلیقے کا باغ لگایا تھا کہ سارے حیدر آباد میں ان کے باغ کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ ورنہ اس سے پہلے "ایوان غزل" صرف اپنے مکین شاعروں کی وجہ سے مشہور تھا۔ وہ لوگ چار پشتوں سے شاعری کرتے آئے تھے کیونکہ فکر سخن کے سوا اللہ نے انہیں اور کوئی فکر نہیں دی تھی "بیت الغزل" میں لگی ہوئی تصویروں میں وہ سب بڑے جاہ و جلال کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ لیکن واحد حسین جانتے تھے کہ یہ سب کے سب کتنے بودے عاشق تھے۔ اس ڈیوڑھی میں ہمیشہ مرنے جینے کا کھیل کھیلا گیا اور ایک کافرادا بت طناز نے یہاں ہمیشہ خدائی کی۔

اس گھر کو ایک نیا رنگ و روپ دے کر اسے چمنستان بنانے میں صرف واحد حسین کا ہاتھ تھا۔ اب اس ڈیوڑھی میں آپ کسی ساقی بہ جلوہ دشمن ایمان و آگہی کو ڈھونڈتے پھریں تو یہ سراسر حماقت ہوگی کیونکہ واحد حسین نے جس غنچہ دہن سے ایوان غزل کو سجایا تھا وہ اپنے کھچڑی بال منہ پر بکھیرے، اپنے نواسوں، پوتوں کے ننھے ننھے کپڑے سینے میں مشغول تھی۔ اس کے باوجود واحد حسین کے فراق کا یہ عالم تھا کہ ساتوں بیاضوں کے سارے ورق ہجر کی بے قراری اور فراق کی آگ سے جل رہے تھے۔ کیونکہ خود سر اور بے رحم ساقی انہیں پیالہ دیتا تھا نہ شراب۔ وہ ساری جوانی ایک موم کی گڑیا سے کھیلتے رہے، جسے اٹھاؤ تو آنکھیں کھول دیتی ہے لٹاؤ تو خوابوں میں کھو جاتی ہے۔

شاید یہی وجہ تھی کہ واحد حسین نے اپنی خاندانی روایتوں کے خلاف ایک ہی بیوی پر اکتفا کرلیا۔ اور اپنے گھر میں نئے نئے پھول کھلانے میں مصروف ہوگئے۔ ان کے باغ میں ہر ہر شاخ سلیقے سے جھکی ہوتی تھی۔ ہر پھول مہذب انسانوں کی طرح مسکراتا تھا کیا مجال کہ گھاس پر بچھا ہوا ایک تنکہ بھی ڈسپلن کو توڑ سکے۔ ان پودوں کے ساتھ واحد حسین وہی سلوک کرتے تھے جو انہوں نے تحصیلداری کے زمانے میں ماتحتوں کے ساتھ

www.taemeernews.com

کیا تھا

کبھی کبھی راشد ہنس کر کہتا۔

"ابا جان تو سارے باغ کو مارچ پاسٹ کرواتے ہیں۔"

اپنے اکلوتے بیٹے کی یہ بات واحد حسین کو بہت اچھی لگی تھی۔ ویسے انہیں راشد کی ہر بات اچھی لگتی تھی۔ راشد کی پیدائش کے بعد ہی ان کے جنون کو قرار سا آگیا تھا اور انہوں نے بی بی کی خودسری سے اپنا دھیان ہٹا لیا تھا۔

کاش راشد اپنے دادا کے زمانے میں پیدا ہوتا تو اس کی قابلیت کو سراہا جاتا۔ کم سے کم صوبہ داری تک تو پہنچ جاتا' جاگیر اور خطاب ملتا' یہ دن تھوڑی دیکھنا پڑتے کہ نزاکت جنگ کا پوتا انجینئری پڑھ کر پانچ سو روپے کما رہا ہے۔ دن دن بھر مزدوروں کے ساتھ چھتری لگائے دھوپ میں کھڑا ہے۔ دوروں پر گھوم رہا ہے۔ ویسے یہ بات نہیں تھی کہ سرکار نے راشد کی قابلیت کو بالکل ہی نظرانداز کردیا ہو عثمانیہ یونیورسٹی کی بلڈنگ بنانے سے پہلے اسے گورنمنٹ نے اپنے خرچ پر ولایت بھیجا تھا کہ وہاں کی اچھی بلڈنگوں کو دیکھ کر آئے۔

خیر یوں بھی راشد اور اس کی اولاد کی واحد حسین کو زیادہ فکر نہ تھی کیونکہ ان کے چھوٹے بھائی احمد حسین کی شادی مناصب جنگ کی اکلوتی پوتی اجالا بیگم سے ہوئی تھی اور اجالا بیگم نے تیس برس گزرنے کے باوجود احمد حسین کی ڈیوڑھی میں اپنے وجود سے کوئی چراغ نہیں جلایا تھا۔ اس لئے واحد حسین کو قرض کی دیمک چاٹتی ہوئی اپنی جائیداد کی کوئی پروا نہیں تھی۔ اپنی رہی سہی پونجی انہوں نے دونوں بیٹیوں بشیر بیگم اور بتول بیگم کی شادی میں خرچ کرڈالی تھی۔ اب ہر سال "ایوان غزل" پر قرقی کا نوٹس آتا اور وہ کچھ نہ کچھ گڑبڑ کرکے ٹال دیتے تھے۔

یوں دیکھئے تو اس وقت زندگی بڑی پرسکون تھی۔ موسیٰ ندی کے کنارے کنارے شہر میں پھیل ہوئی بے چینی کی لہریں ڈیوڑھیوں سے بہت دور تھیں۔ حضور کی ہتھنی کے بیاہ میں سارا شہر خوشیاں مناتا تھا' کیونکہ سرکار کی ناراضگی قہرالٰہی سے کم نہ تھی۔ طاعون

www.taemeernews.com

اور چیچک کی وبائیں پھوٹتیں تو کالی ماتا کی ناراضگی کے ساتھ بندگان عالی کی خفگی بھی شامل ہوتی تھی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب انگریز سر پر ڈنڈا لیئے کھڑا تھا اور اس ڈنڈے کا رخ سب سے پہلے والیان ریاست کی جانب موڑ دیا جاتا تھا کہ یہاں سے عموماً بغاوت کے چھوٹے چھوٹے فتنے سر اٹھایا کرتے ہیں عوام بہت نیچے اور دبے ہوئے تھے اور اوپر سے بالکل نظر نہ آتے تھے۔

"ایوان غزل" کے وسیع ہال میں آرام کرسی پر آنکھیں بند کئے واحد حسین لیٹے تھے۔ ان کے سامنے بیچ والے دروازے کے اوپر قطب شاہ کا بڑا سا رنگین فوٹو لگا ہوا تھا۔ کمرے میں اور لوگ بھی بیٹھے تھے مگر سب گم سم تھے اور ریڈیو پر اچاریہ کرپلانی' لیاقت علی خاں' پنڈت نہرو اور جناح کی وہ تقریریں سن رہے تھے جو ہندوستان کے چالیس کروڑ عوام کی قسمت کا فیصلہ کر رہی تھیں۔

واحد حسین نے آنکھیں کھول کر اوپر لگے ہوئے قلی قطب شاہ کے فوٹو کو دیکھا اور اس کے مقابل سنہرے فریم میں لگا ہوا قد آدم فوٹو عثمان علی خاں کا تھا اور سلطنت آصفیہ کو ایک کتاب کی طرح سینے سے لگائے کھڑے تھے۔ واحد حسین نے دیکھا قلی قطب شاہ کی آنکھوں میں بڑا سکون تھا جیسے اقلیم سخن کا یہ شہنشاہ بڑے اطمینان سے بیٹھا کسی غزل کی تلاش میں ہو یا ممکن ہے وہ کہہ رہے ہوں کہ کس طرح اس نے گول کنڈے کے اوپر کھڑے ہو کر چاروں طرف پھیلے ہوئے جنگل میں ایک حسین شہر کے خواب دیکھے اور پھر موسیٰ ندی کے آس پاس اس نے اپنے اس خواب کے جال بننا شروع کر دیئے۔ اس نے ایک باغ کی طرح بھاگ متی کے رہنے کے لئے ایک شہر بسایا۔ اس میں کنول کے پھولوں کی طرح جگہ جگہ خوبصورت عمارتیں بنوائیں' جن میں تہذیب و ثقافت کے چراغ جل رہے تھے' اردو کی کونپلیں پھوٹ رہی تھیں اور دیئے سے دیئے روشن ہوتے جاتے تھے۔ یا ممکن ہے کہ وہ اپنی کسی محبوبہ سے کہہ رہا ہو کہ جلدی سے اٹھ کر جشن طرب منعقد کرو کیونکہ وقت کم ہے۔ ادھر' چند صدیوں کی پہاڑیوں کے پیچھے سے وقت کے

www.taemeernews.com

قافلے بڑھتے چلے آرہے ہیں۔ کچھ دیر بعد لٹیرے یہاں ٹوٹ پڑیں گے اور پھر گول کنڈے کے ملبے تلے لوگ ہماری کہانیاں ڈھونڈنے آئیں گے اور ہماری عظمت کے گرے پڑے ذروں کو نایاب ہیرا سمجھ کر لے جائیں گے۔ پھر یہ ہیرا کسی ملکہ کے تاج پر جگمگا کر ہمیشہ وہاں سورج کی روشنی قائم رکھے گا۔

یہ سوچ کر واحد حسین کو بڑا اطمینان ہوا کہ اس کمرے میں اب عثمان علی خاں پورے جاہ و جلال کے ساتھ موجود ہیں۔ قلی قطب شاہ خواہ مخواہ اندیشوں میں مبتلا ہیں لٹیروں کا قافلہ اب یہاں سے بہت دور چلا گیا ہے سینکڑوں میل دور' دہلی پھر ایک بار اپنا چولا بدل رہی تھی

اور اس کے دھڑکے ہوئے دل کی آواز ریڈیو ہر طرف پھیلا رہا تھا صوفے پر نیم دراز آنکھیں بند کئے ہوئے واحد حسین نے سوچا کہ اب وقت آگیا ہے کہ ہمارے اوپر کسی ریذیڈنٹ کی مرضی نہیں چلے گی اب سلطنت آصفیہ اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرلے گی جانے دہلی کا شہنشاہ اب کون ہوگا نہرو یا گاندھی۔ اور شہنشاہ کا لباس تو یقیناً وہی رام اور کرشن والا ہوگا ہی۔ تخت طاؤس آگرے سے اٹھا لائیں گے۔ شاید نہرو بھی اکبر اعظم کے نقش قدم پر چلیں' لیکن سردار پٹیل تو رام راجیہ کے قائل تھے۔ اللہ کی شان پورے ایک ہزار سال بعد پھر آریاؤں کا زمانہ لوٹ رہا تھا کوروں اور پانڈوں میں قسمت آزمائی تھی جانے کس کی جیت ہوگی۔

واحد حسین تو چاہتے تھے کہ کسی طرح اعلیٰ حضرت اس وقت دہلی پر چڑھائی کرکے پورے ہندوستان کی باگ ڈور سنبھال لیں اور ہر جگہ خاندان آصفیہ کا بول بالا ہوجائے۔

بس یہی ایک راستہ تھا جس میں واحد حسین کی عزت و دولت اور ان کے خاندان کا وقار محفوظ ہوسکتا تھا۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ وہ جب بھی اس بات کا ذکر کرتے راشد جھنجھلا جاتا "آپ چپ بیٹھ کر تماشا دیکھو ابا جان"

"تو اس طرح ہم سب کا خاتمہ بالخیر ہوگا۔"

"ایوان غزل میں بیٹھا راشد کسی سے بحث میں مصروف تھا۔"

www.taemeernews.com

"اجی راجہ! آپ کا کیا ہے چت بھی اپنی پٹ بھی اپنی۔"

جاگیریں گئیں تو حکومت کوئی بڑا عہدہ دیدے گی۔ اب آپ دہلی فوراً" جائیں، سنا ہے وہاں منسٹریاں بٹ رہی ہیں۔

"کیا لگاتے راشد نواب" ملشم نے بیزاری سے کہا۔

"اجی حضت آپ بڑے آدمیوں کا کیا ہے جاگیریں جائیں گی تو بڑے عہدے مل جائیں گے، مصیبت تو ہم پنچ ذات کے ہندوؤں کی ہے سنا ہے دہلی میں تو رام راجیہ قائم ہوگا۔ ملشم بڑی اداسی کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

"اجی نہیں، اب تو آپ ہی کا راج ہوگا۔" راشد نے بڑے طنز کے ساتھ کہا۔

"نہرو تو سوشلزم کے قائل ہیں۔ مذہب وزہب سب ختم مہتر چمار مسلمان، برہمن سب ایک ذات کہلائیں گے۔"

اندر دالان میں کرسی پر لیٹے ہوئے واحد حسین ارشد کی باتیں سن رہے تھے۔ ان کے کانوں میں دل دھڑک رہا تھا اور بلڈ پریشر اچانک ہائی ہو چکا تھا۔

"جایئے جناب! اب آپ سب دہلی تشریف لے جایئے" راشد ملشم سے کہہ رہا تھا۔ آپ کے ساتھ سلطنت آصفیہ میں انصاف نہیں ہوا اب آپ دہلی کے دربار میں نورتنوں میں شامل ہوں گے۔ اب ہم بھی اپنی ایک خودمختار حکومت بنائیں گے جس میں دخل دینے کا حق کسی انگریز کے بچے کو نہیں ہوگا۔

واحد حسین مسکرا پڑے جیسے سچ مچ ان کے بیٹے نے سلطنت آصفیہ کا تاج اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا ہو۔

www.taemeernews.com

سقوط کے دن، سقوط کی راتیں

ابراہیم جلیس

ابراہیم حسین، جو ادب و صحافت کی دنیا میں ابراہیم جلیس کے نام سے مشہور ہوئے۔ ۱۹۲۴ء میں گلبرگہ میں پیدا ہوئے۔ ایک افسانہ نویس اور طنز نگار کی حیثیت سے اپنے عہد میں ایک ممتاز مقام پر فائز رہے۔ ابتداء میں ترقی پسند ادبی تحریک سے وابستہ ہوئے، پھر ۱۹۴۸ء میں "مجلس اتحاد المسلمین" سے قریب ہو گئے۔ لیکن فوجی حملے کے فوری بعد پاکستان چلے گئے۔ اس بحرانی اور ہیجانی دور کی روداد انہوں نے "دو ملک، ایک کہانی" کے عنوان سے لکھی، جو بھارتی حملے سے قبل، دوران اور فوری بعد کے حقائق پر مبنی ہے۔ اسے پہلی بار حیدر آباد کے حلقۂ علم و ادب نے ۱۹۴۸ء میں شائع کیا۔

پاکستان میں وہ مختلف صحافتی جرائد سے منسلک رہے۔ اکتوبر ۱۹۷۷ء میں انتقال کیا۔

www.taemeernews.com

فوجی کارروائی کی داستان

ابراہیم جلیس

عابد روڈ دلہن بنی ہوئی تھی۔

بجلی محل بشیر باغ سے نظامس جنرل پوسٹ آفس تک بجلی کے ہزاروں رنگ برنگے قمقمے روشن تھے بیچلرس کوارٹر معظم جاہی مارکیٹ کی چھت پر کھڑے ہوکر دیکھنے سے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے آسمان سے ٹوٹے ہوئے سارے ستاروں کا ڈھیر عابد روڈ پر جمع ہوگیا ہے۔

عیدوں اور تہواروں کے اس دیس میں ایک نئی عید اور ایک نئے تہوار کا اضافہ ہوا تھا۔ جو ساری عیدوں اور تہواروں سے زیادہ چمکیلی زیادہ رنگیلی اور زیادہ پیاری تھی۔ ۱۴ اگست ۴۷ء پہلے ۱۴ اگست ہر سال آتی تھی مگر دبے پاؤں اندھیرے میں چپ چاپ گذر جاتی تھی۔ پہلے ۱۴ اگست ایک معمولی دن کا نام تھا، مگر ۱۹۴۷ء کے بطن سے جنم لے کر ۱۴ اگست ملک کی تاریخ کا پہلا صفحہ بن گئی تھی۔

لوگ باگ جگمگاتی سڑکوں پر مشہور ہوٹلوں میں آراستہ پیراستہ دوکانوں میں صرف یہ دیکھنے کے لئے جمع ہوئے تھے کہ ایک غلام ملک کی زمین پر برسوں کے بعد آزادی آئی ہے مگر آزادی کہیں نہیں تھی۔ اجالا ہی اجالا اور روشنی ہی روشنی تھی---اور دراصل اجالا ہی آزادی ہے۔ڈیڑھ سو سال تک ہمارا بدنصیب وطن غلامی اور تیرہ بختی کے اندھیرے میں اندھے کی طرح راستہ ٹٹولتا رہا۔ اس اندھیرے میں گورے قزاق اور سفید چمڑی والے ڈاکو اسے قدم قدم پر لوٹ رہے تھے۔ اس کا سیدھا راستہ تک چرا چکے تھے اس کی منزل پر بھی ناجائز قبضہ کئے بیٹھے تھے مگر جلیانوالہ باغ سے 'کانگریس ہاؤس

www.taemeernews.com

سے، مسلم لیگ آفس سے کمیونسٹ پارٹی ہیڈکوارٹرس کی بلڈنگ سے وطن کے جو بہادر جیالے بیٹے باہر نکلے تھے انہوں نے گورے ڈاکوؤں کا ہر جگہ بڑی دلیری سے مقابلہ کیا۔ انہوں نے اپنے لہو سے رات کی سیاہی دھونی شروع کی۔ اپنی ہڈیوں سے اندھیرے کو کھرچنا شروع کردیا۔ اپنے چہروں کی چمک اور درخشندگی دے کر ایک نیا سورج بنایا ---- جو ۱۴ اگست ۴۷ء کو افق ہمالہ سے طلوع ہوا جس کی تمازت کی تاب نہ لاکر ٹھنڈے ملکوں کے گورے قزاق سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے لگے۔

ہندوستان آزاد ہوا

پاکستان وجود میں آیا

اور حیدر آباد ----؟

عابد روڈ پر "آزاد حیدر آباد زندہ باد" ---- "ہر مجسٹی شاہ عثمان زندہ باد" کے نعروں سے سارا حیدر آباد گونج رہا تھا۔

حیدر آباد بھی آزاد ہوگیا تھا۔ کیونکہ ہر مجسٹی جارج ششم نے بمراحم خسروانہ حیدر آباد کو بھی آزاد قرار دیا تھا اور دکن ریڈیو سے ابراہیم جلیس ایک تقریر نشر کررہا تھا۔ تکونے دیس کی تین مملکتیں --- حیدر آبادی مسلمان بہت خوش تھے کہ حیدر آباد بھی آزاد ہوگیا۔ حیدر آبادی ہندو دلگیر تھے کہ حیدر آباد راشٹریہ بھارت سے کیوں الگ کردیا گیا۔ حیدر آبادی کمیونسٹ کہہ رہے تھے کہ یہ کیسی آزادی ہے جس کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے گئے ہیں' جو لہولہان ہے زخمی ہے۔ یہ ماؤنٹ بیٹن پلان ہماری ساٹھ سالہ محبت سے پروان چڑھی عروس آزادی کی موت کا پروانہ ہے جان بل نے حیدر آباد کو' جوناگڑھ کو ٹراونکور کو اسی لئے آزاد چھوڑ دیا ہے کہ گورے قزاقوں اور سمندر پار کے ڈاکوؤں کو چھپنے کے لئے کمیں گاہیں مل جائیں۔ حیدر آباد آزاد نہیں ہوا بلکہ آزاد سرزمین پر سامراجی ڈاکوؤں کا ایک قلعہ تعمیر ہوا ہے۔

ہز مجسٹی یا روفادار

جب چالیس کروڑ انسان ڈیڑھ سو سالہ اندھیرے سے آزادی کے اجالے میں آئے

www.taemeernews.com

تو جان بل گھبرا گیا اس نے ماؤنٹ بیٹن کو آنکھ ماری۔ اور ماؤنٹ بیٹن نے چالیس کروڑ انسانوں کی آنکھوں میں دھول جھونک دی اور بھاگنے لگا۔ چالیس کروڑ انسانوں نے دیکھا کہ انگریز بھاگ رہا ہے۔ حالانکہ یہ محض شعبدہ تھا انگریز نہیں بھاگا بلکہ اس کی پرچھائیں بھاگی ---- انگریز تو حیدر آباد میں کشمیر میں' جونا گڑھ میں' اور پھر دہلی اور کراچی' کلکتہ' اور ڈھاکہ' لاہور اور بمبئی' پشاور اور مدراس کے اونچے اونچے محلوں' بڑی بڑی بلڈنگوں میں چھپ گیا تھا۔ ہندوستان اور پاکستان کے برلاؤں' ٹاٹاؤں' ڈالمیاؤں' اصفہانیوں' ممدوٹوں اور دولتانوں نے اسے اپنے محلوں میں پناہ دی تھی۔ چھپا لیا تھا--- اور جو ماؤنٹ بیٹن باہر رہ گیا اس نے سر پر گاندھی ٹوپی پہن لی تھی اور ماتھے پر تلک لگالیا تھا اور گورنر جنرل ہو گیا تھا۔ انگریز اس طرح سے اس ملک سے گیا کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن' پنڈت ماؤنٹ بیٹن ہو گیا تھا۔

پنڈت ماؤنٹ بیٹن کی جے

قائداعظم محمد علی جناح زندہ باد

ہز مجسٹی شاہ عثمان-----؟

عابد روڈ معاً "پولیس کی سیٹیوں سے گونجنے لگی۔ لوگ باگ سڑکوں سے ہٹ کر فٹ پاتھ پر دو رویہ چپ چاپ ساکت و صامت کھڑے ہو گئے کیونکہ کنگ کوٹھی سے اعلیٰ حضرت جلالت الملک میر عثمان علی خاں روانہ ہو چکے تھے اور مکہ مسجد تشریف لے جا رہے تھے کہ شکرانہ کی نماز ادا کریں----- کیونکہ کل تک وہ "ہز اگزالٹیڈ ہائی نس" تھے اور آج یک بیک "ہز مجسٹی" بن گئے تھے۔

عابد روڈ پر موت کا سکوت طاری ہو گیا جیسے حضور نظام کی سواری نہیں آ رہی ہو بلکہ موت کی سواری آ رہی ہو۔

اچانک ایک کالی موٹر کار جو شاید رولس رائس تھی سڑک پر رانگ سائڈ فراٹے بھرتی آئی۔ بادشاہ اور شہنشاہ بالعموم رانگ سائڈ ہی چلتے ہیں' بادشاہ اور شہنشاہ کا اس سائڈ پر چلنا شاہی توہین ہے۔ لوگوں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنے "محبوب" بادشاہ کو

www.taemeernews.com

دیکھا جو ہز مجسٹی ہونے کے باوجود بغیر پھندنے کی سیاہ میلی ٹوپی اور سیاہ اچکن پہنے۔ سیاہی کا مجسمہ بنے ایک لمحہ کے لئے نظروں کے آگے آیا اور سیاہی بکھیرتا ہوا اوجھل ہوگیا ایک شاہ پرست بوڑھے نے زیارت شاہ سے مسرور ہوکر ایک شعر باآواز بلند پڑھ دیا۔

عثمان غنی سے وہ ہر بات میں ملتے ہیں

دربار رئیسانہ اطوار فقیرانہ

اس وقت میر حسن اینڈ سنز کی دوکان کے پاس ایک بوڑھا کتا بھی بھونک رہا تھا آدھے گھنٹے کے بعد پولیس کی پھرسیٹیاں سنائی دینے لگیں جیسے خطرے کا الارم بجتا ہو۔ خطرہ آرہا تھا سواری شاہانہ مکہ مسجد سے واپس ہورہی تھی نظامس جنرل پوسٹ آفس کے سامنے بیچ سڑک پر بجلی کے قمقموں اور ہنڈوں کا ایک شجر بنایا گیا تھا جس میں بجلی کے چھوٹے چھوٹے بلب انگور کے خوشوں کی طرح لٹک رہے تھے اور اوپر بجلی کے قمقموں سے حروف بنائے گئے تھے۔ ہز مجسٹی شاہ عثمان زندہ باد۔

یہاں پر مجاہد اعظم سید قاسم رضوی مجلس اتحاد المسلمین کے دیگر ذمہ دار لیڈر اور بڑے بڑے نواب اور جاگیردار' سرکاری عہدہ دار اور بڑے بڑے تاجر اور سوداگر دست بستہ کھڑے تھے کیونکہ یہاں شاہ عثمان کی سواری چند لمحوں کے لئے رکنے والی تھی۔ اور شاہ عثمان تاجران حیدرآباد کا جمع کردہ کیسہ زر بطور نذرانہ وصول کرنے والے تھے۔ نذرانے وصول کرنا حضور کی سب سے بڑی ہابی ہے۔ وہ جس آدمی کو بھی اپنی بارگاہ میں باریاب کرتے ہیں اسے کم از کم حضور کی خدمت میں ایک سونے کی اشرفی ضرور بطور نذرانہ گزارنا پڑتی ہے۔ اور حضور اقدس نے اس طرح اتنی دولت اکٹھی کی ہے کہ وہ دنیا کے چار امیر ترین انسانوں میں سے ایک ہیں۔ سنا ہے کہ وہ اپنی دولت موٹر گراج میں رکھتے ہیں۔

مرکب شاہانہ جوں ہی رکی مجاہد اعظم اور سب لوگ حالت رکوع میں شاہی سلام بجا لائے۔ حضور پرنور نے کرخت اور بھونڈی آواز میں پوچھا "قاسم ---- تو اچھا ہے----"

www.taemeernews.com

مجمع میں شاہی فوٹو گرافر بھی تھے جو پہلے حضور والا کے آگے جھک کر فرشی سلام بجا لاتے تھے اور شبیہ مبارک کی تصویر کھینچنے کی عزت حاصل کرتے۔

عابد روڈ کے سب سے بڑے تاجر نے جھک کر بڑے ادب سے کیسہ زر حضور اقدس کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور نے اس پر ہاتھ رکھا اور حضور کے پیشی کے چپراسی نے وہ کیسہ زر اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اس کے بعد حضور نظام کی کار تیزی سے فراٹے بھرتی چلی گئی۔ مجمع نعرے لگانے لگا: ہز مجسٹی شاہ عثمان زندہ باد۔

اس طرح بجلی کے قمقموں سے بنائے ہوئے حروف نے حیدر آباد کے تاجروں اور حیدر آباد کی جاہل رعایا نے آن کی آن میں شاہ عثمان کو "ہز مجسٹی" بنا دیا تھا۔ مجاہد اعظم قاسم رضوی نے حیدر آباد ریڈیو سے تقریر کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت اور شہزادگان اور شہزادیوں کی درازی عمر و اقبال کی دعا کی اور باشندگان ریاست حیدر آباد کو مبارک باد دی کہ آج ہم انگریزی اور برہمنی اقتدار سے بالکل آزاد ہو چکے ہیں۔ حیدر آباد پر پھر رات بڑھتی جا رہی تھی اور دکن ریڈیو سے "ترانہ دکن" بج رہا تھا۔

تا ابد خالق عالم یہ ریاست رکھے
تجھ کو عثماں بصد اجلال سلامت رکھے۔

جنوبی پاکستان

بڑھتی ہوئی رات کو اور طول دینے اور عثمان کو بصد اجلال تا ابد قائم رکھنے کے لئے لندن میں ٹوڈی اخبار "مانچسٹر گارجین" نے ایک اداریہ تحریر کیا "مشہور جنگ باز لیڈر مسٹر ونسٹن چرچل نے پارلیمنٹ میں سگار کا دھواں اڑاتے ہوئے حیدر آباد کی آزادی اور خود مختاری کی پر زور حمایت کی۔ ملک معظم کی حکومت نے سر والٹر مانکٹن جیسے نیک نام سامراجی گرگ کو حضور نظام کا مشیر قانونی مقرر فرمایا اور حیدر آباد بھیج دیا۔" حضور نظام کے حوصلے بڑھ گئے۔ آخر کو حضور نظام ملک معظم کے "یار وفادار" تھے ان کے آباؤ اجداد نے اپنی حکومت قائم رکھنے کے لئے ایک غیر سامراج کے قدم اپنے وطن کی

www.taemeernews.com

زمین پر مضبوط کئے تھے تو پھر حضور نظام ایسے آڑے وقت میں جب کہ ہندوستانی محبان وطن ان کے کرم فرما اور محسن کو ہندوستان سے بھگا رہے تھے۔ کیسے مدد نہ کرتے حق نمک کیوں نہ ادا کرتے۔ وفاداری کی آزمائش کا وقت آگیا تھا۔ شیر دل ٹیپو نے ایک بار پھر انگریزوں کا ٹینٹوا پکڑ لیا تھا اور حضور نظام نے بہ پاس وضعداری روایات خاندان آصفیہ کے تحفظ کی خاطر سرنگا پٹم کی کمان کے بیچوں بیچ ہندوستان کو دوسری بار گرا دیا۔

۱۸ر اگست کی صبح رہبر دکن' میزان' صبح دکن' پیام' نظام گزٹ اور دوسرے سارے مقامی اخبارات کے پہلے صفحہ پر حضرت اقدس حضور نظام کے فرمان مبارک شائع ہوئے۔

"بحمد اللہ حیدر آباد اب بالکل آزاد و خود مختار ہے میں اپنی حکومت کو نہ ہندوستان میں شامل کرنا چاہتا ہوں اور نہ پاکستان میں ---- بلکہ میں ہندوستان اور پاکستان دونوں مملکتوں سے باعزت طور پر دوستانہ اور حلیفانہ تعلقات رکھنا چاہتا ہوں"۔

لیکن حضور نظام کی رعایا نے ذہنی طور پر حیدر آباد کو بھی تقسیم کر ڈالا تھا۔ ریاست کے ۲۵ لاکھ مسلمانوں نے حیدر آباد کو پاکستان میں شامل کردیا تھا اور ایک کروڑ پچاس لاکھ غیر مسلم رعایا نے حیدر آباد کو ہندوستان میں شریک کرلیا تھا۔ لیکن چونکہ مسلمان ریاست کا حکمراں طبقہ تھے اس لئے حیدر آباد بظاہر پاکستان ہی نظر آتا تھا۔ بلکہ بعض حیدر آبادی تاجروں نے اپنی اپنی دوکانوں کے اشتہارات رہبر دکن' میزان اور نظام گزٹ میں یوں شائع کرائے تھے۔

جنوبی پاکستان کی ساری مصنوعات کے لئے ہماری خدمات حاصل کیجئے حاجی دادا جنرل مرچنٹس پتھر گٹی حیدر آباد۔

حیدر آباد جنوبی پاکستان ایسے ہی بن گیا تھا جس طرح وہ آزاد و خود مختار ہوگیا تھا۔ جس طرح حضرت شیخ چلی نے بغداد کے بازار میں شیشے کے برتن بیچتے بیچتے بادشاہ کی لڑکی سے شادی کرلی تھی۔

حیدر آباد میں بھی ہندوستان اور پاکستان کی طرح انتظام سلطنت نئے انداز میں

www.taemeernews.com

شروع ہوا۔ حکومت میں مسلمانوں کا بڑا زور تھا۔ مجلس اتحاد المسلمین کی رہنمائی میں مسلمانوں کی ایک عسکری تنظیم چل نکلی تھی جس کے رہنما مجاہد اعظم سید قاسم رضوی صدر مجلس اتحاد المسلمین تھے مجاہد اعظم نہ صرف اتحاد المسلمین کے صدر تھے بلکہ حکومت حیدر آباد تھے۔ حضور نظام صرف افیم کھایا کرتے تھے۔ فارسی اشعار لکھا کرتے تھے۔ ہر شام اپنی والدہ کے مزار پر فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی فرمان مبارک جاری کرتے تھے۔ فرمان جو کثرت اشاعت سے واجب التعظیم زیادہ اور واجب التعمیل کم تھے۔ حکومت کی ساری باگ ڈور مجاہد اعظم کے ہاتھ میں تھی۔

اب وزارت عظمیٰ کا مسئلہ درپیش تھا۔ نواب صاحب چھتاری کے تشریف لے جانے کے بعد وزرات عظمیٰ کی کرسی خالی تھی اور کوئی اس کرسی پر بیٹھنے کی جرات نہیں کرتا تھا کیونکہ سب کے سامنے نواب صاحب چھتاری کھڑا ان کے قدم روک رہا تھا۔۔۔ کیونکہ مجاہدان حیدر آباد نے ایک بار انہی نواب صاحب چھتاری کی مونچھیں پکڑ کر (واللہ اعلم بالصواب) مارا پیٹا تھا کیونکہ مجاہدین کا خیال تھا کہ نظام آباد کی مسجد ڈچ پلی کو شہید کر کے گرجا بنا دینے میں نواب صاحب چھتاری وزیر مال آنریبل ڈبلیو گر گسن اور کلیسائے ڈچ پلی کے بڑے پادری کے ساتھ سازش میں شریک تھے۔ اس کے بعد پھر نواب صاحب موصوف نے محض حضور نظام سے والہانہ عقیدت کے باعث دوبارہ صدارت عظمیٰ قبول فرمائی تھی لیکن بعد میں مسلم عوام کو پتہ چلا کہ وزیر اعظم بہادر ہندو نواز ہیں اور وہ حیدر آباد کو حکومت ہندوستان کا غلام بنانا چاہتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کی ساری جائیداد علی گڑھ میں تھی اور وہ خود ہندوستانی حکومت میں اعلیٰ عہدہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ایک رات وہ چپ چاپ دہلی جانے والے تھے نظام حیدر آباد نے ان کے کان میں سرگوشی کی تھی اور مجاہد اعظم کی عقابی نظروں نے کنگ کوٹھی مبارک کی دیواروں کو چھید کر اس سرگوشی کا منظر دیکھ لیا تھا۔ افواہ مشہور تھی کہ دہلی سے سر سلطان احمد بھی "کچھ" لے کر آئے تھے اور "بہت کچھ" لے جا رہے تھے۔

رات کے چار بجے جب نواب صاحب چھتاری کا چارٹرڈ ہوائی جہاز بیگم پیٹھ کے

www.taemeernews.com

ہوائی اڈے سے اڑنے ہی والا تھا کہ مجاہد اعظم کی آواز حیدر آباد کی فضاؤں میں گونجی۔

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

مجاہد اعظم کے جانثار گہری نیند سے جاگ پڑے۔ دارالسلام میں جمع ہوئے۔ سڑکوں پر پھیل گئے اور پھر بیگم پیٹھ کے ہوائی اڈے کا محاصرہ کرلیا۔

نواب صاحب چھتاری کا ہوائی جہاز نہ اڑ سکا۔ سازش پرواز نہ کرسکی مجاہد اعظم جیت گئے۔ نواب صاحب چھتاری ہمیشہ کے لئے حیدر آباد سے چلے گئے۔

پرمٹ گورنمنٹ

وزارت عظمیٰ کی خالی کرسی اخباروں اور ہوٹلوں کا موضوع بن گئی تھی۔ "سر مرزا اسماعیل آرہا ہے۔"

"وہ نہیں آسکتا وہ ہندو نواز ہے۔"

"علی یاور جنگ وزیر اعظم بنے گا۔"

"وہ بھی کانگریسی ہے۔"

"دیکھو جناح صاب کیا حکم دیتے ہیں۔"

لوگ کراچی کی طرف نظریں جمائے دیکھ رہے تھے۔۔۔ افواہ اڑی "میر لائق علی آرہے ہیں۔"

جناح صاحب نے میر لائق علی کو حکم دیا ہے کہ وہ امریکہ سے فوراً" حیدر آباد پہنچ جائیں۔"

افواہ کی تصدیق ہوگئی اور سرکاری توثیق بھی ہوگئی۔ میر لائق علی وزیر اعظم بن گئے۔ مسلمان بیحد خوش ہوگئے۔ میر لائق حیدر آباد کے "راک فیلر" تھے۔ کروڑپتی تھے اور عام کروڑپتیوں کی طرح بڑے اللہ والے بھی تھے۔ ان کے بارے میں مشہور تھا کہ جب بھی یہ اپنے محل سے باہر نکلتے تھے تو برآمدے کے دو ستونوں پر شہادت کی انگلی سے

www.taemeernews.com

ایک پر اللہ دوسرے پر محمدؐ لکھتے تھے۔ تب کہیں بر آمد ہوتے تھے۔

میر لائق علی کی حیدر آباد میں کئی فیکٹریاں تھیں "سرپور پیپر ملز" انہی کی تھی۔ "بودھن شوگر فیکٹری" انہی کی تھی اور کئی ملوں اور فیکٹریوں میں ان کے بڑے بڑے حصے تھے بلکہ سارا حیدر آباد ان کا تھا اور اب وہ وزیراعظم تھے۔ حضور نظام نے تازہ فرمان کے ذریعے انہیں اپنی وزارت تشکیل دینے کا حکم دے دیا۔ میر لائق علی نے حکومت حیدر آباد میں بسنے والی رعایا کے ہر طبقے کی جائز و ناجائز نمائندگی کے لئے ہندوؤں' لنگایتون اور اچھوتوں کو بھی دعوت دی۔

ہندوؤں' لنگایتوں اور اچھوتوں میں بھی بہت سے حضور نظام الملک آصف جاہ کے وفادار اور نمک حلال جاگیردار اور زمیندار تھے۔ چنانچہ راجہ پنگل وینکٹ راما ریڈی جو پہلے سے نائب وزیراعظم تھے اپنے عہدہ پر اس لئے باقی رہے کہ راجہ تھے۔ لنگایتوں کی جانب سے آنریبل مسٹر جوشی وزیر مقرر کئے گئے۔ پست اقوام اور اچھوتوں کی طرف سے عزت مآب بی ایس وینکٹ راؤ وزیر تعلیم مقرر ہوئے۔ بقیہ نشستوں پر اتحاد المسلمین کے لیڈروں نے قبضہ کرلیا۔ اس طرح جاگیردار' سرمایہ دار' اور مالدار ہندوؤں اور مسلمانوں کی ایک مشترکہ "عوامی وزارت" قائم ہوگئی۔ اور یہ عوامی حکومت مجاہد اعظم سید قاسم رضوی اور مجلس اتحاد المسلمین کے کلیتاً" قبضہ و اختیار میں تھی۔

عوامی وزارت کے تشکیل پاتے ہی حیدر آبادی عوام کو معلوم ہوگیا کہ اتحاد المسلمین کی لیڈری علاؤ الدین کا چراغ ہے جس نے دیکھتے ہی دیکھتے کل کے وکیلوں کو آج وزیر بنادیا تھا۔ اس عوامی وزارت کے چار وزیر پہلے معمولی وکیل ہی تھے مسٹر یامین زبیری' مسٹر عبدالرؤف' مسٹر عبدالرحیم' اور مسٹر اکرام اللہ یہ چاروں بیچارے وکیل ہی تھے لیکن آسمان سے بڑی زوردار قسمتیں لکھوا کے لائے تھے۔ کل تک وکالت چلتی نہیں تھی۔ اب دیکھتے ہی دیکھتے وزارت ---- ان میں ایک وزیر مسٹر عبدالرحیم کے ساتھ ابراہیم جلیس بھی ایک بار حیدر آباد سے تانڈور اسٹیشن تک ریل کے ایک تھرڈ کلاس کمپارٹمنٹ میں ہمسفر رہنے کی عزت حاصل کرچکا تھا۔ موصوف یا عزت مآب کسی

www.taemeernews.com

مقدمے کے سلسلے میں حیدر آباد سے تانڈور تشریف لے جارہے تھے لیکن اب وزیر موصوف کے محل کے آگے ایک "ہلمن" اور ایک اسٹڈی بیکر کھڑی تھی۔ اسٹڈی بیکر میں وزیر موصوف اضلاع کے دورے فرماتے تھے اور "ہلمن" میں وزیر موصوف کی بیگم صاحبہ اور صاحبزادگان تفریح فرماتے تھے۔

آنریبل مسٹر عبدالرؤف وزیر تعمیرات کیا ہوئے تھے کہ ان کے دس گیارہ سال کے عمر کے صاحبزادے دن بھر سرکاری کار ڈرائیو کرتے حیدر آباد کی سڑکوں پر گھوما کرتے تھے۔ ایک دن وہ کالج اسی لئے تشریف نہیں لے گئے کہ "کار" کچھ خراب ہو گئی تھی۔

سارے وزیر اپنے اپنے بوسیدہ وکالت خانوں کو کرائے پر اٹھا کر سرکاری محلوں میں منتقل ہو چکے تھے۔ صرف عزت مآب مولوی یامین زبیری نے اپنا گھر نہ چھوڑا اس لئے کہ وزیر ہر جا کہ بنشیند وزیر است۔ لیکن ان کے گھر بڑی چہل پہل تھی۔ باہر ملاقاتیوں' غرض مندوں اور خوشامدیوں کا ہجوم لگا رہتا تھا اور اندر اہل غرض حضرات کی بیبیاں بیگم صاحبہ سے ملاقات کی عزت حاصل کرنے تانتا باندھ دیتیں۔

بہرحال یہ تو ایک واقعہ ہے کہ لوگ باغ عام پبلک مقامات پر عوامی وزراء کے بارے میں ایسے ہی دلچسپ واقعات سنانے لگے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی حیدر آبادی عوام "جمہوریت" سے واقف نہیں تھے اور جمہوری حکومت کے اراکین کی عزت سے ناآشنائے محض تھے انہیں صرف یہی تکلیف تھی کہ وہ ایک معمولی وکیل کو وزیر بنا دیکھ ہی نہیں سکتے تھے۔ حالانکہ انگلستان میں ایک کسان کا بیٹا ریمزے میکڈانلڈ وزیر اعظم بن گیا تھا۔ مسولینی ایک لوہار کا بیٹا تھا۔ ہٹلر ایک کارپینٹر کا نور چشم تھا۔ جمہوریت کے ضمن میں میں نے مسولینی اور ہٹلر کا نام اسی لئے پیش کیا ہے کہ حیدر آباد میں بھی تقریباً وہی جمہوریت قائم ہوئی تھی جو جرمنی اور اٹلی میں حکمراں تھی۔

ان عوامی وزراء کے برسراقتدار آتے ہی عوامی وزراء کے بھائی بند' عزیز رشتہ دار' یار دوست' بڑے خوش ہو گئے بلکہ بعض لوگ خواہ مخواہ بغیر کسی رشتے کے ڈینگیں مارا کرتے تھے کہ فلاں وزیر میرے بھائی کا بہنوئی یا چچا کا خالو یا خالو کا ماموں وغیرہ وغیرہ

www.taemeernews.com

ہے۔ تمہیں اگر کوئی کام ہو تو بتاؤ۔ یوں چٹکیوں میں کرا دوں گا۔

خود عوامی وزراء نے پہلے اپنے بھائی بند' عزیز رشتہ داروں اور گہرے دوستوں کو ہر قسم کا عوامی فائدہ پہنچایا۔ عزت مآب یامین زبیری نے وزارت کا جائزہ لیتے ہی اپنے سگے چھوٹے بھائی تحسین زبیری کو جو میٹرک پاس بھی نہیں تھے کمرشل کارپوریشن میں ضلع کارپوریشن افسر بمشاہیرہ تین سو تا چھ سو مقرر کردیا۔

"اقربا پروری" اس زور شور سے شروع ہوئی کہ حکومت کی ساری بڑی کرسیوں پر کوئی عزت مآب عبدالروف کا' کوئی آنریبل عبدالرحیم کا' کوئی مولوی یامین زبیری کا عزیز ہے' رشتہ دار ہے' بھائی ہے' بھتیجہ ہے' بھانجا ہے' سالا ہے' داماد ہے' وغیرہ وغیرہ ہے۔

جن رشتہ داروں اور دوستوں کے لئے حکومت کی کرسیاں حاصل نہ کی جاسکیں ان کے لئے تجارت کا بازار گرم تھا۔ اسی لئے مجھ جیسے بد طینت لوگ اس عوامی حکومت کو پرمٹ گورنمنٹ کہنے لگے۔ پرمٹ بازی وہ چلی کہ میاں عبدالعزیز جو پہلے سرکاری راشن کی ایک دکان کے مالک تھے دیکھتے ہی دیکھتے "خاں صاحب میاں عبدالعزیز" بن بیٹھے' جو اب سرکاری محکموں میں کرایہ کی سائیکل پر نہیں بلکہ اپنی ذاتی کار میں تشریف لے جاتے تھے۔ بڑے بڑے افسروں کو بڑی بڑی رشوتیں دیتے تھے اور بڑے بڑے پرمٹ حاصل کرتے تھے اب نہ وہ ہلال اسلام ہوٹل کے مقروض تھے اور نہ عبدالنبی پان سگریٹ مرچنٹ ان سے اپنے پرانے قرض چار روپے تیرہ آنے کا مطالبہ کرتا تھا۔ بلکہ وہ بھی مونگ پھلی اور لال شکر کا پرمٹ بنانے کے لئے میاں عبدالعزیز کی خوشامدیں کیا کرتا تھا۔ کیونکہ میاں عبدالعزیز کے سہارے عوامی وزراء تک رسائی بہت آسان تھی۔

لوگ جوق در جوق اتحاد المسلمین کے قریب آنے لگے کیونکہ اتحاد المسلمین کے پاس حکومت کی کرسیاں تھیں' بزنس کے پرمٹ تھے۔ بیرونی ممالک کے سفر کے ٹکٹ تھے۔ راشن کی دوکانیں تھیں۔ کپڑے کی دوکانیں تھیں' کوٹھیاں تھیں' گودام تھے' فیکٹریاں تھیں' کھیت تھے۔۔۔ مجلس اتحاد المسلمین جو مسلمانوں کے اتحاد و تنظیم فلاح و

www.taemeernews.com

بہبود کے لئے قائم کی گئی تھی حرص و ہوس کی دکان بن کر رہ گئی تھی۔ لوگ "کچھ" بننے کی غرض سے پہلے مجلس کے لیڈر بن جاتے تھے اور اس لیڈر شپ کو حاصل کرنے کے لئے حتیٰ کہ محلہ واری لیڈر شپ حاصل کرنے کے لئے امیدوار ایک دوسرے کو جسمانی نقصان بھی پہنچاتے تھے کسی کے سامنے مذہب قوم ملک کچھ نہیں تھا سب کے سامنے اعزاز و مرتبہ تھا سب کے سامنے اپنی منفعت اور اپنی خوشحالی کے خواب تھے۔ لیڈر شپ کے لئے بھی سفارشیں اور رشوتیں چلتی تھیں لیڈر شپ کے لئے کسی خاص خصوصیت کی ضرورت نہیں تھی جو شخص ذرا بھی چلتا پرزہ ہے وہ لیڈر بن سکتا ہے جو ذرا بھی بے ایمان ہے وہ لیڈر بن جاتا تھا' بے ایمانی اور لیڈری' بے ایمانی اور وزارت --- عوامی حکومت کام کر رہی تھی۔ ایسے سب کام جنہیں کام کہنا کام جیسے قابل وقعت فعل کی توہین ہے۔

اس عوامی وزارت کے تشکیل پا جانے یا اس عوامی حکومت کے بر سر اقتدار آجانے کے بعد حیدر آباد بھی انگلستان کی طرح ایک ایسی جمہوری حکومت بن گیا تھا جہاں جمہوریت اقتدار شاہی کے زیر اثر ہوتی ہے حیدر آباد میں بھی انگلستان کی طرح شاہی جمہوریت یا امپریل ڈیموکریسی مسلط ہو گئی تھی۔ مجاہد اعظم تقریروں تحریروں میں صحافتی بیانات میں ریڈیو پر' پبلک جلسوں میں یہی کہتے تھے۔

اعلیٰ حضرت جلالت الملک ہمارے اقتدار اعلیٰ کے مظہر ہیں اور ہم اس اقتدار اعلیٰ کے زیر سایہ ایک آزاد اور پر امن زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ ہم حیدر آباد کے ہندو مسلمان اور پست اقوام پہلے حیدر آبادی ہیں بعد میں ہندوستانی یا پاکستانی۔ ہم حیدر آبادی ہندو' مسلمان' سکھ' عیسائی' پارسی اور اچھوت زیر سایہ عاطفت سلطنت آصفیہ سات سو سال سے برادرانہ امن و شانتی کی ندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہم ایک کروڑ چھپتر لاکھ حیدر آبادی اپنی اس ارضی جنت اور امن و تہذیب کے اس گہوارے کو ہندوستان اور پاکستان کے جہنم زاروں کے حوالے نہیں کرنا چاہتے---- آج جبکہ ہندوستان اور پاکستان کے ہر بڑے شہر کو فرقہ وارانہ فسادات نے آگ اور خون کا جہنم بنا رکھا ہے اس

www.taemeernews.com

ریاست ابد مدت میں ایک بھی فرقہ وارانہ فساد نہیں ہوا ہے۔ للہ الحمد کہ حیدر آباد کی پیشانی پر انسانی خون کا ایک چھینٹا بھی نہیں ہے---

زہر کے تاجر

مجاہد اعظم کا یہ دعویٰ ایک حد تک سچ بھی تھا۔ اس وقت جبکہ دہلی جل رہی تھی' امرتسر جل رہا تھا' لاہور جل رہا تھا' حیدر آباد واقعی ایک ارضی جنت بنا ہوا تھا۔ ہندوستان اور پاکستان میں فرقہ وارانہ فسادات نے اتنی شدت اختیار کرلی تھی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہندوستان اور پاکستان سے انسانیت کا جنازہ اٹھ چکا ہے اور تاریخ کے اندھیرے ادوار کے آدم خور حیوان جو انسان کی پیدائش سے ڈر کر پہاڑوں اور جنگلوں میں چھپ گئے تھے۔ اب پھر برسوں کے بعد باہر نکل آئے ہیں اور انسانی لاشوں کی دعوت اڑا رہے ہیں۔

فسادات کے دور میں حیدر آبادیوں کی تصویر کا ایک ہی رخ نظر آتا رہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حیدر آبادی خبروں کے لے صرف رہبر دکن' میزان' وقت اور نظام گزٹ کے محتاج تھے۔ یہ تینوں اخبار کٹر اور متعصب مسلمان سرمایہ داروں کے اخبار تھے۔ ان اخباروں میں صرف یہ خبریں شائع ہوتی تھیں کہ دہلی میں کتنے مسلمان مارے گئے امرتسر میں کتنی مسلمان عورتوں کے ننگے جلوس سربازار گشت کرائے گے' پٹیالہ' الور' اور گوالیار میں کتنے مسلمان شہید ہوئے۔ مشرقی پنجاب میں کتنے مسلمان مارے گئے۔

ان خبروں کی اشاعت سے نہ صرف اخبار ہزاروں کی تعداد میں فروخت ہوتے تھے بلکہ فرقہ پرستی اور تعصب کا زہر بھی حیدر آبادی مسلمان کے خون میں رستا بستا چلا جارہا تھا۔

یہ اخبارات اور ان کے سرمایہ دار ایڈیٹر محمود وحید الدین' عبدالرحمٰن رئیس' غلام محمد کلکتے والا (جو تجارتی غرض سے حیدر آبادی بن گیا تھا) اور وقار احمد یہ دراصل زہر کے تاجر تھے جنھوں نے فرقہ پرستی کا زہر بیچ کر لاکھوں روپیہ کمایا۔

www.taemeernews.com

ان اخبارات نے شمالی ہندوستان کے "ہندو" اور "سکھ" کو ایسی بھیانک شکل میں پیش کیا کہ حیدر آبادی مسلمانوں کے دل میں ہندوؤں اور سکھوں کے خلاف نفرت کا بے پناہ جذبہ امڈ آیا۔ اچھے اچھے صحیح الدماغ اور ذہین لوگ جو "انسانیت" میں یقین رکھتے تھے ان کے ذہن بھی ڈانواڈول ہوگئے۔ فرقہ پرستی کا زہر اپنا کام کرچکا تھا اور ابراہیم جلیس بھی اس زہر سے نیلا پڑگیا۔ ابراہیم جلیس جو پہلے ارض ہمالہ کے ذہین ترقی پسند انسانوں کے قافلے کا ایک رکن تھا جو اس مذہب کا پیرو تھا جس کا نام انسانیت ہے۔ انسان پرستی کے اس رستے سے ہٹ کر فرقہ پرستی کے کھڈ میں گر گیا۔

اور جس دن میں نے یہ سنا کہ میری علی گڑھ کی تشنہ کام محبت بلقیس جہاں کو ماؤنٹ بیٹن پلان نے دہلی سے بھگا کر کٹڑہ جمیل سنگھ امرتسر کے چوک کے بیچوں بیچ مادرزاد ننگا کردیا ہے اور اکالی سکھوں اور سیوک سنگھی ہندوؤں نے اس کے سرخ و سپید جسم' اس کے بلور جیسے جسم کو بھنبھوڑ کر رکھ دیا ہے تو میری آنکھوں میں خون اتر آیا میں یک بیک مسلمان ہوگیا۔ غیور مسلمان' غازی مسلمان' مجاہد مسلمان' محمد عربی کا مسلمان نہیں۔ بلکہ محمود غزنوی اور طارق کا مسلمان۔ اسلامی تعلیمات کا پیرو مسلمان نہیں بلکہ منشی صادق حسین اور عبدالحلیم شرر کی ناولوں کا مسلمان۔

میں انجمن ترقی پسند مصنفین اور کمیونسٹ پارٹی آفس سے باہر نکل آیا اور جب اپنے غیر متوازن ذہن اور زہریلے جذبات سے مغلوب ہوکر "دارالسلام" میں داخل ہورہا تھا اس وقت پریم دھون نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے روکا اور کہا۔

نہیں نہیں تمہاری یہ منزل نہیں جلیس۔ یہ مسجد ہے اور یہ جگہ ایک بادشاہ نے تعمیر کی ہے۔ یہاں نہ اسلام ہے اور نہ یہاں خدا رہتا ہے۔ خدا مندر' مسجد اور گرجا میں نہیں رہتا اگر تمہیں خدا ہی کی تلاش ہے تو سنو خدا انسان کے دل میں رہتا ہے۔ آؤ ہم وہیں جارہے ہیں۔ انسان کے دل کی طرف ایک نئی دنیا کی طرف جہاں ایک نیا انسان رہتا ہے۔ دیکھو سیاہی کا ڈیرا اگر رہا ہے۔ ہم اندھیرے کے کتنے کڑے کوس طے کر آئے ہیں اب تھوڑا سا اندھیرا اور باقی ہے۔ اتنی دور آکر کیا تم اندھیرے میں کھوجانا پسند کرو

www.taemeernews.com

گئے؟

مگر میں نے جھلا کر پوچھا! "اور بلقیس جہاں ----؟ جو امرتسر کے بازاروں میں ننگی اور بے آبرو کھڑی ہے؟ میں نے پریم دھون کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ ایک جھٹکے کے ساتھ چھڑالیا۔ اور "دارالسلام" میں گھس گیا' جہاں مجاہد اعظم تقریر کر رہے تھے۔

مسلمانو! تم خالد و ٹیپو کی اولاد ہو۔ تم جمال الدین افغانی کی آنکھ کے تارے ہو' تم اقبال کے شاہین زادے ہو۔ تم جناح کے راج دلارے ہو۔

اٹھو ---- اور دہلی کی طرف سے بڑھتے ہوئے کفر کا جگر چیر کر رکھ دو' اٹھو کہ "فتح مکہ" تمہارے قدم چومنے کے لئے بے قرار ہے۔ اٹھو محمود غزنوی کا بت شکن ارادہ' خالد اور طارق کا دل' محمد بن قاسم کی شجاعت' قلندر کی نظر' عبدالرزاق لاری کا لہو اور ٹیپو کی شمشیر لے کر اٹھو۔ یاد رکھو' تم انہی اسلاف کی یادگاریں ہو جنہوں نے بحروبر پر حکومت کی تھی جن کے ایک ایک قدم سے زمین کی چھاتی دہل جاتی تھی۔

تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں
خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا

میری رگوں میں مجاہدین طرابلس کا لہو کھول گیا اور میں محمود غزنوی کا عزم' خالد کا دل' محمد بن قاسم کی شجاعت' عبدالرزاق لاری کا لہو' اور ٹیپو کی شمشیر سوتے آگے بڑھا۔ پرچم فضاء میں بڑے کروفر سے لہرا رہا تھا اور اندھیرے میں مجھے نظر ہی نہ آیا کہ وہ پرچم کون سا ہے اور کس کا ہے؟؟

میں بھی زہر کے تاجروں کی ٹولی میں شامل ہوگیا۔ میرے عزیز دوست فصیح الدین احمد نے اپنا ہفت روزہ اخبار "پرچم" مجھے دیدیا اور میں نے ہر ہفتہ فرقہ واری تعصب کا زہر بیچ کر کمایا تو کچھ نہیں۔ البتہ میرے سفلی جذبات کو بڑی تسکین ملتی تھی کہ میں دہلی' مشرقی پنجاب' گوالیار' الور' بھرت پور' پٹیالہ' بہار' بمبئی' وسط ہند اور کلکتہ کے مظلوم مسلمانوں کا خوب خوب بدلہ لے رہا ہوں۔

میرے مضامین لاکھوں مسلمان پڑھتے تھے' میں لاکھوں مسلمانوں کے مجمع میں زہر

www.taemeernews.com

فشانی کرتا تھا اور لوگ بڑے شوق سے گھنٹوں میری تقریریں سنتے تھے۔ "ابراہیم جلیس زندہ باد" کے نعرے لگاتے تھے۔ "پرچم" بیچنے والے ہاکر اور اور اخبارات کے ایجنٹ مجھے بتاتے تھے کہ جب آپ کا کوئی مضمون چھپتا ہے تو لوگ ہاتھوں ہاتھ خرید لیتے ہیں۔ مسلمان عورتیں پرچم خریدنے سے پہلے یہ ضرور پوچھتی تھیں کہ کیا اس میں ابراہیم جلیس کا کوئی مضمون ہے؟ بوڑھی عورتیں اور مرد میرے مضامین پڑھ کر زار و قطار روتے تھے۔ اور مجھے دعائیں دیتے تھے۔ لوگ مجھ سے بڑی عزت سے بڑے ادب سے ملا کرتے تھے۔ مجھے جگہ جگہ تقریروں کے لئے دعوت دی جاتی تھی۔

مگر میرے گھر والے مجھ سے ناراض تھے۔ میرے والد محترم میرے ان مضامین کو پسند نہ کرتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے مجھ سے بات کرنا تک چھوڑ دیا تھا۔ میرے بڑے بھائی محبوب حسین جگر اور میر عابد علی خان نے مجھے کئی بار متنبہ کیا کہ یہ روش چھوڑ دو۔ تم غلط راستے پر جا رہے ہو۔ پہلے کی طرح افسانے لکھا کرو۔ یہ کیا بکواس لکھ رہے ہو۔ لیکن ان دنوں میں حفیظ جالندھری کے شاہنامہ اسلام کا ایک شعر گنگنایا کرتا تھا۔

تمنا ہے کہ اس دنیا میں کوئی کام کر جاؤں
اگر کچھ ہو سکے تو خدمت اسلام کر جاؤں

میں قلم ہاتھ میں لے کر مستعدی سے خدمت اسلام کرنے لگا میرے اطراف میرے گہرے دوست نظر حیدر آبادی، شاہد صدیقی، تحسین سروری، خواجہ معین الدین، اور مسلم ضیائی تھے جو ابھی تک انجمن ترقی پسند مصنفین کے رکن تھے یعنی فرقہ پرستی کے قائل نہیں تھے۔ میں نے آہستہ آہستہ انہیں بھی ہموار کرنا شروع کیا۔ مجھے اپنی اور ان کی دوستی پر یقین تھا کہ میرے اثر میں آجائیں گے میں دن بدن انہیں قریب لاتا گیا میرا ارادہ تھا کہ میں انجمن ترقی پسند مصنفین کے متوازی ایک اور انجمن "انجمن مسلم مصنفین" قائم کروں جو بعد کو صرف انجمن مصنفین" کے نام سے مجلس اتحاد المسلمین کی سرپرستی میں قائم ہوئی جس کے لئے مجلس نے ایک شاندار کوٹھی دفتر کے لئے دے دی جہاں میں اور میرے احباب دن بھر تاش، شطرنج، کیرم اور والی بال کھیلتے تھے۔

www.taemeernews.com

یہ انجمن مصنفین گویا اتحاد المسلمین کے پروپیگنڈہ ڈپارٹمنٹ کی ایک شاخ تھی جہاں حیدر آباد کے بہترین ذہین دماغ میری وساطت سے میری دوستی میں آکر جمع ہو گئے تھے نظر آبادی، شاہد صدیقی، تحسین سروری، خیرات ندیم، تاج شہریار، رونق ظہیر، پروفیسر منظور حسین شور، افضل عابدی، اثر مجیدی، خواجہ معین الدین، عبدالرزاق لاری، احمد عبدالقیوم، احمد مکی، محمود عبدالماجد، طاہر عبدالباسط، عزیز جاوید، یوسفی، عرش حیدری، بشارت اللہ بیگ، صدیق بیگ، ریاض فرشوری، مصطفیٰ علی، ع احمد، مختار کرمانی، شفیع اختر، مرزا ظفرالحسن، اشفاق حسین، یوسف ناظم، ثناء اللہ، اوصاف علی عباسی اور دوسرے میرے بہت سے ہمنوا میری خاطر اس انجمن سے وابستہ ہو گئے۔

انہی دنوں پروفیسر عزیز احمد پاکستان اور کشمیر کے دورے سے واپس تشریف لائے۔ انہوں نے انجمن مصنفین کے قیام پر ہم نوجوان ادیبوں کو مبارک باد دی اور پاکستان کے ادیبوں کی حالت بتاتے ہوئے ایک نیا انکشاف کیا کہ پاکستان کے ترقی پسند ڈاکٹر محمد دین تاثیر، فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، سعادت حسن منٹو، محمد حسن عسکری، وقار عظیم اور دوسرے سارے ادیب بھی آج کل ہمارے ساتھ ہیں ان کے بھی تقریباً وہی خیالات ہیں جو ہمارے ہیں۔ تو ہم بہت خوش ہوئے۔ ویسے بھی ہم سارے ادیب براعظم ہند میں رہنے کے باوجود خود کو پاکستان ہی سے زیادہ قریب تر محسوس کرتے تھے۔

ہندوستان سے ہمیں نفرت ہو گئی تھی۔ ہم سے بیشتر ادیبوں نے ہندوستانی یونین کا نام ہندو یونین رکھ دیا تھا۔ اخبارات میں رسالوں میں اور ریڈیو سے ہم ہندو یونین کے خلاف زہر اگلا کرتے تھے۔

انجمن مصنفین کو ایک ریڈیو سیٹ بھی ملا تھا جس میں پاکستان کا میٹر ہم نے "ریڈیو گھر" سے خاص طور پر بنوالیا تھا۔ ان دنوں ریڈیو گھر (ریڈیو مرمت کی ایک دکان) ریڈیو سیٹ میں پاکستان ریڈیو کا میٹر بنانے کا کام انجام دے کر کافی پیسہ کما رہا تھا۔ ہم ریڈیو پاکستان کی خبریں بڑی پابندی سے سنا کرتے تھے۔ نہ صرف ہم بلکہ حیدر آباد کے مسلمان ہر رات نو بجے ہوٹلوں کے ریڈیو کے پاس، پبلک ریڈیو کے پاس، گھریلو ریڈیو کے پاس زیادہ

www.taemeernews.com

سے زیادہ تعداد میں جمع ہو کر پاکستان کی خبریں سنا کرتے تھے ٹھیک سوا نو بجے ریڈیو پاکستان سے یہ آواز بلند ہوتی۔

اب آپ شکیل احمد کی زبانی اردو میں خبریں سنیئے۔"

تو لوگ کہہ اٹھے---- یہ شیر بول رہا ہے ریڈیو پاکستان کا اناؤنسر شکیل احمد حیدر آبادی مسلمانوں میں ایک خاص اہمیت و وقعت کا حامل تھا کبھی کبھی کوئی بھول کر آل انڈیا ریڈیو آن کرتا اور یہ آواز سنتا۔ "یہ آل انڈیا ریڈیو ہے اب آپ آل حسن کی زبانی ہندوستانی میں سماچار سنیئے۔" تو سب آل حسن کو گالی دے کر لاحول پڑھتے ہوئے فوراً "ریڈیو بند کر دیتے تھے۔

خدا کے مہمان

حیدر آبادی مسلمانوں میں ہندوستانی یونین کے خلاف نفرت کا جذبہ بڑی شدت اختیار کر گیا تھا اور جوں جوں سی پی' یوپی' دہلی' بنگال' بہار' اور مشرقی پنجاب سے لٹے ہارے' زخمی اور مصیبت زدہ مسلمانوں کے قافلے حیدر آباد آنے لگے تو یہ جذبہ شدید سے شدید تر ہوتا گیا۔ روزانہ دو تین اسپیشل ٹرینیں اقطاع ہند کے مسلمان مہاجرین کو حیدر آباد پہنچانے لگیں۔ نامپلی اسٹیشن پر جیسے کوئی عرس یا میلہ سا لگا ہوتا تھا۔ کالجوں کے نوجوان لڑکے اور مسلمان رضاکاروں نے مہاجرین کی خدمت گزاری کے لئے خود کو پیش کیا۔ وہ ہر اسپیشل ٹرین پر موجود رہتے' مہاجرین کی ہر ممکن مدد کرتے ان کے دکھوں میں شریک ہوتے ان کو "سرکاری کیمپ" میں پہنچاتے۔

حکومت حیدر آباد نے مہاجرین کی آبادکاری کے لئے باضابطہ طور پر ایک محکمہ قائم کر دیا جس کے لئے بڑے بڑے تنخواہ دار افسر مقرر کئے گئے۔ ان تقررات میں مجلس اتحاد المسلمین کے بااثر لیڈروں کے عزیز و اقارب کا خاص خیال رکھا گیا اور بہت سے بھانجے' بھتیجے بڑے بڑے عہدہ دار بن بیٹھے جو مہاجرین کی آبادکاری سے زیادہ اپنی اور اپنے خاندانوں کی آبادکاری کے کاموں میں بڑے مستعد تھے۔ بعض عیاش عہدہ داروں

www.taemeernews.com

نے نوجوان مہاجر خواتین کی خلوتوں میں بھی بڑی "غمگساریٔ" کی۔ بعض ضرورت مند عہدہ داروں نے مہاجرین سے بھی رشوتیں لیں۔ بعض موقع باز عہدہ داروں نے غبن اور غصب کے ہتھیار بھی استعمال کئے۔ مہاجرین میں بھی بعض بڑے دلچسپ لوگ حیدر آباد آگئے۔ بعض عادتاً" چوری چکاری بھی فرمالیا کرتے تھے۔ بعض نشے سے بھی غم غلط کرتے تھے۔ ان بیرونی اور مقامی مہاجرین کے لئے حیدر آباد کے انصاریوں کے گھر سے کھانا پک پک کر جایا کرتا تھا۔ رضاکار ہر گھر سے روٹیاں اور سالن جمع کرتے تھے اور پناہ گزین کیمپوں میں لے جاتے تھے۔ بعض بعض خدا ترس انصاری اپنے گھر سے مرغن غذائیں مثلاً مرغ' پلاؤ' زردہ' مچھلی وغیرہ وغیرہ بھی بھیجا کرتے تھے تاکہ مہاجرین کا غم غلط ہو۔

مسٹر اتحاد المسلمین

ان مہاجرین کے حیدر آباد کی طرف رخ کرنے سے حیدر آباد اور ہندوستان کے تعلقات اور کشیدہ ہوگئے۔ ہندوستانی حکومت اور حیدر آبادی ہندوؤں کا خیال تھا کہ حیدر آباد ان مہاجرین کو اپنے ہاں جگہ نہیں دے پا رہا ہے بلکہ اپنے قلب میں ہندوستان اور ہندوؤں کے خلاف نفرت جمع کر رہا ہے حیدر آبادی مسلمان بڑے خوش تھے کہ ہندوستانی مسلمان پاکستان کا رخ کرنے کے بجائے حیدر آباد آ رہے ہیں یعنی ان کے خوابوں کے جنوبی پاکستان کی حقیقی تعبیر کر رہے ہیں۔

مجاہد اعظم نے ان مہاجرین کے آنے کے بعد سے اپنی ہر تقریر میں ریاست کے مسلمانوں کی کل تعداد میں تصحیح کرلی تھی۔ اب اپنی تقریروں میں وہ ۲۵ لاکھ کے بجائے ۳۵ لاکھ مسلمانوں کی نمائندگی کا دعویٰ کرتے تھے۔ انہوں نے ہندوستانی یونین کے رہنماؤں کو ہر بار متنبہ کیا کہ حیدر آباد کے ۳۵ لاکھ مسلمان اپنے حیدر آبادی ہندو اور دیگر اقوام کے بھائیوں کے ساتھ صلح و آشتی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اگر ان کی طرف بری نظر سے دیکھا گیا تو سارے ہندوستان کا امن خطرے میں پڑ جائے گا۔ انہوں نے

www.taemeernews.com

پنڈت نہرو اور سردار پٹیل کو الٹی میٹم دیدیا تھا کہ اگر ہندوستان حیدر آباد کی آزادی اور خود مختاری چھینا چاہئے گا تو پھر اسے معلوم ہو جانا چاہئے کہ ہم لال قلعے پر اپنا جھنڈا لہرائیں گے اور الٹی میٹم ہندوستان اور پاکستان کے سارے اخبارت میں شائع ہوا۔ بعض سنجیدہ مسلمانوں کا خیال تھا کہ مجاہد اعظم حد درجہ جذباتی ہیں۔

میں نے مجاہد اعظم کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مجاہد اعظم سید قاسم رضوی بے حد جذباتی واقع ہوئے تھے لیکن ایک بات میں نے ان میں خاص طور پر دیکھی ہے' وہ تھا ان کا خلوص --- وہ ایک ایماندار' راست باز اور صاحب کردار ہستی تھے۔ ان کی فطرت میں دھوکہ اور فریب مطلق نہیں تھا۔ ممکن ہے کہ بعض لوگوں کو میری یہ تعریف بری معلوم ہو کیونکہ آج ہندوستان اور پاکستان اور خود حیدر آباد کے بیشتر لوگ مجاہد اعظم کو برے ناموں سے یاد کرتے ہیں لیکن میں حقیقت کو جھٹلانا نہیں چاہتا---- یہ صحیح ہے کہ ان کی سیاست کی بنیاد غلط تھی جذباتی تھی اور تباہ کن ثابت ہوئی لیکن اس میں سید قاسم رضوی کی ذاتیات کو بہت کم دخل ہے۔ وہ ایک اللہ والا انسان تھا۔ ہمیشہ اللہ کی قوت پر بھروسہ رکھتا تھا اس کو اپنوں نے جتنا بدنام کیا اور جتنا نقصان پہنچایا اس کا تذکرہ بے حد تکلیف دہ ہے

نام نہاد عوامی وزراء اور مجلس اتحاد المسلمین کے ذمہ دار عہدہ داروں نے قاسم رضوی کا نام استعمال کرکے ریاست میں وہ لوٹ مار مچائی تھی کہ ساری ذمہ داری رضوی صاحب پر آتی تھی۔ ویسے میں یہ نہیں کہتا کہ وہ اور ان کی تحریک فاشسٹ نہیں تھی۔ وہ یقیناً ایک فاشسٹی لیڈر تھے اور ایک فسطائی زوال پذیر بورژوا نظام حیات کے حامی تھے۔

مگر بذات خود رضوی صاحب اتنے بھیانک نہیں تھے جتنے کہ ہندوستانی یونین کے پریس اور ریڈیو نے انہیں بنایا تھا' ان کا نظریہ سیاست غلط سہی لیکن وہ پوری ایمانداری اور خلوص کے ساتھ اس نظریہ پر کاربند رہے--- یہ صحیح ہے کہ ان کی رضاکارانہ تحریک میں غرض مندوں' موقع پرستوں' لالچیوں اور غنڈوں کو بڑے نمایاں مقام مل

www.taemeernews.com

گئے تھے کئی بار ان کے قریبی ملنے جلنے والوں اور دوستوں نے انہیں متوجہ کیا کہ آپ کا حاشیہ خراب ہے۔ آپ کی بدنامی بڑھ رہی ہے ایسے لوگوں کو الگ کیجئے مگر وہ مسکرا کر یہی کہتے۔ "اللہ مالک ہے وہ منصف حقیقی ہے۔"

اس نقطہ نظر کا اثر تھا کہ ان کی سیاست کمزور تھی اور ان میں خود لیڈر شپ کے کنٹرول کا فقدان تھا۔ اس نرم مزاجی کا یہ نتیجہ ہوا کہ چراغ تلے اندھیرا بڑھتا گیا چھوٹے چھوٹے جاہل آدمیوں کے ہاتھ میں اقتدار آگیا تھا اور وہ چوری کرتے وقت عورتوں کا اغوا کرتے وقت' زنا بالجبر کرتے وقت' انسان کو قتل کرتے وقت قاسم رضوی کا نام لیتے تھے--- اور قاسم رضوی حالات سے بالکل بے خبر بدنام ہوتے تھے--- اور بدنام ہوتے رہے--- رضاکار تحریک میں بشیر احمد وکیل جیسے بدکردار شخص کو ریاست بھر کے رضاکاروں کا سالار اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ جو حیدر آباد کا جاہل ترین اور آوارہ ترین آدمی تھا۔ قاسم رضوی کی بدنامی اور زوال میں یامین زبیری' عبدالروف' اکرام اللہ کے علاوہ بشیر احمد کا بھی زیادہ ہاتھ ہے۔

بشیر احمد سالار اعلیٰ کی زیر سرکردگی رضاکاروں نے چوری' ڈکیتی' زنا الجبر' اغواء' قتل' لوٹ مار' آشفتگی کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ قاسم رضوی نے جس مقصد کی خاطر اس تحریک کا آغاز کیا تھا وہ فوت ہو چکا تھا۔ اور تحریک اتنی خراب اور بدنام ہو گئی تھی کہ قاسم رضوی صاحب سے بھی اس کا سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ اضلاع گاؤں اور دیہاتوں میں ہندو رضاکاروں کے نام سے کانپ اٹھتے تھے۔ ان کے گھروں کی آبرو ان کی زندگیاں کچھ بھی محفوظ نہیں تھا۔ ہر غنڈہ اور لفنگا رضاکار وردی پہن کر ہندوؤں کو اپنا غلام اور ان کی عورتوں کو اپنا بستر سمجھتا تھا۔ میں نے 'نظر حیدر آبادی نے' سید شاہ بلیغ الدین حسین نے کئی بار قاسم رضوی کی خدمت میں عرض کیا۔

تحریک بدنام ہو رہی ہے۔ آپ بدنام ہو رہے ہیں' بشیر احمد کو الگ کر دیجئے۔ اس کی اور دوسرے غنڈہ رضاکاروں کی بدنامی آپ کے سر آ رہی ہے۔ مگر قاسم رضوی صاحب کو یقین نہ آتا تھا۔ وہ فرماتے تھے "مسلمان بدکردار نہیں ہوتا"۔

www.taemeernews.com

قاسم رضوی بد کردار نہیں ہو سکتا مگر عام مسلمان بد کردار ہو سکتا ہے۔ اور رضاکار کا بھیس بدل کر وہ مسلمان بھی باقی نہیں رہا ہے۔۔۔ مگر رضوی صاحب کے پاس وقت نہیں ہوتا تھا وہ ہمیشہ دارالسلام اور دارالسلام سے شاہ منزل (وزیراعظم کا دفتر) کے چکر لگایا کرتے تھے۔ اس لئے میر لائق علی مہینے میں کم از کم ایک بار ایک حیدرآبادی وفد دہلی لے جاتے تھے۔ ہندوستان کسی قیمت پر بھی حیدرآباد کی ایک الگ جغرافیائی اور سیاسی وحدت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ اور حیدرآباد کسی شرط پر بھی ہندوستان میں شامل ہونا نہیں چاہتا تھا۔

بالآخر گفت و شنید بالکل ناکام ہو گئی۔ حالات بہت خراب ہو گئے حیدرآباد نے تیزی سے فوجی تیاریاں شروع کردیں ہر کارخانے میں اسٹین گن، برین گن، پستول، ہینڈ گرنیڈ، اور بم تیار ہونے لگے۔ جنگ کا خطرہ دن بدن بڑھنے لگا۔ حیدرآباد میں محکمہ اے آر پی پھر سے قائم ہو گیا سڑکوں پر جگہ جگہ ہوائی حملے سے بچاؤ کی پناہ گاہیں اور خندقیں کھودی جانے لگیں اخبارات میں ہوائی حملے سے بچاؤ کی ترکیبیں اور فرسٹ ایڈ کے اصول شائع ہونے لگے۔ حیدرآباد ریڈیو نے اپنا پروپیگنڈہ تیز تر کردیا۔ حیدرآباد ریڈیو پہلے صرف ۴۱۱ میٹر پر چلا کرتا تھا مگر ایک انگریز مسٹر شین کی خدمات حاصل کی گئیں جس نے شارٹ ویو کے ٹرانسمیٹر بھی نصب کئے اور حیدرآباد ریڈیو شارٹ ویو پر ۳۱ میٹر پر سنا جا سکتا تھا اور اس کے علاوہ ۴۹ اور ۷۰ میٹر پر بھی حیدرآباد ریڈیو سے سیاسی نیم فوجی پروگرام براڈ کاسٹ ہوتے تھے۔

اس کے علاوہ انگلستان اور امریکہ سے تنخواہ دار جرنلسٹ بھی بلائے گئے جو ریاست حیدرآباد کے سرکاری مہمان خانے گرلین لینڈ میں مقیم تھے۔ حکومت نے ان کے قیام و طعام کا نہایت شاندار اور اعلیٰ پیمانے پر انتظام کیا تھا یہ اپنے اپنے اخباروں میں حیدرآباد کی آزادی اور خود مختاری کی حمایت میں مضامین لکھا کرتے تھے اس لئے کہ اس کام کے عوض انہیں کثیر معاوضہ ملتا تھا اور ویسے بھی حیدرآباد کی آزادی، آزاد ہندوستان میں ان کی اپنی آزادی بھی تھی۔ حیدرآباد کی آزادی کا مطلب امریکہ کی

www.taemeernews.com

آزادی تھی' انگلستان کی آزادی تھی اسی زمانے میں آزاد حیدر آباد کا ایک وفد اپنا مسئلہ نواب معین نواز جنگ کی قیادت میں یو این او میں لے گیا۔

سڈنی کاٹن دی اسٹین گن

حیدر آباد کی آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے یورپ اور امریکہ میں بڑے ہمدرد پیدا ہوگئے تھے۔ دراصل سب کی نگاہیں حیدر آباد کی کثیر دولت پر جمی ہوئی تھیں --- چنانچہ سڈنی کاٹن بھی حیدر آباد کی آزادی اور خود مختاری پر دل و جان سے مائل ہوگیا۔ سڈنی کاٹن جو دنیا کا پائلیٹ نمبر ایک ہے اس نے اپنے ہوائی جہاز حیدر آباد کے لئے پیش کئے اور وعدہ کیا کہ وہ ہتھیار اور دیگر آلات حرب اپنے جہازوں کے ذریعے حیدر آباد پہنچائے گا۔

سڈنی کاٹن ایک بے خطر اور ایڈونچرس پائلٹ تھا' وہ بغیر لائسنس کے ہندوستانی فضاؤں میں پرواز کرتا آتا اور حیدر آباد کو اسلحہ دے جاتا۔ ہندوستانی فضائیہ کے جہاز ہمیشہ اس کے تعاقب میں لگے رہتے مگر کبھی اس کا نشان تک نہ پاسکے۔

لوگ گھروں میں ہوٹلوں میں' سڑکوں پر' دفتروں میں' سرگوشیاں کرتے تھے کہ لاتعداد اسلحہ حیدر آباد آچکا ہے اور آرہا ہے۔ خود حیدر آباد کی فیکٹریوں میں روزانہ بیسیوں اسٹن گن اور برین گنیں بننے لگیں۔ اور دارالسلام کے دارالحرب میں جمع ہونے لگیں۔ مگر انسان کی نفع خوری دارالحرب میں بھی گھس گئی۔ بعض رضاکار رہنماؤں نے اسلحہ جات کی چور بازاری شروع کردی۔ قاسم رضوی کی علم و اطلاع کے بغیر اپنے ذاتی اثرات کو کام میں لاکر یہ لوگ دارالحرب سے اسلحہ اٹھالے جاتے اور دو سو تین سو روپے کی ایک گن' یا ایک پستول کو ہزار ہزار ڈیڑھ ہزار روپے تک فروخت کرتے تھے۔

مجلس اتحاد المسلمین کے بعض چھوٹے لیڈر اسلحہ جات کی چور بازاری میں دیکھتے ہی دیکھتے اتنے مالدار ہوگئے کہ گھر بنانے لگے گھر خریدنے لگے۔ میں نے خود ایک اسٹین گن

www.taemeernews.com

اتحاد المسلمین کے ایک بہت ذمہ دار لیڈر (جس کا نام میں نہیں بتانا چاہتا) سے ساڑھے بارہ سو روپے میں خریدی۔ حالانکہ بعد میں مجھے پتہ چلا کہ اگر میں قاسم رضوی سے اجازت حاصل کرتا تو وہی بندوق مجھے ڈھائی سو روپے میں مل جاتی۔ بات یہ ہوئی تھی کہ میرے والد صاحب ضلع عثمان آباد میں رہتے تھے وہاں ہمارے کھیت تھے۔ ان دنوں عثمان آباد ضلع کی حالت بڑی خراب ہوگئی تھی کیونکہ عثمان آباد ہندوستان کی سرحد پر واقع ہے۔ والد صاحب نے ذاتی تحفظ کی خاطر ایک اسٹین گن خریدنی چاہی تھی انہوں نے مجھے اس لئے کہا تھا کہ میرا اتحاد المسلمین میں کچھ اثر تھا اس لئے وہ سستے داموں مل جائے گی۔ مگر لیڈر محترم نے خود میرے ساتھ چار سو بیسی کی۔

اتحاد المسلمین کے بعض مخلص کارکنوں کا خیال ہے کہ پچھتر فیصدی رضاکاروں نے اسلحہ کی چور بازاری کی ہے اور خوب منافع کمایا اور خوب روپیہ بنایا ہے۔ ایک اور واقعہ میں جانتا ہوں کہ ایک رضاکار نے دارالسلام سے پانچ اسٹین گنیں ایک ہندو جاگیردار کو اونے پونے داموں بیچ دیں اور وعدہ کیا جب بھی انہیں اسلحہ کی ضرورت ہوگی وہ منہ مانگے داموں پر دارالسلام کے دارالحرب سے انہیں پہنچاتا رہے گا اور وہ اپنا وعدہ برابر پورا کرتا رہا۔ سچ پوچھئے تو مذہب صرف روپیہ تھا۔ مذہب صرف نفع خوری تھا۔ مذہب دراصل زندگی کی خالی جھولی میں روپے بھرنے کے لئے استعمال کیا جاتا رہا تھا ورنہ مسلمان تو کوئی تھا ہی نہیں۔ نام کے مسلمان تو ۳۵ لاکھ بھی تھے۔ لڑنے مرنے' لوٹ کھسوٹ' چوری' ڈاکہ کے لئے غنڈے بھی مسلمان اور رضاکار بن گئے تھے۔

ادھر حیدر آباد میں جنگی تیاریاں پورے زور شور سے جاری تھیں ادھر ہندوستانی رہنماؤں نے حیدر آباد کے مسئلے کو اپنی ساری توجہات کا مرکز بنا دیا۔ سردار پٹیل کہتے:

"حیدر آباد ہندوستان کے پیٹ میں ناسور بنا ہوا ہے"

مجاہد اعظم جواب دیتے: "یہ ناسور ہندوستان کی موت کا باعث ہوگا۔"

سردار پٹیل فرماتے: "حیدر آباد کی آزادی دیوانے کی آزادی ہے"

مجاہد اعظم جواب دیتے: "یہ دیوانہ ہوشمندوں سے زیادہ دانا ہے"

www.taemeernews.com

پنڈت نہرو دعویٰ کرتے: "عنقریب ہم حیدر آباد پر قبضہ کرلیں گے۔"
مجاہد اعظم جواب دیتے: "ہم لال قلعے پر آصفیہ جھنڈا لہرائیں گے۔"

ان سوالات اور جوابات پر حیدر آباد کے لوگ جلسوں میں محفلوں میں' ہوٹلوں میں بڑی زوردار بڑی بے نتیجہ بحثیں کرتے تھے۔ ایک کہتا: "حیدر آباد کیسے آزاد ہو سکتا ہے وہ چاروں طرف ہندوستانی یونین سے گھرا ہوا ہے۔"

دوسرا جواب دیتا: "حیدر آباد خود کفیل ہے اسے دوسروں کا کبھی محتاج نہیں ہونا پڑے گا۔ اپنے وطن میں کیا نہیں ہے پیارے۔ اپنے وطن میں سب کچھ ہے پیارے"۔

ایک کہتا: "کاش حضور نظام انگریزوں کے دور میں کم از کم مچھلی پٹم کی بندرگاہ ہی خرید لیتا۔ پھر وہ ہندوستانی یونین سے گھرا ہوا نہ ہوتا اور بیرونی ممالک سے تجارتی تعلقات قائم رکھ سکتا۔"

دوسرا جواب دیتا: "حیدر آباد رقبہ میں جزائر برطانیہ کے برابر ہے جب جزائر برطانیہ آزاد ہو سکتا ہے تو حیدر آباد کیوں نہیں؟ ہماری ضرورت کی ساری چیزیں ہمارے پاس ہیں۔ ریلوے ہماری ہے۔ ہوائی جہاز ہمارے ہیں' فیکٹریاں ہماری ہیں' لوہا' کوئلہ سونے کی کانیں ہمارے پاس ہیں۔ ہم نہ پہلے کبھی ہندوستان کے محتاج تھے اور نہ اب ہیں اور نہ آئندہ کبھی رہیں گے۔"

معاشی ناکہ بندی

انہی دنوں اخباروں میں خبر شائع ہوئی کہ ہندوستان نے حیدر آباد کی معاشی ناکہ بندی کردی ہے اب وہ ایک سوئی اور آل پن تک حیدر آباد کو نہیں بھیجے گا۔ ہندوستان کے اخباروں میں ایک کارٹون شائع ہوا جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ ایک جھیل کے بیچوں بیچ برف کا ایک تودہ ہے جس پر حضور نظام اور قاسم رضوی بیٹھے ہیں۔ ادھر افق سے معاشی ناکہ بندی کا سورج طلوع ہوا ہے جس کی حدت سے برف کا تودہ پگھل رہا ہے۔ اس کے نیچے یہ عبارت لکھی تھی:

"جب معاشی ناکہ بندی کا یہ سورج سر پر پہنچے گا تب برف کا یہ تودہ بالکل پگھل

www.taemeernews.com

جائے گا اور ہز اگزالٹیڈ ہائی نس بمعہ قاسم رضوی پورے شاہانہ اعزاز و مرتبہ کے ساتھ غرق ہو جائیں گے"

پہلے پہلے تو حیدر آبادیوں نے معاشی ناکہ بندی کو کوئی اہمیت نہیں دی بلکہ ہر جگہ معاشی ناکہ بندی کا مذاق اڑایا جاتا تھا لیکن بعد میں معاشی ناکہ بندی زیادہ سخت ہوتی گئی لیکن معاشی ناکہ بندی ہمیشہ تھوڑی ہی آتی ہے حیدر آباد کے سرمایہ دار تاجر اور سوداگر سب ہندوستان اور معاشی ناکہ بندی کو دعائیں دے رہے تھے کہ اس نے حیدر آباد میں چور بازاری کے دروازے کھول دیئے ہیں حیدر آبادی سرمایہ دار حیدر آبادی عوام کو دل کھول کر لوٹنے لگے۔

حکومت کی جانب سے جگہ جگہ یہ پوسٹر لگائے گئے تھے کہ معاشی ناکہ بندی کا مقابلہ کرنے کے لئے ہماری قومی غیرت کا تقاضا ہے کہ ہم ناجائز منافع خوری اور چور بازاری سے پرہیز کریں یہ ایک قومی خدمت ہے --- ہر دوکان پر اشیاء کی سرکاری کنٹرول نرخ کی فہرستیں آویزاں تھیں مگر دوکانوں میں ان اشیاء کا پتہ ہی نہیں تھا۔ دوکانیں خالی ہوتی جارہی تھیں اور چور گودام بھرتے جارہے تھے۔ خواجہ معین الدین اور عبدالرزاق لاری نے ڈاڑھیاں بڑھا رکھی تھیں کیونکہ ریزر غائب ہو چکے تھے۔ ویسے بھی داڑھی رکھنا عین اسلامی حرکت ہے اپنی داڑھیوں پر ہاتھ پھیر پھیر کر وہ گویا ہمیں مرعوب کرنا چاہتے تھے کہ قوم کا درد رکھنے والے ایسے ہوتے ہیں کہ قوم کے چہرے کو خوبصورت رکھنے کے لئے اپنی صورت تک بگاڑ لیتے ہیں۔

میرے دوست نواب سید علی خاں اور فصیح الدین احمد نے اپنی اپنی کاریں گراج میں بند کردی تھیں کیونکہ پٹرول نہیں ملتا تھا اور پٹرول کا ایک ایک قطرہ حیدر آبادیوں کے لئے خون کے ایک ایک قطرے کے برابر تھا۔ آخر ہمیں ایک ماڈرن جنگ لڑنی تھی اور پٹرول ماڈرن جنگ کا لہو ہوتا ہے۔ بڑے بڑے عہدہ دار تک سائیکلوں پر دفتر جانے لگے تھے۔

عید آئی لوگوں نے کپڑے تک نہیں بنائے کیونکہ کپڑا تھا ہی نہیں۔ لیکن لوگ

www.taemeernews.com

پرانے کپڑوں میں، عید منا کریوں فخریہ گلے مل رہے تھے جیسے قوم کی عزت کے لئے ایثار و قربانی ہی سب سے بڑی عید ہے۔

چل چلاؤ کا میلہ

پھر ایک دن شہر میں بڑی وحشت ناک خبر پھیلی کہ حکومت ہند نے بمبئی 'بجواڑہ' منماڑ' اور بنگلور کے اسٹیشنوں پر حیدر آباد آنے والی ساری دوائیں روک دی ہیں حتیٰ کہ پوٹاشیم پر میگنٹ اور پھٹکری تک روک لی ہے جس سے شہر کے پینے کا پانی صاف ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہر میں زوروں کا ہیضہ پھوٹ پڑا۔ عثمانیہ اسپتال اور دوسرے سارے چھوٹے اسپتالوں میں دوائی کی شیشیاں اور انجکشن کے ٹیوپ خالی پڑے تھے شہر میں پرائیویٹ ڈاکٹر نہیں تھے۔ ڈاکٹروں میں زیادہ تعداد ہندو ڈاکٹروں کی تھی جو رضا کارانہ مظالم سے تنگ آکر اپنی اپنی ڈسپنسریوں پر تالے لگا کر شولا پور' بجواڑہ' پونا' بمبئی اور مدراس چلے گئے تھے۔ مسلمان ڈاکٹر برائے نام تھے۔ البتہ ڈاکٹر یاسین زبیری نے مسلسل رات دن بغیر کسی معاوضہ کے عوام کو کالرے کے ٹیکے لگائے تھے۔ دوائیاں تقسیم کرتے تھے۔ ڈاکٹر محمد عبدالحئی اور ڈاکٹر یاسین زبیری نے سچ مچ اس وقت مصیبت زدہ انسانیت کی قابل تحسین اور ناقابل فراموش خدمت کی' لیکن ڈاکٹر بغیر دوائیوں کے اپاہج ہوتا ہے ڈاکٹر چند تھے اور مریض سینکڑوں ۔ حیدر آباد کے مسلمان روزانہ تیس تیس چالیس مرنے لگے عید کے دن تو مرنے والوں کی تعداد ۱۸۵ افراد تھی لوگ کہتے تھے کہ یہ بھی ایک شہادت ہے کہ یہ سب شہید ہیں مگر واہ رے شہادت واہ رے شہید۔ !!

مرنے والوں میں اکثر کو کفن تک میسر نہیں ہوتا تھا کیونکہ کپڑے کی بھی معاشی ناکہ بندی کردی گئی تھی لوگ بچوں کی لاشوں کو تولیئے یا رومالوں میں لپیٹ کر اور بڑوں کی لاشوں کو چادروں 'تہمدوں اور کھیسوں میں تکفین کر کے دفن کرتے تھے۔

شہر اور عثمانیہ یونیورسٹی کے درمیان امراض متعددی کا اسپتال تھا جو پہلے ہمیشہ خالی رہتا تھا۔ لیکن اب اتنا آباد ہو گیا کہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے یہ ہیضے کا شہر ہے۔ "کالرا

www.taemeernews.com

ٹی" ہے جہاں چل چلاؤ کا میلہ لگا ہوا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے آنکھوں کے سامنے اچھا خاصا ہنستا مسکراتا انسان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دنیا سے چلا جاتا۔

لوگ بے تحاشہ مر رہے تھے مگر اس وقت بھی بعض محبان حیدر آباد چوری چھپے دوائیوں اور کالرا انجکشنوں کی چور بازاری میں مصروف تھے۔ یہ "چل چلاؤ" کا "میلہ" بھی گویا غریبوں نے لگایا تھا۔ اس میلے میں اونچے طبقے اور متوسط طبقے کا ایک آدمی بھی نظر نہیں آیا سب غریب' مفلس اور تہی دست مسلمان تھے جو مرنے کے لئے پیدا ہوئے تھے اور مرتے چلے جارہے تھے۔

بڑے اور مالدار مسلمانوں' نوابوں' جاگیرداروں اور عہدہ داروں کے لئے ٹیکہ اندازی کا معقول انتظام تھا وہ گھروں میں پانی گرم کرکے پیتے تھے۔ مچھردانیوں میں بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے ہر کھانے پر ایک ایک بوتل سرکہ پی جاتے تھے سیروں پیاز کھالیتے تھے۔ اور رات کو خوب شراب پیتے تھے کیونکہ شراب ہیضے کا بہت بڑا تریاق ہے۔ بڑی مجرب دوا ہے لیکن جن کے گھر پانی گرم کرنے کے لئے ایندھن نہیں تھا پیاز خریدنے کے لئے پیسے نہیں تھے سرکے اور شراب کی بوتلیں نہیں تھیں ان کے سامنے "آزاد حیدر آباد" موت کا دیوتا بنا ہوا تھا جب کوئی غریب مسلمان مرجاتا تو مالدار مسلمان جھوٹے غم میں ڈوب کر ازراہ افسوس فرماتے۔

چلو----وہ بیچارا انڈین یونین میں شامل ہوگیا۔

شری شعیب اللہ خان سور گباشی

معاشی ناکہ بندی کے دور میں اسٹیٹ کانگریس (جو بالعموم حیدر آبادی ہندوؤں کی جماعت سمجھی جاتی تھی) اس کے ارکان اور اس کے اخبارات نے کچھ سرگرمی کا اظہار کیا ورنہ اس سے پہلے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے حیدر آباد میں ہندو رہتے ہی نہیں یا اگر ہیں تو وہ راجہ بہادر پنگل وینکٹ راما ریڈی نائب وزیر اعظم مسٹر جوشی وزیر مسٹر بی ایس وینکٹ راؤ وزیر اور مسٹر شیام سندر لیڈر پست اقوام ہیں۔ باقی ہندو سلطان بازار اور

www.taemeernews.com

گولی گوڑہ کے محلوں میں محصور ہیں یا چھپے ہیں ہندو سلطان بازار سے باہر کبھی نہیں نکلتے تھے عابد روڈ، پتھر گھٹی معظم جاہی مارکیٹ افضل گنج وغیرہ پر کوئی ہندو نظر نہیں آتا تھا۔ اس کی ساری لیڈر شپ یا تو بمبئی، پونا، اور مدراس میں تھی یا جیل میں تھی یا زیر زمین تھی۔ اسٹیٹ کانگریس کے ایک مشہور لیڈر اور جرنلسٹ مسٹر نرسنگ راؤ کو جیل میں بند کردیا گیا تھا اور ان کے مشہور اخبار "رعیت" کو بند کردیا گیا تھا۔ اسٹیٹ کانگریس کا صرف ایک اخبار ذرا پابندی سے شائع ہوتا تھا۔ "امروز" جس کے ایڈیٹر قوم پرست مسلمان مسٹر شعیب اللہ خان تھے جو اخبار "امروز" کے ہندو مالک کے نوکر تھے اور وفاداری بشرط استواری کو اصل ایمان سمجھتے تھے۔ ان دنوں چونکہ اسٹیٹ کانگریس کے سارے ذمہ دار لیڈر پس منظر میں چلے گئے تھے اس لئے مسٹر شعیب اللہ خان "اندھوں میں کانا راجہ" بنے بیٹھے تھے وہ ایک معمولی پڑھے لکھے، موقع باز اور ضمیر فروش، اخبار نویس تھے جنہیں نہ مسلمانوں سے ہمدردی تھی اور نہ ہی ہندوؤں سے کوئی عقیدت یا محبت ---- ان کی زندگی کا مطمع نظر بس روپیہ تھا۔

انہوں نے کئی بار مجھ سے اور نظر حیدر آبادی سے حیدر آباد کی سیاست پر گفتگو کی تھی۔ لڑائیاں کی تھیں ان کی بحث سے ہمیشہ ہم نے یہی نتیجہ نکالا کہ وہ اپنے آپ سے بھی سنسیئر (Sincere) نہیں ہیں۔

ایک بار نظامیہ ہوٹل میں انہوں نے فرمایا تھا:

میں دراصل ہندوؤں کو جھانسہ دے رہا ہوں ان کو اکسپلائٹ (Exploit) کررہا ہوں۔ میں دراصل اتحاد المسلمین کے لیڈروں سے زیادہ مسلمان ہوں۔ تم دیکھ لینا جب ہندوستان حیدر آباد پر قبضہ کرے گا اس وقت میں یہاں کے مسلمانوں کو بچاؤں گا۔ تم اور نظر حیدر آبادی بھی میرے ہی گھر پناہ لینے آؤ گے۔ میرا گھر اس وقت ابو سفیان کا گھر ہوگا۔

لیکن اچانک ایک صبح مجھے میرے بھائی نے جگایا اور تازہ اخبار سامنے کردیا جس میں موٹے حروف میں لکھا تھا۔ "شعیب اللہ خاں کا قتل"۔

www.taemeernews.com

ایک دو اخباروں نے "خس کم جہاں پاک" کی سرخی قائم کی تھی۔ خبر کی تفصیل تھی کہ کل رات کو دو رضاکاروں نے مسٹر شعیب اللہ خان کو اس وقت قتل کیا جب کہ وہ اپنے دفتر سے گھر واپس ہو رہے تھے۔

ہمیں اس قتل کا بڑا افسوس ہوا۔ شعیب سے ہمارے لاکھ سیاسی اختلافات سہی لیکن یہ قتل یقیناً "ایک دیوانگی اور بہیمیت کا نتیجہ تھا۔ میں، خضر شہزاد اور عبدالرزاق لاری شعیب کے گھر گئے وہاں کوئی مسلمان نہ تھا سب کانگریسی اور ہندو تھے۔ حتیٰ کہ اس کے جنازے میں بھی کوئی مسلمان شریک نہیں ہوا۔ جب اس کا جنازہ محلے کی مسجدوں میں نماز جنازہ پڑھنے کے لئے لے جایا گیا تو مسجدوں کے ملاؤں نے اس کے جنازے پر مسجدوں کے دروازے بند کر دیئے۔ اور نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا۔ سرِ شام بڑی کسمپرسی کے عالم میں اس کی لاش دفن کر دی گئی۔

وہ حیدر آباد میں تو بڑی بے عزت موت مرا لیکن ہندوستان اور بیرون ہندوستان میں اس کی موت کو بڑی عزت دی گئی۔ آل انڈیا ریڈیو کے علاوہ بی بی سی لندن نے اس کی موت پر اظہار افسوس کیا۔ لندن پارلیمنٹ میں اس کے قتل کا واقعہ پیش ہوا اور اس کے قتل کی ذمہ داری مجاہد اعظم قاسم رضوی پر ڈال دی گئی۔ (اور اب مجاہد اعظم پر اسی قتل کا مقدمہ چل رہا ہے) مگر جہاں تک اصل حقیقت کا تعلق ہے قاسم رضوی کا اس قتل سے کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ قاسم رضوی کے ایک منہ چڑھے رضاکار لیڈر قادر محی الدین اسیر جو آج کل قاسم رضوی کے خلاف سرکاری گواہ ہے اور جو پہلے قاسم رضوی کی ناک کا بال تھا اور قاسم رضوی نے اسے بڑی سرکاری ملازمت اور لاکھوں کے پرمٹ دلائے تھے۔ اس کی اور شعیب اللہ خان کی یونیورسٹی کے زمانے سے دشمنی تھی۔ یونیورسٹی یونین کے سالانہ انتخابات میں شعیب اللہ خاں سکریٹری شپ کی پوسٹ کے لئے اسیر کا مخالف امیدوار بھی تھا۔ اور اسیر نے انتخابات کے دن شعیب اللہ خاں کو اغوا کروا دیا تھا اور انتخاب جیت گیا تھا۔ یونیورسٹی کے باہر عملی زندگی میں بھی اسیر کی شعیب سے سخت دشمنی رہی وہ دونوں ہم محلہ بھی تھے۔ یعنی محلہ کاچی گوڑہ میں رہتے تھے۔

www.taemeernews.com

قادر محی الدین اسیر اس محلہ کے رضاکاروں کا افسر اعلیٰ بھی تھا۔ باہمی دشمنی جب بہت عروج پر پہنچ گئی تو ایک رات اسیر نے شعیب کو دو رضاکاروں کی مدد سے قتل کرا دیا۔

شعیب کے قتل کے دن شام کو میں نظر حیدر آبادی' شاہد صدیقی' جمیل احمد فاروقی' اور خواجہ معین الدین قاسم رضوی صاحب کے گھر بیٹھے تھے رضوی صاحب کسی گاؤں کے دورے سے واپس آئے تھے۔ اس وقت قادر محی الدین اسیر بھی رضوی صاحب کے گھر آیا۔ مجھے یاد ہے رضوی صاحب نے اس وقت اسیر سے کہا تھا۔

'یہ بہت بری حرکت کی گئی ہے۔ سبھوں کو اس قتل کا افسوس تھا۔ رہی قاسم رضوی کی اس جرم میں اعانت تو وہ یوں غلط تھی کہ قاسم رضوی ان دنوں حیدر آباد میں نہیں تھا' وہ چاہتا تو مسٹر نرسنگ راؤ کی طرح شعیب کو بھی قید کرا سکتا تھا۔ اس کا اخبار بند کرا سکتا تھا مسٹر نرسنگ راؤ کے مقابلے میں شعیب کی حیثیت بالکل ہی معمولی تھی۔ بہرحال شعیب اللہ خان قتل ہو گیا۔ مسلمان کہتے تھے جہنم واصل ہو گیا اور ہندو کہتے تھے کہ "سورگباش" ہو گیا۔

دو نئے مذہب

شعیب کے قتل کے بعد حیدر آباد اور اضلاع حیدر آباد کی فرقہ وارانہ فضاء بڑی مکدر ہو گئی۔ چھوٹے چھوٹے دیہاتوں اور گاؤں میں ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے۔ اضلاع میں لوٹ مار' قتل و غارت گری کے بازار گرم ہو گئے۔ ہندو اضلاع سے ہندوستانی علاقوں میں بھاگنے لگے اور ہندوستانی علاقوں میں حیدر آبادی مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ بمبئی سے بعض میرے عزیزوں کے خطوط آئے کہ وہاں کے مسلمانوں کو حیدر آبادی جاسوس سمجھ کر گرفتار کیا جا رہا ہے۔ ہمارے افسانہ نگار دوست ع احمد کے بھائی حنیف خمار' جو کئی فلموں کی کہانیاں مکالمے اور گیت لکھ چکے ہیں' گرفتار کر لئے گئے۔ سلطان حسین تاجر جو ابتداء ہی سے بمبئی میں رہتے ہیں انہیں حیدر آبادی جاسوس قرار دے کر گرفتار کر لیا گیا۔ بمبئی سے جو بھی مسلمان کسی

www.taemeernews.com

حیدر آبادی کو خط لکھتا یا چار مینار سگریٹ خریدتا --- سی آئی ڈی پولیس اس کے پیچھے لگ جاتی تھی۔ خبریں آنے لگیں کہ ہندوستانی افواج حیدر آباد کی سرحدوں پر جمع ہو رہی ہیں۔ حیدر آبادی فوج اور رضا کاروں میں تیزی سے بھرتی شروع ہو گئی۔ عثمانیہ یونیورسٹی کو ایک غیر معین مدت کے لئے چھٹی دے دی گئی اور نوجوان طالب علموں کو سرکاری فوج میں اور قومی فوج میں شامل کرنا شروع کردیا گیا۔ سڈنی کاٹن دن میں دو دو بار حیدر آباد کے چکر لگانے لگا۔ اور قاسم رضوی صاحب فاتحانہ انداز میں مسکراتے ہوئے عوام کو "گھبراؤ نہیں --- ہتھیار آسمان سے برس رہے ہیں خدا ہماری مدد پر ہے اور پاکستان ----"

میر لائق علی ایک رات خفیہ طریقے پر سڈنی کاٹن کے پلین میں کراچی بھی گئے۔ مسٹر جناح کی زیارت بھی کی۔ قائداعظم سخت بیمار تھے جان بلب تھے اسی لئے وہ ایک لفظ ساتھ لئے منہ لٹکائے حیدر آباد لوٹ آئے۔ حیدر آبادی اضلاع کی حالت بے حد خراب ہو گئی تھی۔ عثمان آباد سے میرے والد محترم' والدہ محترمہ اور چھوٹے چھوٹے بھائیوں نے ہمیں لکھا کہ بس ہم سب کا آخری وقت آگیا ہے۔ جو جوالا مکھی عرصے سے اندر ہی اندر سلگ رہا تھا اب بہت جلد پھٹنے والا ہے۔ اس کے اکے دکے دھماکے زمرد محل ٹاکیز اور پیلس ٹاکیز کے عابد روڈ کے صدر پولیس تھانے میں ہو چکے تھے۔

اضلاع سے امیر دولت مند مسلمان اور اتحاد المسلمین کے ضلع واری عوام کو بے یارومددگار چھوڑ کر شہر حیدر آباد بھاگے چلے آ رہے تھے۔ حیدر آباد شہر میں بھی سراسیمگی سی پھیل گئی تھی لیکن حیدر آباد کے ڈاکٹر نونہلز حمید الدین احمد سیکرٹری محکمہ نشرواشاعت نے حیدر آباد ریڈیو کے اسٹاف کو حکم دے دیا کہ عوام کے مورال (Moral) کو بلند رکھنے کے لئے ریڈیو بغیر وقفے کے صبح سات سے رات کے بارہ بجے تک چلتا رہے اور اس کے لئے حیدر آباد کے سارے اہل قلم کی خدمات حاصل کی جائیں۔ ڈاکٹر یوسف حسین خان' پروفیسر عزیز احمد' پروفیسر منظور حسین شور' اکبر وفا قانی' تحسین سروری' صمد رضوی ساز' نظر حیدر آبادی' شاہد صدیقی' بدر شکیب' پروفیسر

www.taemeernews.com

عبدالقیوم خان باقی' پروفیسر آغا حیدر حسین' مشتاق جلیلی' ریاض فرشوری' احمد عبدالقیوم' محمود عبدالماجد' سلطانہ عزیز رفعت' امجد یوسف زئی' عزیز اللہ' جیبی' سعیدہ مظہر' عرش حیدری' علی احمد جلیلی' خیرات ندیم' تاج شہریار' ابن علی' شکور بیگ اور بہت سے ادیبوں نے رزمیہ فیچر' مضامین' افسانے' ڈرامے' نظمیں' کورس اور ترانے لکھنے شروع کردیئے جب کوئی پروگرام نہیں ہوتا تھا تو علامہ اقبال کا کلام سعیدہ مظہر یا عزیز جاوید ترنم سے پڑھا کرتے تھے۔

ریڈیو اسٹیشن اور دارالسلام دن بھر اور رات رات بھر جاگتے رہتے تھے۔ جب دیکھو آدھی رات میں یا کڑی دوپہر میں دارالسلام اور ریڈیو اسٹیشن دونوں مقامات پر ہجوم ہی ہجوم ہے کام ہی کام ہے شور ہی شور ہے ہنگامہ ہی ہنگامہ ہے۔

جاگیردار اور سرمایہ دار کی سرگوشی

حضور نظام نے جب دیکھا کہ ریاست کی حالت بہت ابتر ہوگئی ہے۔ قاسم رضوی ڈکٹیٹر ہوگیا ہے اور حضور نظام خود بے دست و پا ہو کر رہ گیا ہے' اسے ڈر ہوگیا کہ اب قاسم رضوی اسے قتل کردے گا اور اس کی بے شمار و بے اندازہ دولت اس کے قبضے سے نکل جائے گی تو اس نے ایک رات خفیہ طور پر ہندوستان کے ایجنٹ جنرل متعین حیدرآباد مسٹر کے ایم منشی کو اپنے محل میں بلوایا اور اس کے سامنے صاف صاف اعتراف کرلیا کہ کچھ کرو مجھے اور میری دولت کو بچاؤ۔

یہ راز کی باتیں دوسرے دن حضور نظام کی پیشی کے ایک "مقرب خاص" نے فاش کردیں۔ مجھے کوئی تعجب نہیں ہوا کیونکہ نظام اپنی موروثی اور خاندانی روایات برقرار رکھنا چاہتا تھا۔

قاسم رضوی کو جب اس سازش کی اطلاع ملی تو اس نے کنگ کوٹھی پر اپنی خفیہ پولیس کا جال مضبوط کردیا۔ شہر میں افواہ اڑی کہ نظام کی اس سازش میں افواج آصفیہ کا کمانڈر میجر جنرل العیدروس بھی شامل ہے مگر قاسم رضوی کو اس پر بہت اعتماد تھا وہ

www.taemeernews.com

کمانڈر ہونے کے علاوہ ان کا قریبی عزیز بھی تھا۔ انہیں یقین تھا کہ وہ کبھی دھوکا نہیں دے سکتا۔ انہی دنوں نواب زین یار جنگ بہادر اچانک دہلی چلے جانے کے لئے تیار ہوگئے اور چلے گئے ان کے دہلی پرواز کرنے کے بعد حیدر آباد کے بڑے خاص خاص حلقوں میں یہ راز فاش ہوا کہ نظام نے قاسم رضوی کے ڈر سے ہندوستانی حکومت کے نام اور ان کی فوجوں کو دعوت نامہ اس امام ضامن میں سی کردیا جو آغاز سفر سے قبل ان کے سیدھے بازو پر باندھا گیا تھا۔

نواب زین یار جنگ کے تشریف لے جانے کے بعد حیدر آباد کی سیاسی فضاء میں عجیب تکدر سا پیدا ہوگیا۔ عجیب عجیب وحشت ناک قیاس آرائیاں ہونے لگیں۔ مسلمانوں میں اختلافات پیدا ہوگئے' شیعہ سنی کا سوال پیدا ہوگیا۔ اتحاد المسلمین کی قیادت سنی مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی اور بادشاہت شیعہ مسلمانوں کے۔ سنی مسلمانوں کا خیال تھا کہ شیعہ جن میں اعلیٰ حضرت کے علاوہ نواب زین یار جنگ' نواب ہوش یار جنگ' نواب علی یاور جنگ اور دوسرے ذی اقتدار شیعہ حکومت کو ہندوؤں کے قدموں میں ڈال دینا چاہتے ہیں اور زین یار جنگ کا سفر بھی اسی لئے معنی خیز ہے۔ اسی لئے شک آمیز ہے۔

ہندوستانی فوجوں کا حملہ

لیکن اسی رات میں نے ریڈیو اسٹیشن میں بارہ بج کر کچھ منٹ پر پاکستان ریڈیو سے ایک وحشت ناک خبر سنی کہ قائداعظم محمد علی جناح رات دس بج کر ۲۵ منٹ پر اس جہاں فانی سے رخصت ہوگئے۔

ریڈیو کا سارا اسٹاف رو پڑا۔ دوسرے دن ریڈیو اسٹیشن دن بھر ماتمی پروگرام پیش کرتا رہا اور سارے "جنوبی پاکستان" میں گہرے سوگ اور غم کا مظاہرہ کیا گیا۔

قائداعظم کے سوگ میں ابھی اسلامیان حیدر آباد کے آنسو بھی نہ سوکھے تھے کہ دوسرے ہی دن سویرے صبح ساڑھے سات بجے حیدر آباد ریڈیو نے اعلان کیا کہ آج صبح

www.taemeernews.com

ہندوستان نے اعلان جنگ کردیا ہے اور ہندوستانی فوجوں نے پہلا حملہ ورنگل شہر پر کردیا ہے۔"

اس خبر سے سارے شہر میں کھلبلی سی مچ گئی حیدر آبادیوں کا غم و غصہ بہت تیز ہوگیا۔ قائداعظم کی وفات اور ہندوستانی فوجوں کے اس اچانک حملہ نے حیدر آبادی مسلمانوں کے جذبہ جہادو شوق شہادت کو ایک اور مہمیز لگائی۔

میں ریڈیو اسٹیشن سے سیدھا دارالسلام" پہنچا وہاں نظرحیدر آبادی اور خواجہ معین الدین پہلے ہی سے مجاہد اعظم کے پاس بیٹھے تھے۔ مجاہد اعظم رضا کاروں کی وردی میں تشریف فرما تھے مگران کے چہرے پر فکرو تردد کی ایک کرن ایک لکیر تک نہ تھی۔

دارالسلام کا گراونڈ سرکاری ریلوے بسوں سے بھرا ہوا تھا جن کی چھتوں پر جنگی مصلحت کی بناء پر درختوں کے پتے اور چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں رکھی گئی تھیں تاکہ ہندوستانی ہوائی جہاز انہیں بس نہ سمجھیں بلکہ چلتا پھرتا جنگل سمجھیں۔ ان بسوں میں نوجوان تربیت یافتہ رضاکار بھرے جارہے تھے ہندوستانی کافروں سے جہاد کرنے' غازی بننے یا شہید ہونے کے لئے جارہے تھے۔ جو لوگ ان رضاکاروں کو رخصت کرنے آئے تھے وہ بسوں کے جانے کے بعد زار وقطار روتے تھے۔ اور بھرائی ہوئی آواز میں نعرے لگاتے تھے۔

نعرہ تکبیر اللہ اکبر

شاہ عثمان زندہ باد

آزاد حیدر آباد پائندہ باد

حیدر آباد ریڈیو اسٹیشن کی حالت بالکل ایسے ریڈیو اسٹیشن کی ہوگئی جو میدان جنگ کے کنارے واقع ہو۔ آغا حیدر حسن جو پہلے دہلی کی بیگماتی زبان میں تقریریں کرتے تھے انہوں نے بھی پہلی مرتبہ ایک رزمیہ تقریر براڈکاسٹ کی۔ نظر حیدر آبادی' شاہد صدیقی اور تحسین سروری نے نہایت جوشیلی نظمیں سنانی شروع کیں۔ ابراہیم جلیس نے دس دس منٹ کی آتشیں تقریریں نشر کیں جو سننے والوں کے منجمد لہو کو کھولا دیتی تھیں۔

www.taemeernews.com

مرزا ظفرالحسن پروگرام ڈائرکٹر ہر اسٹوڈیو میں چیختے پھرتے تھے کہ ایسا پروگرام لکھو جو عوام کے مورال کو گرنے نہ دے۔ ایسا پروگرام لکھو کہ سننے والے کفن باندھ لیں۔

ریڈیو صبح سات بجے سے رات کے بارہ بجے تک مسلسل آگ اور لوہے میں ڈھلی تقریریں اور نظمیں سناتا تھا لوگ دن دن بھر دھوپ میں کھڑے رہ کر پروگرام سنتے۔ اقبال کا وہ سارا کلام

ا۔ مسلماں کے لہو میں ہے سلیقہ دل نوازی کا

ب۔ تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

ج۔ نہیں نومید اقبال

د۔ ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

ر۔ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اضلاع سے خبریں آنے لگیں کہ ورنگل پر ہندوستانی یونین کا قبضہ ہوگیا' بیدر میں ایک مسلمان بھی نہیں بچا' عثمان آباد میں قتل عام ہورہا ہے بیدر کے بعد گلبرگہ کے حالات بڑے تشویشناک بتائے جارہے تھے۔

محاذ جنگ سے ہر گھنٹے بعد خبریں آتی تھیں کہ ہزاروں رضاکار شہید ہورہے ہیں۔ ریاستی فوج کہیں نہیں لڑ رہی ہے بس پیچھے ہی پیچھے ہٹتی جارہی ہے۔ غیر تربیت یافتہ نامکمل طور پر مسلح رضاکار آگے ہوتے ہیں اور ریاستی فوج ان کے پیچھے رہتی ہے۔ رضاکار جب کٹ جاتے ہیں تو فوج پیچھے ہٹ جاتی ہے۔

ہندوستانی فوجوں کے ٹینک' ٹرک' لاریاں سب پختہ سڑکوں سے بڑے اطمینان سے آگے بڑھتی چلی آرہی ہیں۔ ورنگل چلا گیا۔ عثمان آباد چلا گیا' بیدر چلا گیا' رائچور چلا گیا' محبوب نگر چلا گیا۔

مجاہد اعظم قاسم رضوی کو بڑا غصہ آگیا۔ وہ اپنا اسٹیشن ویگن ڈرائیو کرتے افواج کے ہیڈ کوارٹرس پہنچے اور کمانڈر عیدروس پر برسنے لگے۔ مگر عیدروس نے بڑی مکاری سے جواب دیا۔

www.taemeernews.com

"قبلہ یہ جنگ ہے جنگ ---- آپ کیوں گھبراتے ہیں۔ میں پچھلی جنگ میں برما کا فاتح قرار دیا گیا ہوں۔ مگر میں کیا کر سکتا ہوں۔ ہندوستانی فوجوں نے ۲۷ محاذ کھول رکھے ہیں۔ دنیا کا سب سے بڑا فوجی جرنیل فیلڈ مارشل منٹگمری اتنے محاذوں پر نہیں لڑ سکا وہ صرف تین محاذوں پر لڑ سکا ہے مگر آپ گھبرائیں نہیں میں دراصل بیلٹ چھوٹا کر رہا ہوں۔ آنے دیجئے انہیں ہم سب اسٹالین گراڈ کی لڑائی لڑیں گے۔ پھر آپ بمبئی کی مسجد میں مدراس کی مسجد میں اور اللہ چاہے تو جامع مسجد دہلی میں نماز شکرانہ و نماز فتح پڑھیں گے۔"

مجاہد اعظم اس جواب سے مطمئن اور مسرور دارالسلام لوٹ آئے اور سب سے یہی کہنے لگے --- ہم اس اسٹالین گراڈ کی لڑائی لڑیں گے۔ میں نے ڈرتے ڈرتے مجاہد اعظم سے عرض کیا۔

"امیر المومنین مجھے کمانڈر عیدروس پر کچھ شبہ ہو رہا ہے۔ جانے کیوں ---؟ میرا دل اندر ہی اندر سے کہہ رہا ہے کہ ضرور اس میں کوئی سازش ہے مجھے اب کمانڈر پر بھروسہ ہے نہ ریاستی فوج پر۔ میں اس ریاستی فوج کی فطرت سے واقف ہوں یہ فوج ہمیشہ دوسروں کی حفاظت کے لئے لڑتی رہی ہے' ہمیشہ لندن کے تحفظ کی خاطر میدانوں میں گئی ہے' آج جبکہ اس کے اپنے وطن کے لئے اس کی بہادری کی ضرورت ہے' وہ پیچھے ہٹ رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہماری فوج حیدر آباد کے لئے نہیں بلکہ دہلی کے لئے لڑ رہی ہے۔ مجاہد اعظم میری اس "احمقانہ فکر" پر ہنس پڑے اور کہا جاؤ فاونٹین پن سنبھالو۔ ابھی بچے ہو نا خدا پر بھروسہ رکھو میں نے ان سے پوچھا: "میں اپنے بارے میں نہیں ان رضاکاروں کے بارے میں متفکر ہوں جو میدان جنگ میں لڑ رہے ہیں"۔

مجاہد اعظم نے جواب دیا: "اللہ کا نام ان کی حفاظت کرے گا۔"

میں نے گستاخانہ لہجے میں عرض کیا: "اللہ کا نام کوئی شیڈ تو نہیں ہے جو گولی روک لے"۔

مجاہد اعظم نے غصیلی نظروں سے مجھے دیکھا اور میں سہم کر باہر چلا آیا۔ ریڈیو

www.taemeernews.com

اسٹیشن گیا تو معلوم ہوا کہ لوگ صبح سے ٹیلی فون پر اور بالمشافہ نیوز ایڈیٹر مسٹر عزیز رضوی کو گالیاں دے رہے ہیں۔ لوگ حق بجانب تھے کیونکہ ریڈیو سے رات اور دن میں کل آٹھ بار خبریں سنائی جاتی تھیں مگر خبروں میں مطلق نہیں بتایا جاتا تھا کہ ورنگل بیدر' عثمان آباد' محبوب نگر' رائچور' ناندیڑ پربھنی اور دوسرے چھوٹے چھوٹے مواضعات پر ہندوستانی یونین کا قبضہ ہوچکا تھا۔ ریڈیو اسٹیشن ڈرتا تھا کہ ایسی خبریں سن کر حیدرآبادی مسلمانوں کا مورال نہ گرجائے ورنگل اور عثمان آباد پر جنگ کے پہلے ہی دن قبضہ ہوچکا تھا مگر ہمارا ریڈیو یہی کہتا تھا کہ ورنگل اور عثمان آباد میں ہماری بہادر فوجیں اور شیردل رضاکار ڈٹ کر دشمنوں کا مقابلہ کررہے ہیں اور دشمنوں کو پیچھے ہی پیچھے دھکیل کر آگے ہی آگے بڑھتے جارہے ہیں' حیدرآبادی مجاہد اپنی لاش دے دیتا ہے مگر وطن عزیز کی چپہ بھر زمین دشمن کے قبضہ میں جانے نہیں دیتا۔

لیکن یہ پروپیگنڈہ جھوٹ کی کمزور ٹانگوں پر زیادہ دیر تک نہیں کھڑا ہوسکا۔ ورنگل' عثمان آباد' محبوب نگر' بیڑ' ناندیڑ' پربھنی' رائچور' محبوب نگر سے بچے کھچے مسلمان "مجسم خبر" بن کر حیدرآباد آنے لگے تھے اور جنگ کے تیسرے دن شام کو اکثر لوگوں نے اورنگ آباد ریڈیو سنا جس کی شام کی ٹرانسمیشن کا پہلا اناؤنس منٹ تھا۔

"یہ آل انڈیا ریڈیو اورنگ آباد ہے۔ اب آپ جگجیت سنگھ جی سے ہندوستانی میں خبریں سنیے۔"

حیدرآبادیوں میں صف ماتم بچھ گئی۔ حیدرآباد کے تین بڑے صوبے ورنگل' گلبرگہ' اورنگ آباد بھی ہاتھ سے نکل گئے تھے اور صرف ایک صوبہ میدک اور دارالخلافہ حیدرآباد باقی رہ گئے تھے۔

لوگ دکن ریڈیو سے مایوس ہوکر ریڈیو پاکستان کی طرف متوجہ ہوئے حیدرآباد کے "افوہیوں" نے یہ افواہ مشہور کردی کہ حیدرآباد پر ہندوستانی حملے کے ردعمل کے طور پر پاکستان نے امرتسر پر حملہ کردیا ہے اور اس کے جنگی جہاز بمبئی پر حملہ کرنے کے لئے کراچی سے روانہ ہوچکے ہیں۔ یہ افواہ سن کر اچھے اچھے سمجھدار تعلیم یافتہ لوگ بھی

www.taemeernews.com

خوشی سے ایک دوسرے سے بغل گیر ہو جاتے مگر شام کو خبریں ہوتیں' پاکستان کچھ نہ بولتا۔ رات کی خبریں ہوتیں۔ پاکستان خاموش رہتا' صبح کی خبریں ہوتیں' پاکستان گونگے کی طرح خاموش رہتا۔ دوپہر کی خبریں حیدر آباد میں سنائی نہیں دیتیں تھیں۔

دارالخلافہ میں مسلمانوں کا "مورال" بہت گر چکا تھا۔ لوگ صحیح حالات معلوم کرنے کے لئے دن بھر دارالسلام میں رہتے۔ اختتام جنگ سے ایک روز قبل میں مجاہد اعظم کے پاس بیٹھا تھا' کریم نگر ضلع کے صدر مجلس اتحاد المسلمین اور رضاکاروں کے سالار آئے اور عرض کیا کہ:

"کریم نگر تباہ ہو چکا ہے۔ رضاکار جنگلوں میں چھپے ہوئے ہیں ان کو واپس بلوانے کے لئے یہاں موٹریں اور بسیں بھیجی جائیں"۔

مجاہد اعظم نے ریاست بھر کے رضاکاروں کے سالار اعلیٰ مسٹر بشیر احمد کو بلایا اور حکم دیا:

"کریم نگر کو دس لاریاں اور بسیں بھیج دو۔"

ریاست بھر کے رضاکاروں کے سالار اعلیٰ نے فرمایا "میں نے انتظام کر دیا ہے وہ رضاکار ریل سے آجائیں گے" مجاہد اعظم نے غصہ سے "پیپر ویٹ" دیوار پر دے مارا اور چیخ کر بولے تم رضاکاروں کے سالار اعلیٰ ہو' تم یہ بیہودہ بات کرتے ہو۔ کیا کریم نگر کوئی ریلوے اسٹیشن ہے' کیا کریم نگر کے پاس تمہارے باپ دادا نے ریلوے لائن بنائی ہے۔؟"

ریاست بھر کے رضاکاروں کے سالار اعلیٰ نے اپنا سر شرم سے جھکا لیا۔ مجھے بھی اس منحوس پر بڑا غصہ آیا۔ جی چاہتا تھا کہ اس کا گلا دبا دوں۔ رضاکاروں کی قومی فوج کا کمانڈر بنا ہے اور اسے خود اپنے میدان جنگ کا نقشہ تک نہیں معلوم۔ اس نامعقول کو یہ تک نہیں معلوم کہ کریم نگر میں ریلوے اسٹیشن نہیں ہے۔"

میں آزاد حیدر آباد کی زندگی سے مکمل طور پر مایوس ہو گیا۔ تھوڑی بہت امید تھی لیکن ریاست بھر کے رضاکاروں کے سالار اعلیٰ کی اس جنگی قابلیت کو دیکھ کر وہ رہی سہی

www.taemeernews.com

امید بھی مر گئی۔

وہ رات حیدر آباد کی آزادی کی آخری رات تھی۔ وہ رات "بیمار" پر بہت بھاری تھی۔ ہم لوگ بڑے ڈسپیریٹ ہو کر پروگرام لکھ رہے تھے نشر کر رہے تھے۔ رات ساڑھے نو بجے کے بعد تو ہم سب نوجوان مقررین ریڈیو مائکروفون سے ہندوستانی حکومت کو، ہندوستانی لیڈروں کو، ہندوستانی فوجوں کو کھلم کھلا گالیاں بکنے لگے۔

اچانک ہوائی خطرے کا سائرن بجا اور سارے ریڈیو اسٹیشن کی روشنیاں بجھا دی گئیں۔ ہندوستانی یونین کا ایک ہوائی جہاز دو گھنٹے تک ریڈیو اسٹیشن کے سر پر چکر کاٹتا رہا۔ کبھی بہت نیچے آجاتا کبھی بہت اوپر چلا جاتا۔ ہم سب یار دوست آپس میں لپٹ لپٹ کر خوب گلے ملے کیونکہ ہمیں یقین تھا کہ ابھی اوپر ایک بم گرے گا اور ہم سب ریڈیو کی بلڈنگ کے ملبے میں دب کر مر جائیں گے۔ ہماری آنکھوں میں بیوی بچوں، ماں باپ، بھائیوں کی صورتیں گھوم رہی تھیں۔ افسوس کہ گھروں کو وصیت بھجوانے کا بھی کوئی وسیلہ نہیں تھا۔ ایک بار تو جی چاہا کہ اسٹوڈیو میں گھس کر اور مائکروفون سے اپنے لواحقین کو "وصیت" بھی کر دیں۔

وہ ہوائی جہاز غالباً "بامبر" نہیں تھا۔ غالباً "فائٹر" تھا یا نہ بامبر تھا نہ فائٹر۔ بس صرف ہوائی جہاز تھا جو یونہی تفریحاً "حیدر آبادی شجاعت یا حیدر آبادی "انٹی ایرکرافٹ" کا امتحان لینے آیا تھا۔ اور اسی دن ہمیں پتہ چلا تھا کہ حیدر آباد کے پاس صرف ایک اینٹی ایئر کرافٹ گن ہے مگر وہ بھی بس یونہی ہے۔

خدا خدا کر کے دو گھنٹے بعد وہ جہاز سروں پر سے ٹلا مگر "سائرن ڈپارٹمنٹ" شاید خطرے کا سائرن بجا کر سو گیا تھا۔ صبح سات بجے تک اس نے "آل کلیئر" کا سائرن ہی نہیں دیا اور ہم رات بھر ریڈیو اسٹیشن میں خوف اور دہشت کے مارے جاگتے رہے اور گھبراتے رہے۔ صبح ہوئی تو گھر لوٹے۔ لوگ کہہ رہے تھے کہ وہ ہوائی جہاز ہندوستان کا نہیں تھا ہمارا اپنا تھا جو ریہرسل کے لئے پرواز کر رہا تھا۔ ہم نے ایک بہت بڑے فوجی افسر سے استفسار کیا تو اس نے ہمیں ایک نہایت حیرت انگیز بات بتائی کہ حیدر آباد کے

www.taemeernews.com

پاس کوئی ہوائی فوج نہیں ہے۔ ہمیں یہ راز سن کر بڑا غصہ آیا۔ شدت غصہ سے میرا ذہنی توازن غائب ہوگیا تھا میں اتحاد المسلمین کے ایک ذمہ دار افسر سے جھگڑ پڑا کہ جب آپ کے پاس کوئی ہوائی فوج نہیں' اینٹی ایئر کرافٹ گن تک نہیں تو پھر یہ بلند آہنگ دعوے کیوں کئے جارہے ہیں۔ کیا صرف پروپیگنڈا اور اعصابی جنگ سے کوئی میدان جیتا جاسکتا ہے---؟؟

مگر جواب دینے کی کسے فرصت تھی۔ آخری وقت آچکا تھا اور ہندوستانی فوجیں حیدر آباد شہر کے اطراف بیس پچیس میل دور رہ گئیں تھیں۔

حضور نظام' زین یار جنگ' اور کمانڈر افواج آصفیہ احمد العیدروس کی غداری کے قصے زبان زد عام ہوگئے تھے حیدر آبادی مسلمانوں میں سراسیمگی گھبراہٹ اور دہشت پھیل گئی تھی "مورال" تو بالکل ہی گر چکا تھا۔

• ٹیپو کی دوسری موت

وہ جمعہ کا دن تھا امیر المومنین یا قیامت المومنین آزاد حیدر آباد کا آخری سورج طلوع ہوچکا تھا۔

حیدر آباد ریڈیو سے حسب معمول دن کے دس بجے سے بارہ بجے تک خواتین کا پروگرام ہوا کرتا تھا۔ لیکن کوئی خاتون پروگرام کے لئے تشریف نہیں لائی تھیں۔ لوگ ٹیلی فون پر ریڈیو کے ارباب اقتدار کو گالیاں دے رہے تھے۔

مرزا ظفر الحسن نے اشفاق حسین' ع احمد' ایم اے رؤف وغیرہ سے مشورہ کیا کہ میر لائق علی اور مجاہد اعظم کی تقریریں نشر کرائی جائیں تاکہ مسلمانوں کے دل میں پھر سے امید' زندگی اور ہمت پیدا ہو۔

میر لائق علی شاہ منزل میں نہیں تھے۔ دار السلام میں نہیں تھے' ان کی بڑی تلاش کی گئی آخر کار پتہ چلا کہ وہ درگاہ یوسف صاحب شریف صاحب" میں بیٹھے ہیں اور محو عبادت ہیں۔ اللہ ---- اللہ ---- اللہ ---- اللہ ----

www.taemeernews.com

ہم ان سے مایوس ہو کر مجاہد اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مجاہد اعظم نے آدھے گھنٹے کے اندر ریڈیو اسٹیشن پہنچنے کا وعدہ کیا۔

اور ادھر ریڈیو اسٹیشن میں اس آدھے گھنٹے کے دوران میں مرزا ظفرالحسن، مس جہاں آرا جدی، محمود، عبدالماجد، رضوان سبھوں نے باری باری کوئی پچاس بار اعلان کیا کہ مجاہد اعظم اسلامیان ارض دکن کو آخری بار مخاطب فرمانے والے ہیں۔

جب کے ایل سہگل یاس آگئیں آواز میں مسلمانان دکن کو

کاہے ہووت اداس پنچھی
پنجرا لے کر اڑ جا پنچھی

کی ڈھارس دینے کی ناکام کوشش کے بعد خاموش ہو گیا تو مرزا ظفرالحسن کی آواز مجاہد اعظم کے نام کا سارا شکوہ لے کر گونجی۔۔۔ سارا گھر سارا شہر ریڈیو کے گرد جمع ہو گیا مجاہد اعظم کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"آزاد دکن کے آزاد باشندو!

میں آزاد حیدر آباد کے آزاد ریڈیو سے آخری بار آپ کو مخاطب کر رہا ہوں آپ ایک سال تک آزادی کی زندگی بخش چھاؤں میں آزاد زندگی سے ہم آغوش تھے مگر آج کے بعد کل"۔۔۔۔۔ کل؟؟؟

مجاہد اعظم کی آواز عورتوں مردوں اور بچوں کی بلند چیخوں اور آہ و زاری میں گم ہو گئی۔۔۔ آنے والا "کل" نالہ و شیون میں پھنس کر رہ گیا طلوع ہی نہ ہو سکا۔ اور اب شاید اس "کل" کا طلوع بھی مجاہد اعظم کے قبضہ و اختیار سے باہر تھا۔

میں چپ چاپ اپنا کوٹ کندھے پر یونہی ڈال کر باہر نکل گیا۔ خیرت آباد سے حیدر گوڑے تک حیدر گوڑے سے عابد روڈ تک، عابد روڈ سے دارالسلام تک مسلمانوں کا ہجوم ہی ہجوم تھا۔ مسلمانوں کی ساری دوکانیں بند تھیں۔ البتہ درزیوں کی ساری دوکانیں کھلی ہوئی تھیں جن کے آگے بنجارہ ہل، خیرت آباد، خلوت شاہی، سوماجی گوڑہ، امیر پیٹھ، حمایت نگر، اور کنگ کوٹھی روڈ کے مسلمان نوابوں، جاگیرداروں، امیروں،

www.taemeernews.com

سرمایہ داروں، اور تاجروں کی کاریں کھڑیں تھیں اور یہ اطلس و کمخواب کی شیروانیاں اور مصری بانات کی ترکی اور رومی اور مصری ٹوپیاں پہننے والے نواب جاگیردار اور رئیس اب نہرو وضع کے کرتوں، جاکٹوں، بش شرٹوں اور سوٹوں کا ناپ دے رہے تھے، پٹنگے بردارس ریڈی میڈ کلاتھ مرچنٹس نے اپنی دکانوں میں گاندھی ٹوپیوں اور ترنگے جھنڈوں کا انبار لگا رکھا تھا۔

میں اپنے محبوب ہوٹل نظامیہ ہوٹل میں چائے پینے چلا گیا اس ہوٹل کے بیرے، پان والا، سگریٹ والا، سائیکل حفاظت والا، باورچی، سب میرے گرد جمع ہو گئے، اور پوچھنے لگے۔

"صاب ---- بتاؤ اب کیا ہوگا۔

میں ایک سگریٹ جلا کر بید کی آرام کرسی پر گر گیا۔ کچھ نہ سنا کچھ نہ بولا۔ اسی اثناء میں میرا جگری دوست تاج شہریار جو ریاستی فوج میں سیکنڈ لیفٹیننٹ تھا، میری تلاش میں وہاں آیا اور تقریباً آبدیدہ ہو کر بولا۔

"جلیس پیارے ---- آزاد حیدر آباد مر گیا حضور نظام نے اپنی فوجوں کو حکم دے دیا ہے کہ آج سہ پہر وہ ہندوستانی فوجوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیں"

میں نے غصے سے اٹھ کر تاج شہریار کے دونوں کندھے پکڑ لئے اور غضبناک نگاہوں سے بڑی دیر تک اسے گھورتا رہا۔

ہم دونوں باہر نکلے اور قدم قدم پر ہمارے کانوں سے ایک ہی آواز ٹکراتی تھی۔

"سیز فائر"

"سیز فائر"

"سیز فائر"

اب فضا میں "اللہ اکبر" کا نعرہ نہیں تھا "شاہ عثمان زندہ باد" کی چیخیں نہیں تھیں۔ "آزاد حیدر آباد پائندہ باد" کا شور نہیں تھا۔ صرف ایک ہی نعرہ تھا ایک ہی چیخ تھی۔

"سیز فائر"

www.taemeernews.com

میں نظراور خواجہ معین الدین' تاج شہریار' احمد عبدالقیوم' مصطفیٰ' مجاہد اعظم سے ملنے دارالسلام کی طرف گئے۔ دارالسلام کے پھاٹک پر پہنچے ہی تھے کہ ریاض فرشوری ملا۔ جو روتا' آنسو پونچھتا باہر نکل رہا تھا۔ اندر ہنگامہ 'گڑبڑ' بھگدڑ مچی ہوئی تھی' مجاہد اعظم نے سارے دارالسلام کو لوٹ لینے کا حکم دے دیا تھا۔ لوگ موت کے ساحل پر بھی لوٹ مار میں مشغول تھے۔ جس کے ہاتھ جو چیز آتی اٹھا اٹھا کر بھاگ رہا تھا۔ کسی کے ہاتھوں میں کرسی تھی کسی کے پاس اسٹین گن تھی' کوئی پستول لئے بھاگ رہا تھا۔ کوئی پیٹرول کے ڈبے اٹھائے لئے جا رہا تھا' کوئی چاول کا تھیلا لئے بھاگ رہا تھا۔ کسی کے سر پر آٹے کی بوری تھی۔

اور "انسانیت" بڑی فسردہ نگاہوں سے بڑی افسوس ناک نظروں سے موت کے ساحل پر لوٹ مار مچانے والے انسانوں کو دیکھ رہی تھی جو ابھی دنیا کو لوٹ رہے ہیں اور ابھی کہ ابھی موت انہیں لوٹ لے گی۔

مجاہد اعظم ایک مرتی ہوئی قوم کے سراسیمہ ہجوم میں جیسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھپ گئے تھے۔

ناچار ہم واپس ہوگئے۔ راستہ میں نظر حیدر آبادی کا گھر تھا۔ ہم نے سوچا چلو نظر کے والد محترم حضرت علی اختر صاحب قبلہ سے بھی مل لیں۔ حضرت علی اختر جو اردو شاعری کے اساتذہ میں سے ہونے کے باوجود حیدر آبادی سیاست کے بڑے اہم رکن تھے' بڑے اطمینان سے بڑی شفقت سے ہمیں دلاسا اور حوصلہ دیتے رہے۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ شام کے چار بجے میر لائق علی دکن ریڈیو سے آخری تقریر نشر کریں گے۔

ہم سب ورانڈے میں چپ چاپ بیٹھے سامنے سڑک پر سے گذرنے والے ان ٹرکوں' لاریوں اور بسوں کو دیکھتے رہے جو محاذ جنگ سے واپس آرہی تھیں جو یہاں سے سگریٹ کے پیکٹوں کی طرح بھر کر بھیجی گئی تھیں۔ اب بالکل خالی واپس آرہی تھیں۔

چار بجے ہم سب ریڈیو سیٹ کے گرد جمع ہوگئے۔ میر لائق علی تقریر فرما رہے تھے۔

"میرے عزیز حیدر آبادی باشندو!

www.taemeernews.com

آج میں نے اور میری کابینہ نے حضور اعلیٰ حضرت کے حکم پر استعفے پیش کر دیئے ہیں۔ آج کے بعد سے آپ کو یقیناً" ایک نئی اور مختلف طرز زندگی کو اختیار کرنا پڑے گا لیکن یاد رکھیں کہ آپ حیدر آبادی ہیں' حیدر آبادی روایات کو کبھی بھی اپنے کردار سے جانے نہ دیجئے گا۔ اب تک اپنے ہندو بھائیوں کے ساتھ آپ جس میل ملاپ اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے ہیں آئندہ بھی اسی طرح رہئیے۔ میرا صرف یہی پیغام ہے۔ خدا حافظ۔"

خلاف توقع ہم میں سے کسی نے بھی اس تقریر پر کوئی کمنٹ نہیں کیا' بس چپ چاپ بیٹھے رہے۔ اور اپنے آپ میں ڈوبے رہے۔

اسی دوران میں باہر سے کوئٹہ کا پٹھان افضل خان' جو علی اختر صاحب سے لے کر نظر حیدر آبادی تک سب کا بے تکلف دوست تھا' باہر سے آیا اور بولا۔

ہمارے بہادر کمانڈر صاحب نے سکندر آباد سے چار میل آگے جاکر ہندوستانی فوجوں کا استقبال کیا اور ان کے قدموں میں ہتھیار پھینک کر اپنا بیلٹ میجر جنرل جے این چودھری کے حوالے کردیا۔"

میں نے کہا: "ہاں اس نے مجاہد اعظم سے ایک بار کہا تھا کہ میں ۲۷ محاذوں پر نہیں لڑسکتا ۔ بیلٹ چھوٹا کررہا ہوں اور آج اس نے "بیلٹ" دیدیا۔ وہ بیچارہ بھی آخر کیا کرتا۔ فیلڈ مارشل منٹگمری تین محاذوں سے زیادہ پر نہ لڑسکا۔

سیکنڈ لیفٹیننٹ "تاج شہریار" وہاں آیا اور اس نے تازہ ترین سرکاری اور فوجی اطلاع ہمیں دی کہ ہندوستانی فوجیں شام تک شہر میں داخل ہوجائیں گی اور ان کے داخل ہوتے ہی اتحاد المسلمین کے لیڈروں اور رضاکاروں کی گرفتاریاں شروع ہوجائیں گی۔ اب سب کے سامنے یا تو موت تھی یا جیل کی دیواریں علی اختر صاحب نے مشورہ دیا کہ تم سب لوگ اب "زیر زمین" چلے جاؤ۔ قسمت میں جو ہونا ہے وہ تو ہوگا ہی مگر انسان کو مایوس نہیں ہونا چاہئے اپنے بچاؤ کی ہر ممکن تدبیر سوچنی چاہئے۔

نظر حیدر آبادی کو ان کے والد علی اختر صاحب نے شہر کے دور دراز کے محلے مغلپورہ

www.taemeernews.com

میں ایک دور کے عزیز کے ہاں بھجوا دیا۔ نظر جب پردے لگے ہوئے تانگے میں بیٹھ رہا تھا ہم سب گویا آخری بار خوب لپٹ لپٹ کر گلے ملے۔ میں نے جواب دیا "میں انڈر گراؤنڈ نہیں جاؤں گا مجھے موت بھی منظور ہے اور جیل خانہ بھی۔"

میں بھی ایک زنانی رکشاء میں چھپ کر گھر لوٹ گیا۔ سڑکوں پر کوئی مسلمان نظر نہیں آتا تھا۔ البتہ ہندو سلطان بازار اور گولی گوڑہ کی قیدوں اور قلعوں سے باہر نکل آئے تھے اور فضاء میں نعروں کا شور تھا ہندوستان کی "فورس آف لبریشن" حیدر آباد کے شہر میں داخل ہونے والی تھی اور حیدر آباد کے ہندو محلہ سلطان بازار کے گھنٹہ گھر سے ایک بڑا جلوس نکال کر شہر کے بڑے دروازے کی طرف جا رہے تھے۔ جلوسیوں کے پاس پھول تھے خوشی کے نعرے تھے۔ مگر جلوسی نہ صرف "جے ہند" کے نعرے لگا رہے تھے بلکہ "نظام مردہ باد" کے نعرے بھی کنگ کوٹھی مبارک کے درودیوار ہلا رہے تھے۔ حالانکہ نظام نے اپنی پیاری ہندو رعایا کو مسلمانوں کے مظالم سے بچانے کے لئے ہندوستانی افواج کو دعوت دی تھی ہندوستانی افواج جو حیدر آبادی باشندوں کے لئے جمہوریت اور "حلوہ سوہن" لا رہی تھیں جو حیدر آبادی عوام کو مطلق العنان جاگیردارانہ فسطائی نظام سے نجات دلانے اور "حضور نظام" کے محل اور خزانے کی حفاظت کرنے آ رہی تھیں۔

فوجی جمہوریت

رات کا اندھیرا بڑھ رہا تھا۔ اس وقت میرا چھوٹا بھائی یوسف باہر سے آیا اور اس نے بتایا کہ: "مجاہد اعظم نے زہر کھالیا۔"

میرا ایک اور بھائی فاروق حسین بھی باہر سے آیا اس نے اس خبر کی تردید کی اور بتایا کہ سڈنی کاٹن آیا ہوا ہے اور وہ میر لائق علی اور مجاہد اعظم قاسم رضوی کی منتیں کر رہا ہے کہ آیئے اب میرے حق نمک ادا کرنے کا وقت آگیا ہے' میں آپ دونوں کو بلا خطر پاکستان پہنچادوں گا۔

فاروق نے بتایا کہ مجاہد اعظم نے اور میر لائق علی نے سڈنی کاٹن کو جھڑک دیا اور

www.taemeernews.com

کہا: "اب ہم یہیں سارے مسلمانوں کے ساتھ مریں گے۔ ہاں جو جانا چاہتا ہے اسے لے جاؤ ہم نہیں آئیں گے۔"

فاروق حسین میڈیکل کالج میں پڑھتا ہے اس نے بتایا کہ آج بہت سے لوگ ہمارے کالج اور اسپتال سے "پوٹاشیم سائنائیڈ" لے گئے اور اپنی عورتوں کو زہر دے رہے ہیں۔ اور اس کے بعد ان کا ارادہ ہے کہ ہندوستانی فوجوں کے داخل ہوتے ہی حیدر آباد کو میدان کربلا بنا دیا جائے۔

حالانکہ حیدر آباد اور سکندر آباد کے درمیان بیچ ایک میدان کربلا عرصے سے ہے جہاں ہمیشہ کارنیوال، وہائیٹ سٹی تھیٹر اور سرکس کے تماشے لگتے ہیں۔ اور اب بھی "میدان کربلا" میں ایک تماشہ ہی ہو رہا تھا البتہ تماشے کی نوعیت ذرا مختلف تھی پہلے تماشے صرف۔ تفریح اور عیاشی کے لئے ہوتے تھے یہ تماشہ غلط سیاست کا مذاق اڑا رہا تھا۔

اسی وقت میرے پڑوسی حمید خان کی چھوٹی بچی مجھے بلانے آئی کہ ضروری کام ہے میں اس کے گھر گیا تو وہاں ایک کہرام مچا ہوا تھا۔ حمید خاں اپنی نوجوان لڑکی جمیلہ کے سامنے زہر کی شیشی اور پانی کا گلاس لئے کھڑا تھا اور وہ چیخ رہی تھی۔

"نہیں نہیں ---- میں زہر نہیں کھاؤں گی۔

ابا جی میں ابھی مرنا نہیں چاہتی"۔

مگر میرا پڑوسی حمید خان اسے بڑے دلاسے، بڑے پیار سے بھرائی ہوئی آواز میں چمکار رہا تھا۔

بیٹی --- تو مسلمان زادی ہے' تو حضرت عائشہ صدیقہ کی اولاد میں سے ہے' تو فاطمہ بنت عبداللہ کی مثال ہے ---- بیٹی اب تیری عصمت اور ہماری عزت زہر کی صرف ایک بوند میں جمع ہو کر رہ گئی ہے ہمت سے کام لے جی کڑا کر کے پی جا میری بچی بسم اللہ"

لڑکی اپنی بڑی بڑی کالی آنکھوں میں امڈے ہوئے آنسوؤں کی چلمن سے تھوڑی دیر تک کانچ کے اس گلاس کو دیکھتی رہی۔ جس سے اس کی موت یا اس کی عصمت سبز پانی

www.taemeernews.com

بن کر جھلک رہی تھی۔

لڑکی ---- سولہ سال کی بھرپور پکی پکائی جوانی مرمر سے تراشی ہوئی جوانی ---- جس کے محبوب منگیتر کی لاش عثمان آباد کے کسی کھیت کی مینڈھ پر رضاکار وردی میں پڑی سڑ رہی ہوگی۔

اور اب اس کی آنکھوں کے سامنے سبز پانی کا گلاس ہے اور اس کا باپ اس کے سنہرے بالوں پر ہاتھ پھیر پھیر کر اس سے التجا کر رہا ہے بیٹی ---- ابھی تھوڑی دیر میں ہندوستانی فوجیں شہر میں داخل ہو جائیں گی اس کے بعد ----- اس کے بعد ----

اس کا گلا بری طرح رندھ گیا۔ اور لڑکی محبت کے ماضی کے محل کے سارے پرفسوں کمرے جھانکتی اور پھر اپنے باپ کے سامنے سر جھکائے آنسوؤں کے افق سے پرے زہر آب کو تکنے لگی۔ وہ کچھ دیر تک آپ ہی آپ کچھ باتیں کرتی رہی صرف اس کے ہونٹ ہلتے رہے۔ پھر اس کے بعد اس نے اپنے سر پر سفید جگمگاتے تاروں والا سیاہ دوپٹہ اوڑھ کر اللہ کا نام لے کر وہ سبز پانی والا گلاس پی لیا اور حمید خان غم و خوشی کی وادی میں پکار اٹھا۔

"شاباش بیٹی ---- شاباش"

پھر کانچ کا گلاس ٹوٹ گیا۔ وہ کانچ کا گلاس جس کو میرے غریب پڑوسی حمید خاں نے سولہ سال سے بڑی محبت سے بڑی حفاظت سے سنبھال کر رکھا تھا۔ کانچ کے گلاس کے ٹوٹنے کی آواز معاً کئی آدمیوں کے رونے اور چیخنے کی آواز میں بدل گئی۔ حمید خاں کے گھر میں کہرام مچا ہوا تھا اور میرے گھر ریڈیو بج رہا تھا۔ وہ ریڈیو جو روزانہ بسم اللہ الرحمن سے شروع ہوتا تھا جس پر ہمیشہ "اللہ ہو ---- اللہ ہو" کے ریکارڈ بجا کرتے تھے، اب اس ریڈیو سے یہ ریکارڈ بج رہا تھا۔

رگھوپتی راگھو راجہ رام

پتی سے پاون سیتام رام

فاطمہ بار بار پوچھ رہی تھی کہ اب کیا ہوگا ---- اب کیا ہوگا ؟؟ اب ایک لمبی

www.taemeernews.com

رات آئے گی' ایک بے کراں اندھیرا پھیلے گا' ایک پرشور اندھیرا جو چیخوں اور نعروں کے شور سے متلاطم ہے' کل تک "اسی اندھیرے" میں اللہ اکبر اور شاہ عثمان زندہ باد کے نعرے گونجتے تھے۔ اب یہ "اندھیرا" ---- "جے ہند اور سردار پٹیل کی جے" کے نعروں سے گونج رہا تھا۔ اسی اندھیرے میں ریڈیو سیٹ کے قریب بیٹھا لیڈی اناؤنسر مس جہاں آرا جدی کی آواز سن رہا تھا۔ جو ہر پانچ منٹ بعد اعلان کر رہی تھی کہ ٹھیک آٹھ بجے "اعلیٰ حضرت حضور نظام" اپنی پیاری رعایا کو مخاطب کرنے کی عزت بخشیں گے۔

ٹھیک آٹھ بجے ہز اگزالٹیڈ ہائی نس سابق ہز مجسٹی' جلالتہ الملک' مظفر الملک' سلطان العلوم' فاتح دوراں' نوشیراں زماں' امیر المومنین' خلیفتہ المسلمین' یار وفادار' سرکار انگلشیہ' حکیم السیاست' اعلیٰ حضرت بندگان عالی' سلطان ابن سلطان' خاقان ابن خاقان' نواب سر میر عثمان علی خاں نظام الملک آصف جاہ سابع شہریار دکن و برار خلد اللہ ملکہ' و سلطنتہ اپنی باسٹھ سالہ بوڑھی اور مکروہ آواز میں اپنی پیاری رعایا کو مخاطب فرمانے کی عزت حاصل فرما رہے تھے۔

میری عزیز رعایا!

" پچھلے چند مہینوں میں قاسم رضوی ہٹلری ہتھکنڈوں سے میری ریاست پر قابض ہو گیا تھا اور اس نے میری عزیز ہندو رعایا پر بے انتہا مظالم ڈھا رکھے تھے۔ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو اپنی دو آنکھیں سمجھتا ہوں اس لئے میں نے ہندوستان کی فوجی امداد طلب کی قاسم رضوی میری سلطنت کو اسلامی مملکت اور جنوبی پاکستان بنانا چاہتا تھا مگر اسلامی مملکت کیسے بن سکتی تھی جبکہ یہاں تیرہ فیصد مسلمان اور ۸۶ فیصد ہندو بستے ہیں اس لئے قاسم رضوی کی ہٹلریت ختم کرنے کے لئے ......" میرے بڑے چچا نے جھلا کر ریڈیو کا سوچ آف کر دیا میرا چھ سالہ ننھا بچہ شہریار جلیس گویا شہریار دکن کی بھونڈی آواز اور سفید جھوٹ پر ہنس پڑا۔

OOO

... ہو گیا تھا' اس کی سلطنت کی وہ مسلمان عورتیں جنہوں نے چاند

www.taemeernews.com

بی بی بن کر سلطانہ رضیہ کا روپ دھار کر فاطمہ بنت عبداللہ کی جون میں آکر اپنے نوجوان بیٹوں' بھائیوں' شوہروں اور محبوبوں کے جسموں سے رضاکار وردی سجا کر جنگ کے میدانوں میں بھیجا تھا' انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنے کان بند کر لئے تھے۔ حیدر آباد کے وہ جیالے بیٹے جو عبدالرزاق لاری کا جگر' اور شیر دل ٹیپو کی تلوار لئے ہندوستانی فوج کے ٹینکوں و بابوں' بمبار طیاروں' مشین گنوں اور توپوں کے سامنے مسکراتے ہوئے بڑھ رہے تھے۔ وہ روحیں اور وہ عشق براہی جو آتش نمرود میں بے خطر کود پڑا تھا۔ اب اس مائیکروفون کے گرد چکر کاٹ رہا تھا' جہاں حضور نظام کھڑا حکومت ہند کے سرکاری کاغذ پر لکھی ہوئی ایک تقریر پڑھ رہا تھا۔

وہ رضاکار جو نہتے' صرف ذوق شہادت سے مسلح ہندوستانی وبابوں اور ٹینکوں کے پہیوں میں گھس کر ان کی زنجیریں اتار لیتے تھے' وہ رضاکار جو ہندوستانی بکتربند گاڑیوں اور جیپ کاروں کے سامنے زندہ لیٹ گئے تھے' تاکہ ہندوستان کے قدم رک جائیں اسے حیدر آباد پہنچنے میں دیر ہو' وہ رضاکار جن کی بہادر لاشیں کھیتوں میں' راستوں' میدانوں میں' پگڈنڈیوں پر بے گور و کفن پڑی ہوئی تھیں ان کی روحیں فریاد کناں تھیں کہ آزاد حیدر آباد کہاں ہے؟

اور وہ کس کی آزادی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھائے گے۔ سادہ لوح نوجوان لڑکے جن کے مضبوط جسموں اور گرم جوشیلے خون کو مذہب کی بھٹی میں دھکایا گیا تھا جن کو خدا کے نام پر مذہب کے نام پر' قرآن کے نام پر' محمد کے نام پر' طارق و ٹیپو کے نام پر' اقبال و جناح کے نام پر' جنوبی پاکستان نام پر' اور اس جادوگر کے نام پر جس نے اپنی زرتار فرغل کو اسلامی لبادے میں چھپا رکھا تھا تاکہ اس کا محل' اس کا خزانہ' اور اس کی جاگیر محفوظ رہے۔ اسی جادوگر کے نام پر جذباتی نوجوانوں کی زندگیاں چھین لی گئیں۔ وہ جب اپنے پیاروں سے دور کھیتوں اور میدانوں میں گولی کھا کر گر پڑتے تھے تو ان کے حلق سے صرف ایک نعرہ ابلتا تھا۔

شاہ عثمان زندہ باد

www.taemeernews.com

اور یہ نعرہ --- یعنی شاہ عثمان ان کی آخری سانس بھی ان کے جسم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باہر کھینچ لیتا تھا۔

ایک دو نہیں ---- چالیس ہزار لاشیں "ظل الہٰی" کے گھناؤنے سائے میں پڑی سڑ رہی تھیں اور اسی گھناؤنے سائے میں اب سارا حیدر آباد ڈوب چکا تھا۔

اور نیچے سطح زمین پر انسان مر رہا تھا۔ دہلی' مشرقی پنجاب' بہار' نواکھالی' گوالیار' پٹیالہ' ناگپور اور برار کے مسلمان پناہ گزین جو مسلمانوں کا تیری سلطنت سے ہے نشان باقی --- کا فریب کھا کر حیدر آباد آگئے تھے۔ اب پناہ گزینوں کے سرکاری کیمپوں سے بھاگ بھاگ کر شہر کے محلوں میں اور سڑکوں پر پھیل گئے تھے کیونکہ سکندر آباد میں فرقہ وارانہ فسادات ہو گئے تھے۔ اور "مہاجرین" سے حیدر آبادی ہندوؤں کو شدید نفرت تھی۔ آریہ سماجی اور سیوک سنگھی غنڈے سڑکوں پر شور مچا رہے تھے۔

ایک کا بدلہ تین تین
مارو مسلمین کاٹو مسلمین
ایک کا بدلہ تین تین

اعظم جاہی روڈ' دہلی کے مہاجر مسلمان نے جو "دہلی مسلم ہوٹل" قائم کیا تھا اب اس نے اپنا سائن بورڈ اتار کر پچھواڑے کے کنوئیں میں پھینک دیا تھا۔ دہلی بھی غائب' مسلم بھی غائب' صرف ہوٹل باقی رہ گیا تھا۔ گوالیار ہوٹل کے مالک نے رات ہی رات اپنا سائن بورڈ ہندوستانی ہوٹل کے نام سے پینٹ کرا لیا تھا۔

مگر سڑک پر سے گزرتے ہوئے دو سنگھی نوجوان کہہ رہے تھے اس سے کیا ہوتا ہے کہ ہم تو خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس ہوٹل کا نام گوالیار ہے۔ پناہ لینے آئے تھے سالے۔ اب کہاں بچ کر جائیں گے۔

مسجد اور محل

ہندوستانی فوج شہر میں داخل ہو چکی تھی۔ اور اس کی آمد کی دہشت سے عائشہ اور

فاطمہ کی ان گنت بیٹیاں کنوؤں میں کود کر اور زہر کھا کر مر گئیں تھیں اور جس کے لئے حمید خان اپنی سولہ سالہ نوجوان لڑکی کی لاش لیئے بیٹھا تھا۔ شاہ عثمان زندہ باد۔ شاہ عثمان زندہ تھا ---- مطلق العنان شاہی زندہ تھی۔ خون آشام جاگیرداری زندہ تھی اور ہزاروں حیات خاں مر رہے تھے جنہوں نے مسجد کی حفاظت کے دھوکے میں ایک مصیبت آلودہ محل کے دروازوں میں اپنی لاشیں پاٹ دی تھیں۔ مگر مسجد بھی نہ بچ سکی البتہ محل بچ گیا۔

شہر میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ ہندوستانی فوجیں "کیولری بینڈ" بجاتی شہر کی سڑکوں پر سے گزر رہی تھیں۔ مسلمانوں نے اپنے گھروں کے دروازے بند کر لئے تھے۔ روشنیاں بجھا دی تھیں۔ اور ان کے سامنے اب اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ ہندوؤں نے گھر کی ایک ایک کھڑکی کھول دی تھی طاقوں میں دیئے جلائے تھے۔ رضاکاروں کے ڈر سے جو دروازے نو مہینے سے بند تھے اب پوری طرح کھلے ہوئے تھے۔ ہندو خوشی کے جے کار لگاتے باہر نکل آئے تھے کیونکہ اب رضاکاروں کے پاپ کا گھڑا بھر چکا تھا اور ٹوٹ چکا تھا مگر ابھی ایک مرحلہ باقی تھا۔

انتقام ---! کل رضاکار غنڈوں نے ہندوؤں کو لوٹا تھا' آج ہندو غنڈے رضاکاروں کو لوٹ رہے تھے' کل رضاکاروں نے ہندو عورتوں کی عصمتیں لوٹی تھیں' آج ہندو مسلمان عورتوں کی آبرو لوٹ رہے تھے۔ کل تک ہندو کے خون سے جاگیردار کے محل کے طاقوں میں چراغ جلائے جاتے تھے آج مسلمانوں کا خون محل کے چراغوں میں بھرا جا رہا تھا۔

اور محل جوں کا توں منور تھا۔ جوں کا توں جگمگا رہا تھا۔ ہندوستانی فوج کے آتے ہی رضاکاروں کی پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی ویسے تو ہر مسلمان رضاکار تھا مگر ۱۷ ستمبر کی شام تک سارے رضاکاروں نے اپنی اپنی وردیاں جلا دی تھیں لیکن ہندو کہہ رہے تھے۔

"ابھی سانپ مرا نہیں صرف کینچلی اتار پھینکی ہے اسے پکڑلو۔" اور عبدالغفور پان سگریٹ مرچنٹ کو اس کی چھوٹی سی دوکان پر سے گرفتار کر کے بلارم کے فوجی جیل میں

www.taemeernews.com

ٹھونس دیا گیا۔ مگر ادھر رضاکاروں کے سالار اعلیٰ مسٹر بشیر احمد نے اورینٹ پریس کی معرفت مقامی اخباروں میں ہندوستانی فوجی جمہوریت کا خیرمقدم کیا اور مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اپنی پچھلی فسطائی اور اسلامی روش سے باز آجائیں اور ہندوستانی فوجی جمہوریت کا پورا پورا ہاتھ بٹائیں۔

روزنامہ "جناح" کے ایڈیٹر مسٹر اظہر حسین رضوی نے جو کل تک قاسم رضوی اور مجلس اتحاد المسلمین اور رضاکارانہ تحریک کے بڑے پرجوش حامی اور مبلغ تھے' اپنے اخبار میں ایک وضاحتی بیان شائع کیا کہ قاسم رضوی اور اس کی مجلس اور رضاکارانہ تحریک فسطائیت کی بڑی بدترین شکلیں ہیں انہوں نے حیدر آباد اور حیدر آبادی عوام کو تباہ کیا ہے۔ کل رضوی کے قصیدہ گو اظہر حسین صاحب نے آج اس راز کا انکشاف کیا کہ جب انہوں نے حیدر آباد میں اخبار جاری کرنے کا خیال ظاہر کیا تو لائق علی حکومت نے سوائے "جناح" کے اور کسی نام سے اخبار نکالنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ حالانکہ ہوم سکرٹری ڈپارٹمنٹ میں ان کی واحد درخواست ڈیکلریشن برائے اخبار بنام "جناح" فائل میں ابھی تک محفوظ تھی۔

ادھر رضاکاروں کے بڑے بڑے لیڈر اور زہریلے فرقہ پرست اخبار نویس امن اور جمہوریت کی اپیلیں شائع کر رہے تھے اور ادھر غریب مسلمان رضاکار تانگے والے' ٹیکسی ڈرائیور' خوانچے والے' ہوٹلوں کے بیرے' دفتروں کے چپراسی' تیسرے دوسرے درجے کے کلرک' درزی' حجام' فوٹوگرافر' گھریلو نوکر' اسکولوں اور کالجوں کے طالب علم' بلا رم جیل میں جوتے کھاتے' مار سہتے چکی پیس رہے تھے' نئے ملٹری گورنر کی دیواریں کھڑی کر رہے تھے۔

ہندوستانی فوجی جمہوریت کے قیام کو تین دن گزر گئے تھے لیکن لوگوں کو بڑی حیرت تھی کہ ابھی تک مجاہد اعظم کو کیوں گرفتار نہ کیا جاسکا۔ حالانکہ مجاہد اعظم دارالسلام کے برآمدے میں بیٹھے رات اور دن بس لکھتے ہی لکھتے جا رہے تھے۔ اور سگریٹیں ہی سگریٹیں پھونک رہے تھے۔ ہزاروں مسلمان انہیں دیکھتے ان کے گرد جمع ہوتے تھے مگر قاسم

www.taemeernews.com

رضوی صاحب لکھنے میں اتنے محو ہوتے تھے کہ انہوں نے گردن اٹھا کر بھی کسی کی طرف نہ دیکھا وہ کیا لکھ رہے تھے کسی کو کچھ نہ معلوم ہو سکا۔ صرف قیاس تھا کہ وہ نظام کے تعلقات اور نظام کی سازش کی مکمل روئیداد لکھ رہے ہیں۔ ایک بار لوگوں نے انہیں بہت مجبور کیا کہ آپ ہم سے بھی کچھ باتیں کریں۔ رضوی صاحب نے اپنا پر اطمینان چہرہ اٹھایا اور پوچھا: "ہم نے سنا ہے کہ آپ خودکشی کرنے والے ہیں"

رضوی صاحب نے جواب دیا: "نعوذ باللہ!" اور پھر لکھنے میں مشغول ہو گئے۔

رضوی صاحب ان تین دنوں کے دوران میں رضاکار وردی میں ملبوس اور مسلح تھے۔ وہ صرف نماز پڑھنے کے لئے اپنی جگہ سے اٹھتے تھے اور نماز کے بعد پھر لکھنے میں مشغول ہو جاتے تھے۔

دوسرے دن صبح معلوم ہوا کہ رضوی صاحب گرفتار کر لئے گئے ان کی گرفتاری کے بارے میں بڑی فنٹاسٹک کہانیاں مشہور ہو گئیں۔ میں تو گھر میں چھپا ہوا تھا۔ البتہ میرے بھائیوں سے وہ کہانیاں معلوم ہوتی تھیں۔

ایک کہانی تو یہ ہے کہ: "رات کے چار بجے ہندوستانی اور ریاستی فوج اور پولیس کے عہدہ دار رضوی صاحب کے پاس گئے رضوی صاحب سے بصد منت سماجت گرفتار ہو جانے کی درخواست کی۔ رضوی صاحب پستول سے مسلح کھڑے ہو گئے ہو گئے اور ان سے کہا: "آپ لوگ میرے ساتھ چائے پیجئے پھر میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ چائے پینے کے بعد رضوی صاحب دارالسلام سے باہر نکلے رات اور سویرے کے ملے جلے اندھیرے اجالے میں دارالسلام کی عمارت کو فوجی انداز میں سلام کیا اور اس وقت تک دارالسلام کو دیکھتے رہے جب تک ان کی آنکھوں میں آنسو نہ بھر آئے۔ اس کے بعد ہندوستانی فوج کے ایک افسر نے ان سے ان کا پستول مانگا تو رضوی صاحب نے کہا:

"لیجئے آخری رضاکار کا آخری پستول"۔

اس کے بعد یہ بھی سنا گیا کہ میجر جنرل جے این چودھری فوجی گورنر حیدر آباد نے پورے فوجی اعزاز و مرتبہ سے ان کا استقبال کیا اور ساتھ ہی ساتھ طنز بھی کیا کہ: "میں

www.taemeernews.com

تو آپ کو جنگ کے میدانوں میں دیکھتا رہا۔ مجھے آپ کو وہیں دیکھنے کی تمنا تھی مگر آپ تو وہاں سولہ سولہ سترہ سترہ سال کے نوجوان لڑکوں کو بھیجتے رہے۔ کم از کم آخری دن تو آپ کو مجھے جنگ کے میدان ہی میں ملنا چاہئے تھا۔"۔ یہ اسی قسم کی کہانیاں مشہور ہو رہی تھیں اس کے بعد پھر یہ مشہور ہوا کہ رضوی صاحب کو "لال قلعہ" بھیج دیا گیا تاکہ وہ لال قلعہ پر جھنڈا لہرائیں۔ آصفیہ یا سبز ہلالی پرچم نہیں --- بلکہ ترنگا جھنڈا۔ کوئی کچھ کہتا، کوئی کچھ سناتا مگر سرکاری خبر یہ ملی کہ مجاہد اعظم بلارم فوجی جیل کے ایک مخصوص جیل خانہ میں ہیں۔ قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہیں دن بھر چائے اور "کریون اے" کی بیشمار سگریٹیں پیتے رہتے ہیں اور انگریزوں کے اس "یار وفادار" کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں۔ جس نے امیرالمومنین اور خلیفہ المسلمین ہونے کے باوجود ہمیشہ مومنین اور مسلمین کو دھوکہ دیا۔ جس نے آج بھی مذہب کا فریب دے کر ہزاروں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا جس نے ایک ایک چاندی کے سکے کے عوض ایک ایک حیات خاں کو موت کے تاجر کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا۔

چند باغی نوجوان اس "ازلی یار وفادار"" موت کے اس پرانے تاجر سے ہزاروں حیات خانوں کی سانسیں وصول کرنے کا عزم لے کے اٹھے مگر ہتھیار --؟ ہتھیار نہیں تھے۔ ہندوستان کی فوجی جمہوریت نے حکم نافذ کر دیا تھا کہ رضاکار تین دن کے اندر اندر سارے لائسنس یافتہ اور غیرلائسنس یافتہ ہتھیار فوجی کوارٹرز فتح میدان یا قریب کے کسی تھانے میں داخل کر دیں۔

بھیانک اندھیرے میں

میں نے اخبار "پیام" اٹھایا کسی نام نہاد ترقی پسند ادیب نے فوجی جمہوریت کا استقبال کرتے ہوئے حکومت کو مشورہ دیا تھا کہ ابراہیم جلیس اینڈ کو کو گرفتار کر لیا جائے۔

چیتھڑے اخبارات "رہبر وطن" اور "اپنا دیس" فوجی گورنر کو اور غنڈوں کو

www.taemeernews.com

میرے بارے میں مطلع کرتے رہے۔

ان لوگوں نے میرے ایک محترم دوست عادل رشید ایڈیٹر "شاہد" ہفتہ وار بمبئی کو گانٹھ لیا اور "شاہد" کی وساطت سے مجھ پر اور میرے سارے خاندان پر غیر مہذبانہ' غیر شریفانہ حملے شروع کردیئے۔

اس کے برعکس میرے چند "شریف دشمن" بھی تھے۔ اختر حسن ایڈیٹر پیام' سید عالم خوند میری' سری نواس لاہوٹی' لطیف ساجد' کنول پرشاد کنول اور چندر سین جائیسوال جو وقتاً "فوقتاً" میری دلجوئی کرتے تھے مجھے ڈھارس دیتے تھے میری ہر ممکن مدد کا وعدہ کرتے تھے--- جو اتنے با اثر تھے کہ چاہتے تو مجھ سے بڑا سخت بدلہ لے سکتے تھے۔ لیکن وہ صحیح معنوں میں ترقی پسند تھے اور انہوں نے میرے ساتھ میری مصیبت میں بھی ترقی پسندانہ سلوک کیا جسے میں عمر بھر نہیں بھول سکتا۔

میں بھیانک اندھیرے میں ملفوف تھا کچھ دکھائی نہ دیتا تھا کہ کدھر جاؤں کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں۔

اندھیرا----- اور اندھیرا!

ریڈیو اسٹیشن سے ایک دوست آئے اور انہوں نے بتایا کہ ہندوستانی فوج کے چار سکھ آئے تھے انہوں نے وہاں پوچھا:

"وہ ابراہیم جلیس کہاں ہے جو ہماری چتا بنانے والا تھا۔" ایک دوست نے گپ ہانک دی۔ "وہ پاکستان بھاگ گیا۔"

یہ سن کر ایک سکھ افسر نے کہا: "اچھا---- کوئی بات نہیں' چار مہینے میں ہم پاکستان بھی "واک اوور" کرلیں گے پھر کہاں جائے گا وہ---"

جو بھی مجھ سے ملنے آیا میری آنکھوں کے سامنے میری موت یا جیل خانہ کی تصویر دکھا کر چلا جاتا اور میں بھی اندھیرے میں جیسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا کہ موت کس طرف سے آنے والی ہے۔

مجھے ایک بہت بڑی شکست اور ایک بہت بڑی ندامت نے اتنا بے چین کردیا تھا کہ

www.taemeernews.com

رات بھر میں سو نہ سکا۔ ہر لحہ مجھے یہ احساس تنگ کرتا رہا کہ میں نے انسان سے غداری کی ہے۔ میں نے مذہب کے نام پر انسانیت کی توہین کی ہے۔ مذہب ---- مذہب سے آخر میرا کیا رشتہ تھا۔ پچھلے تیرہ سال سے میں نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی۔ سورہ فاتحہ اور قل ھو اللہ احد کے سوائے مجھے ایک سورہ بھی یاد نہیں۔

ندامت سے میرا سر جھکا ہوا تھا۔ اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میں ٹیپو کا قاتل ہوں۔ اسلام کا قاتل ہوں۔ انسانیت کا قاتل ہوں' اپنے گھر کا آپ لٹیرا ہوں۔ میں نے اپنے بھائیوں کے جسموں سے ان کی زندگیاں چھین لی ہیں میں نے چار ہزار سالہ تہذیب کو تار تار کر کے رکھ دیا ہے۔ میں نے اپنے ملک اور اپنی قوم کی تاریخ کے زرین صفحات پھاڑ ڈالے ہیں۔ اور آج میں چھپنے کے لئے جگہ ڈھونڈ رہا ہوں موت کے بازاروں میں زندگی کی بھیک مانگ رہا ہوں مگر کہیں کوئی پناہ گاہ نہیں ہے کہیں کوئی سایہ حیات نہیں ہے کہیں کوئی آغوش محبت وا نہیں ہے۔

بالکل یکہ و تنہا ہوں۔ میرے ترقی پسند ساتھیوں کا قافلہ دور بہت دور نکل گیا ہے۔ ان کے قدموں کی اڑائی ہوئی گرد تک مجھے نظر نہیں آتی ایک ایک کا نام لے کر پکارتا ہوں مگر مہیب سناٹے اور گھناؤنے اندھیرے میں میری آواز مجھ ہی تک لوٹ آتی ہے۔

کسی کرشن چند کا جواب نہیں آتا۔

کوئی احمد ندیم قاسمی نہیں بولتا۔

خوش رہو اہل وطن

میں تھک کر بیٹھ گیا مگر میرا ایک دوست جو خفیہ پولیس کا انسپکٹر ہے میرے قریب آیا اور بولا یہ بیٹھنے کا وقت نہیں ہے بھاگ جاؤ کسی طرح فورا بھاگ جاؤ ابھی ساڑھے چھ بجے ہیں۔ ساڑھے نو بجے تک پولیس تمہاری گرفتاری کا وارنٹ لے کر گھر پہنچ رہی ہے۔

میرا ضعیف باپ' میرے بھائی اور میری بیوی سب کہہ رہے ہیں "ہاں ہاں ---

www.taemeernews.com

بھاگ جاؤ۔ ورنہ وہ تمہیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔ تم کہیں رہو مگر زندہ رہو۔ یہی ہماری تمنا ہے یہی ہماری دعا ہے۔"

میرے اردگرد میرے معصوم بچے مچل رہے تھے۔

"ہم بھی پاکستان جائیں گے۔ ہم بھی پاکستان جائیں گے۔"

میری چھوٹی لڑکی کہہ رہی تھی "بابا ---- تانگہ منگواؤ میں بھی تمہارے ساتھ پاکستان چلوں گی"۔ بھولی بچی پاکستان کو تانگہ نہیں جاتا۔ پاکستان کو صرف ہوائی جہاز جاتا ہے۔ پاکستان کو صرف مالدار مسلمان جاسکتے ہیں۔ تانگہ میں بیٹھنے والے مسلمانوں کے لئے پاکستان اتنی ہی دور ہے جتنی آسمانوں والی جنت۔ لیکن کیا اتنی وسیع عریض زمین پر زندہ رہنے کے لئے پاکستان کے سوائے اور کوئی خطہ زمین ہے ہی نہیں---؟

ہاں مسلمان صرف پاکستان میں اور ہندو صرف ہندوستان میں زندہ رہ سکتا ہے۔ حکمراں سامراج اور سرمایہ دارانہ قیادت نے پنجاب کی سرزمین میں اسی لئے ایک چھٹا دریا کھود دیا ہے۔ خون کے دریا کے دونوں طرف ہندوستان زندہ باد پاکستان زندہ باد۔

مگر ساڑھے چار کروڑ ابراہیم جلسوں کا نعرہ کیا ہے؟ ان کا وطن کہاں ہے؟ ان کی زندگی کدھر ہے؟ یہ سوچنے کا وقت نہیں۔ وقت نکلا جارہا ہے۔ ---- بھاگو ---- بھاگو -----

زندگی کی ایک موہوم سے امید لے کر میں نظر حیدر آبادی' خواجہ معین الدین' احمد عبدالقیوم' مصطفیٰ' محمود' عبدالماجد' اور طاہر عبدالباسط اندھیرے میں نکل پڑے۔

اپنے ضعیف باپ سے دور جو مجھے اپنے بڑھاپے کا سہارا سمجھتا تھا۔ اپنے بھائیوں سے دور جن کے ساتھ میں نے زندگی کے پچیس سال گزارے تھے۔ اپنی حاملہ بیوی سے دور جو سات مہینے بعد میرا ایک اور جسم جنم دے گی اور جسے شاید اب میں دیکھ بھی نہ سکوں۔ اپنے ننھے ننھے معصوم بچوں سے دور جنہیں پاکستان کی سیر کرانے کے لئے میں تانگہ نہ لاسکا۔

میں بھاگ رہا تھا۔ ہندوستان سے' اسلام بھاگ رہا تھا اور جامع مسجد کے مینار جھک

www.taemeernews.com

جھک کر مجھ سے پوچھ رہے تھے؟

بتاؤ---- تم نے ہمیں کیوں سربلند کیا تھا؟

تاج محل کے خوبصورت مقبرے میں ممتاز محل کی بے قرار روح پوچھ رہی تھی بولو

---- مجھے کس شاہجہاں کے سپرد کئے جارہے ہو؟

رضاکاروں کی تیس ہزار لاشیں میرے قدموں تلے چیخ رہی تھیں۔ مملکت اسلامیہ حیدر آباد کے ہم آزاد باشندوں کو آزادی بخش کر اب تم کہاں بھاگے جا رہے ہو۔

ٹھہرو---- ٹھہرو

مگر میں بھاگتا رہا۔ تیس ہزار رضاکاروں کی لاشیں الانگتا' پھلانگتا' جنہیں اسلام کے نام پر اپنی زندگی لٹانے کے لئے بہکاتا رہا۔ اور اب میں بھاگ رہا تھا کیونکہ حیدر آباد میں پٹیل ڈیموکریسی' برلا ڈیموکریسی اور چودھری ڈیموکریسی داخل ہو چکی تھی۔

بمبئی ---! بمبئی پہنچنے کی بڑی خوشی تھی مگر دل میں ڈر بھی پوری طرح سمایا ہوا تھا۔ صرف مس نگار سلطانہ (مشہور فلم اسٹار) کے گھر ہم اطمینان کی سانس لیتے تھے ورنہ سڑکوں پر ہر طرف ہر آدمی ہمیں خفیہ پولیس کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ بمبئی کے مسلمان حیدر آبادی مسلمانوں کو اپنے گھر میں پناہ دیتے ہوئے ڈرتے تھے۔ ہم میں سے بھی کوئی حیدر آباد کا نام تک زبان پر نہ لاتا تھا۔ باہر سڑکوں میں بالعموم پنجابی میں باتیں کرتا تھا۔

نظر تو وہاں رہنے کے لئے تیار ہو گئے مگر میرا دل نہیں مانتا تھا اور میں صابو صدیق سرائے کے چکر کاٹا کرتا تھا جہاں پاکستان کا ہائی کمشنر رہتا ہے۔ جہاں پاکستان جانے والے مسلمانوں کو پرمٹ ملتا ہے۔ پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے اس لئے ہندوستانی مسلمان بغیر پرمٹ کے اور بغیر اجازت نامے کے پاکستان میں داخل نہیں ہوسکتے۔ ہندوستانی مسلمان مسلمان تو ہیں مگر پاکستانی نہیں ہیں۔ اور پاکستان ایک خالص اسلامی حکومت ہے۔

مجھے بھی ایک پرمٹ چاہئے تھا۔ پرمٹ آفس صابو صدیق کی سرائے میں ہندوستانی مسلمانوں کا ہجوم ہے مگر پاکستانی ہائی کمشنر تاج محل ہوٹل کے ایک عالی شان کمرے میں

www.taemeernews.com

رہتا ہے۔ روزانہ پچاس پرمٹ جاری کرتا ہے اور بمبئی کے ہوٹلوں' چالیوں' سراؤں' اور بھٹیار خانوں میں سات ہزار ہندوستانی مسلمان دو دو تین تین مہینوں سے پڑے ہیں۔ ان کی جیبیں خالی ہوگئی ہیں وہ بھوکے مر رہے ہیں۔ بعض تو پاکستان کے عشق کو دل میں ہمیشہ کے لئے دفن کرکے واپس ہو رہے ہیں۔ جن کے دل میں پاکستان کا عشق بڑا صادق ہے وہ آدھی آدھی رات سے بھوکے پیاسے پرمٹ آفس کی کھڑکی کے ساتھ قطار باندھے کھڑے ہیں۔

مگر پرمٹ زیادہ تر "کھڑکی" سے نہیں باہر سے ملتا تھا۔ باہر پرمٹ کا بلیک مارکیٹ تھا۔ ایک ایک پرمٹ سو سو دو دو سو روپیہ میں ملتا تھا۔

اسی لئے میں قطار سے باہر نکل آیا۔ میرے ایک رئیس دوست نے جو ریاست بھاولپور کے رہنے والے تھے اور جو حیدر آباد عثمانیہ میڈیکل کالج میں پڑھتے تھے انہوں نے پانچ آدمیوں کا ایک پرمٹ بلیک مارکیٹ سے خرید لیا جو ہوائی جہاز کا تھا۔ نظر حیدر آبادی سے میں نے ڈیڑھ سو روپے قرض لئے اور ہوائی جہاز کا ٹکٹ خرید لیا۔

ارتھ انڈیا سے ایر انڈیا میں

دوسرے دن سویرے میں اپنے بھاولپوری دوست وزیر محمد خان پرسنل سکریٹری مجاہد اعظم قاسم رضوی' ایوب خاں' اور ولی محمد خاں کے ساتھ جوہو کے ایروڈروم پر تھا اور میری آنکھوں کے آگے "ایرانڈیا" کا ایک ہوائی جہاز تیار کھڑا تھا۔

اب نہ میں ہندوستان میں تھا نہ پاکستان میں اب میں ہندوستانی جمہوریت اور پاکستانی جمہوریت سے دور تھا۔۔۔ ایک اسلامی مملکت سے دوسری اسلامی مملکت میں۔۔۔ یعنی میں مملکت خداداد پاکستان کے دروازے پر ایک اجنبی بھکاری کی طرح کھڑا تھا جس کے کشکول میں صرف سات روپے کچھ آنے باقی رہ گئے تھے۔

www.taemeernews.com

شیرازۂ بہار گل تر بکھر گیا

سقوط حیدر آباد پر شعراء کے تاثرات

سقوط حیدر آباد کی داستان اردو' انگریزی اور دیگر زبانوں کی نثر میں متعدد افراد نے تحریر کی۔ ہندوستان کے فوجی حملے کی کارروائی کے ذمہ داروں نے بھی' اس حملے کے متاثرین نے بھی اور ان کے علاوہ اس سیاسی اور فوجی ڈرامے کے مرکزی کرداروں نے بھی۔ دیگر زبانوں کے بارے میں تو کہا نہیں جاسکتا۔ مگر ہماری قومی زبان اردو کے شاعروں نے جو کچھ بھی اپنے تاثرات و احساسات اور جذبات نظم کئے' وہ بہت کم منظر عام پر آیا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ایسی تخلیقات وجود میں آئی ہوں لیکن بھارتی حکومت اور اس کے کارندوں کے خوف سے یا بعد کی مصلحتوں کے باعث یہ منظر عام پر نہ آسکیں۔

سقوط سے کئی برس قبل اعلیٰ حضرت حضور نظام عثمان علی خان کی ایک مشہور غزل کا مقطع ایک لحاظ سے بڑا نزاعی بنا رہا۔ کئی شعراء نے اس پر تضمینیں بھی لکھیں۔ مقطع یہ تھا:

سلاطین سلف سب ہوگئے نذر اجل۔ عثماں
مسلمانوں کا تیری سلطنت سے ہے نشاں باقی

کہا جاتا ہے کہ افواج آصفی کے ایک برطرف سپاہی نے مصرعۂ ثانی میں یہ ترمیم کی تھی:

مسلمانوں سے تیری سلطنت کا ہے نشاں باقی

بھارتی فوجی حملے کے بعد مصرعۂ ثانی میں جو ترمیم کی گئی۔ وہ کچھ اس طرح تھی:

رکھیں گے اب نہ ہندو سلطنت کا کچھ نشاں باقی

www.taemeernews.com

ترقی پسند شاعر نیاز حیدر (۱۹۱۰ء۔ ۱۹۸۹ء) نے بھی میر عثمان علی خاں کے مذکورہ شعر پر طبع آزمائی کی تھی:

وہ کہتے تھے کہ ان کی سلطنت ہی کے تصدق میں
مسلمانوں کا ہے اس ملک میں نام و نشاں باقی
عقیدت سے ادب سے گن رہی ہے من چلی دنیا
کہ ہیں دستارشاہانہ میں کتنی دھجیاں باقی

کسی راسخ العقیدہ شاعر کا احساس اس انداز کا تھا:

سلاطین سلف سب ہوگئے نذر اجل عثماں
مسلماں تھام لیں رسی خدا کی تو رہیں باقی

نیاز حیدر کے ساتھی اور کیمونسٹ رہنما شاعر مخدوم محی الدین نے کئی انقلابی نظمیں لکھیں۔ تلنگانہ اشتراکی تحریک کے دوران انہوں نے کہا تھا:

لرز لرز کے گری سقف و بام زرداری
ہے پاش پاش نظام ہلاکو و زاری
پڑی ہے فرق مبارک پر ضرب اک کاری
حضور آصف سابع پہ ہے غشی طاری

یہ اور بات ہے کہ آج سارا عالم اسلام اور دنیائے اردو اعلیٰ حضرت کو اپنا محسن و مربی تسلیم کرتی ہے۔ جب کہ ایسے نام نہاد انقلابی ترقی پسندوں پر چہار دانگ عالم میں غشی طاری ہے۔

اردو کے معروف ادیب اور دانشور رشید احمد صدیقی نے انتخاب کلام آصف جاہ سابع' پر ایک پر مغز مقدمہ تحریر کیا تھا۔ انہوں نے میر عثمان علی خاں اور بہادر شاہ ظفر کی زندگی اور کلام میں کچھ مشابہتیں تلاش کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت نے اپنی عمر میں زمانے کے بہت سے نشیب و فراز دیکھے۔ آخری مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر اور خانوادہ آصفیہ کے آخری فرماں روا میر عثمان علی خاں آصف جاہ

www.taemeernews.com

سانحے بیشتر لحاظ سے ایک دوسرے سے بہت مماثل ہیں۔ یہ دونوں اپنی محرومی و بربادی دیکھنے کے لئے دیر تک زندہ رہے۔ ایک جلاوطنی میں دوسرا اپنی ہی بارگاہ بام و در میں۔ شاہ ظفر کی شاعری میں' دور گدایانہ کا کرب' جابجا ملتا ہے۔ ناممکن تھا کہ میر عثمان علی خاں کی شاعری میں وضع روزگار کا غم نہ ملے۔ ٹھمریاں لکھنے کا دونوں کو شوق تھا۔ اس کا ایک سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ شاہ ظفر اس طرح کے گانے تصنیف کر کے مغنیوں سے سننے کے شائق تھے۔ جب حیات اور حکومت کا آفتاب ڈوبنے کے قریب ہوتا ہے اور یاس و تنہائی اور خاموشی کے سائے اور سردی بڑھنے لگتی ہے تو اسی طرح کے غم ناک راگوں میں پناہ لینے سے تسکین ملتی ہے۔ کاش اعلیٰ حضرت کا کلام تاریخ دار مرتب کیا جاسکتا تاکہ معلوم ہو سکتا کہ سوز و غم اور درد و داغ کہاں کہاں اور کیسے آئے۔ تاہم بعض اشعار خواہ وہ کسی دور کے ہوں یا تو حقیقت حال ہیں' یا اندیشہ فردا!

سید ہاشم رضا انڈین سول سروس کے رکن اور پاکستان میں ایک اعلیٰ افسر رہے۔ انہوں نے جب سانحہ سقوط کی خبر سنی' تو یہ شعر کہے تھے:

ظلمتوں میں دکن کی ، حیدر آباد
ایک واحد چراغ تھا' نہ رہا
تھا معطر مشام جاں جس سے
ہند میں ایک باغ تھا' نہ رہا

مولوی مسعود علی محوی علیگ (۱۸۶۱ء - ۱۹۵۱ء) نے سقوط کے سانحہ پر قطعۂ تاریخ بطور تضمین لکھا تھا:

ملک دکن کی ذلت و خواری دیکھ کر
دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس سانحے کا حال سنو بھر کے ایک آہ
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

۱۹۴۸ء

www.taemeernews.com

سقوط کے بعد ایک عرصہ تک مسلمانان دکن کی زندگی اجیرن رہی۔ ان حالات کو دیکھ کر ہر شخص کا مضطرب و بے چین ہونا فطری تھا۔ کثیر تعداد میں مسلمانوں نے ہجرت کی۔ کچھ لوگوں نے بہ سلسلہ ملازمت ہندوستان کے مختلف شہروں کا رخ کیا۔ اکثر نے ہجرت کرکے پاکستان اور دیار مغرب کو اپنا مسکن بنایا۔ یہ امر فطری تھا کہ ہر جگہ ان حیدر آبادیوں کو اپنے وطن کی یاد ستاتی رہے۔ ڈاکٹر محی الدین قادری نے 'جب وہ سری نگر یونیورسٹی میں شعبۂ اردو سے منسلک ہو کر کشمیر چلے گئے' یہ اشعار لکھے تھے:

شیرازۂ بہار گل تر بکھر گیا
اب کس کو کیا بتائیں کہ زیب چمن ہے کون
کشمیر میں کوئی تو کراچی میں ہے کوئی
اے زورکس سے پوچھئے اہل دکن ہے کون

ع خ۔ م ع

www.taemeernews.com

حصہ نظم

www.taemeernews.com

آج دنیا تباہ ہوتی ہے

اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں

ستم کا دور رہا بار بار ہم پر بھی
نہ پوچھ کیسے تھے یہ روزگار ہم پر بھی
بتائیں کیا تمہیں قصے زمان ماضی کے
گزر چکے ہیں یہ لیل و نہار ہم پر بھی

○

سابق کے رنگ ڈھنگ وہ عثماں بدل گئے
منظر نئے نئے ہیں' قرینے نئے نئے

○

فلک کے جور سے سب لطف مٹ گیا عثماں
نہ مے رہی نہ وہ صحبت' نہ یار باقی ہے
اک نہ اک طرح تمہیں عمر کو اپنی عثماں
جھیل کر آفت و آلام بسر کرنا ہے
گردش انقلاب سے عثماں
آج دنیا تباہ ہوتی ہے

www.taemeernews.com

○

کان میں جو گونجتا تھا ہر گھڑی
انقلاب دہر کا افسانہ تھا

○

کس نے ملایا بادہ میں سم کچھ نہ پوچھئے
کیا کیا ہوئے ہیں ہم پہ کرم کچھ نہ پوچھئے

○

ناخدا کی نہیں حاجت کہ خدا مالک ہے
آہی پہنچا ہے سفینہ لب ساحل اپنا

○

سختیاں دہر کی سہنے کے لئے اے عثماں
دل جو آہن کا تو پتھر کا جگر کرتا ہوں

○

دل کی نہ پوچھ بات وہ دکھ پا کے رہ گیا
اک پھول تھا جو ٹوٹ کے مرجھا کے رہ گیا

○

مر مر کے جی کے ہم نے گزاری ہے ساری عمر
آفات روزگار میں یہ زندگی رہی

○

رکھتا نہیں ہے چین سے یہ آسماں مجھے
پہنچائے دیکھئے مری قسمت کہاں مجھے

www.taemeernews.com

بیکس دکن، غریب دکن، بے نوا دکن

مسعود علی محوی

کس کی نظر لگی تجھے اے خوشنما دکن
کیوں ہوگیا تو رنج میں یوں مبتلا دکن
لایا ہے کون سر پہ تیرے یہ بلا دکن
بگڑی تیری جہان میں کیسے ہوا دکن
بیکس دکن، غریب دکن، بے نوا دکن

تیرے وفاق و ربط و مروت کو کیا ہوا
مشہور خلق و مہر و محبت کو کیا ہوا
ان سب کو چھوڑ تیری حمیت کو کیا ہوا
اے راہ و رسم مہر سے ناآشنا دکن
بیکس دکن، غریب دکن، بے نوا دکن

تیری تمام دولت و ثروت کہاں گئی
صدیوں کی نیک نامی و شہرت کہاں گئی
وہ باہمی محبت و الفت کہاں گئی
بے مایہ بے محبت و بے اقرباء دکن
بیکس دکن، غریب دکن، بے نوا دکن

www.taemeernews.com

تیرے امیر صاحب نام و نشاں کہاں
تیرے فقیر پاک دل و پاک جاں کہاں
تیرے وزیر نکتہ رس و نکتہ داں کہاں
بے حامیان دانش و دیں بے صفا دکن
بیکس دکن، غریب دکن، بے نوا دکن

تھا ایک زمانہ جبکہ تیرا اعتبار تھا
عزت تھی، آبرو تھی، شرف تھا وقار تھا
قائم تھا اک نظام، دلوں کا قرار تھا
تیرے نظام و نظم کو کیا ہو گیا دکن
بیکس دکن، غریب دکن، بے نوا دکن

منجدھار میں پھنسا ہوا تیرا جہاز ہے
بدلی ہوئی ہوائے عراق و حجاز ہے
کوتاہ روز عیش شب غم دراز ہے
اے مبتلائے آفت جوروجفا دکن
بیکس دکن، غریب دکن، بے نوا دکن

اب صرف خاص ہے نہ کوئی پائیگاہ ہے
جاگیر ہے خراب، سمستان تباہ ہے
باقی نہ کوئی جنگ، نہ دولہ، نہ جاہ ہے
بے صاحبان ثروت و بے اغنیا دکن
بیکس دکن، غریب دکن، بے نوا دکن

www.taemeernews.com

جھوٹے ہیں جو یہ کہتے ہیں امن و امان ہے
امن و اماں کا نام نہ کوئی نشان ہے
محفوظ اب کسی کی نہ عزت نہ جان ہے
تیرا قدیم امن واماں کیا ہوا دکن
بیکس دکن، غریب دکن، بے نوا دکن

تیرے چمن میں آج خزاں کی بہار ہے
غنچہ فسردہ خاطر و گل دل فگار ہے
لالہ کا اس الم سے جگر داغدار ہے
بے نکہت نسیم سحر بے صبا دکن
بیکس دکن، غریب دکن، بے نوا دکن

تیرا نہ کوئی چارہ گر و چارہ ساز ہے
ہمدرد ہے کوئی نہ کوئی راستباز ہے
جس کو نیاز چاہئے وہ بے نیاز ہے
تیری مصیبتوں کی کوئی انتہا دکن
بیکس دکن، غریب دکن، بے نوا دکن

www.taemeernews.com

سرزمین دکن کا ہائے زوال

سید حسن ذوقی (۱۸۹۵ء-۱۹۶۲ء)

کیسا لکھوں پولیس ایکشن کا حال
سرزمین دکن کا ہائے زوال
زندگی شہ کی قابل عبرت
شان امراء کی لائق حسرت
کل وہ کیا تھے اور آج وہ کیا ہیں
اپنی دنیا کے اک تماشا ہیں

مال و دولت کہاں ہے ان کی آج
شان و عزت کہاں ہے ان کی آج
حیدر آباد کے بڑے امراء
کرگئے ایکشن سے پہلے قضا
لے گئے ساتھ میں وہ اپنی شان
یعنی رکھ لی خدانے ان کی شان
ایسے دورے میں وہ اگر ہوتے
اپنی عزت بری طرح کھوتے

www.taemeernews.com

لائق حسرت ان کا بیٹا ہے
قابل عزت آنا جانا ہے
گئی شاہی اور ریاست بھی
اور رعایا پہ آئی نکبت بھی

آصف سابع شاہ عثماں نام
کرے قارون جن کو جھک کر سلام
وقت کے اپنے ہیں وہ حاتم بھی
دل کا ان کو کہتے ہیں رستم بھی
کل تھے شہ آج ہیں رعایا وہ
ہیں عجب حال میں خدایا وہ

حیدر آباد ہو گیا تقسیم

(۱۹۵۶ء میں لسانی بنیادوں پر ریاستوں کی تقسیم کے موقع پر)

سید حسین ذوقی

ہے دکن اپنا آندھراپردیش
ہے وطن اپنا آندھراپردیش
ازسرنو ہوئی ہے جو تنظیم
حیدر آباد ہو گیا تقسیم

www.taemeernews.com

پنجشنبہ یکم نومبر کا
قوم میں دن ہے ایک محشر کا
غم وطن کا الم قرابت کا
قوم میں اک ستم ہے فرقت کا
ایک غم سلطنت کا شہ کو ہوا
ملک میں پولیس ایکشن ہوا

پہلا سن شاہ کے جگر کی ٹیس
یعنی انیس سو پہ سینتالیس
دوسرا قوم میں عجب سن تھا
جو کہ انیس سو پہ چھپن تھا
آندھرا نے کیا مقام دکن
مٹ گیا اب دکن سے نام دکن

اب کہاں تاج اور کہاں ہے تخت
اقتدار نظام رفت گزشت
سن فصلی کا لٹ گیا اب بخت
حیدرآباد پارہ پارہ گشت

www.taemeernews.com

ہم شہیدان وفا تھے

وحیدہ نسیم

سو گئے زیرِ زمیں وہ سرفروشاں دکن
مل گیا مٹی میں جن کا جذبۂ حب الوطن
آہ وہ نلدرگ جس کی خاک ہے ان کا کفن
کہہ رہا ہے آج بھی افسانہ دار و رسن
جب نہ کوئی بس چلا تقدیر کی بیداد پر
رہ گئے دم توڑ کر خاک ظہیر آباد پر

ہاں رضاکاران ملت ہی تھے تیرے پاسباں
نقش ہر ذرے پہ ہیں جن کے وفاؤں کے نشاں
کوئی نلگنڈے سے پوچھے ان کی خونیں داستاں
خاک سر یا پیٹھ جن کے واسطے ہے خون فشاں
رات دن رحمت کی ان پر اب برستی ہے گھٹا
اب بھی ان کی خاک سے آتی ہے رہ رہ کر صدا
اپنی لاشوں سے یہاں کے سارے میدان پٹ گئے
بے سروسامانیوں میں رن میں ہم تو ڈٹ گئے
ہم شہیدان وفا تھے راہ حق میں کٹ گئے
تف ہے ان پر جو سر میدان پیچھے ہٹ

www.taemeernews.com

جا نہیں سکتا کبھی خون شہیداں رائیگاں
رنگ لائیں گی جو ہم سے کی ہیں وہ غداریاں
جذبہ حب الوطن لے کے سوئے باطل گئے
بے سرو سامانیوں میں جانب منزل گئے

آہ دل تو سینہ کفار تک میں ہل گئے
آتشیں توپوں سے ہم ہنس کر گلے جب مل گئے
بھوک کا درماں کیا سینے پہ کھائیں گولیاں
نیند آئی سو گئے توپوں نے جب دیں لوریاں

جا کے پوچھے اب بھی دشمن کے دبابوں سے کوئی
جن کے زنجیروں میں کٹ کر ہم نے اپنی جان دی
خون فشانی اے فلک تو نے یہ دیکھی بھی کبھی
لاج رکھ لی اے دکن ہم نے تو تیرے نام کی
خون سے سینچا رضاکاروں نے تیرا گلستان
نقش ہر ذرے پر ہیں جن کے وفاؤں کے نشان

www.taemeernews.com

اک گل تازہ کی خاطر ہم سے گلشن چھٹ گیا

نظر حیدر آبادی (۱۹۱۹ء۔ ۱۹۶۳ء)

سوچتے ہیں آج شرح سوز پنہاں کیا کریں
داغ ہائے دل کو اشکوں میں نمایاں کیا کریں
جشن گل میں ذکر روداد شہیداں کیا کریں
کیا کریں چشم جہاں کو شبنم افشاں کیا کریں
کیا کہیں کیسے سخن زاروں کا دامن چھٹ گیا
اک گل تازہ کی خاطر ہم سے گلشن چھٹ گیا

یاد ہیں اب بھی تمناؤں کی سوغاتوں کے دن
وہ گھنے باغات وہ رنگیں ملاقاتوں کے دن
وادی گنگ و جمن میں چاندنی راتوں کے دن
وہ دکن نشواء پرکیف برساتوں کے دن
کیسی کیسی جنتوں کو چھوڑ کر آئے ہیں ہم
کیسے میخانوں میں ساغر توڑ کر آئے ہیں ہم

www.taemeernews.com

کس کا قبلہ ہے صنم زار دکن میرے بعد

نظر حیدر آبادی

کیسے ہیں باد صبا اہل چمن میرے بعد
میرے شمشاد، مرے سرو سمن، میرے بعد
روز ابر و شب مہتاب، میں کیا کرتے ہیں
خوش تو ہیں زمزمہ سنجان چمن میرے بعد
اب بھی کیا موجب ہنگامہ، مئے نوشی ہے
دشت و کہسار کا وہ سانولاپن میرے بعد
باعث شادی ارباب جنوں ہے کہ نہیں
قشقہ انداز جبینوں کا شکن میرے بعد
کس کے سینے کو میسر ہے اجنتا کا گداز
کس کا قبلہ ہے صنم زار دکن میرے بعد
کس کی آشفتہ سرائی سے ہے سرگرم نیاز
محمل ناز میں لیلائے سخن میرے بعد
کون ہے آج بتا تیرِ ملامت کا ہدف
مہرباں کس پہ ہیں ارباب وطن میرے بعد
جھانکتی ہے کسی بدمست کے ساغر سے کبھی
کسی کھوئے ہوئے سورج کی کرن میرے بعد!

www.taemeernews.com

نشیمن کو روئیں چمن یاد آئے

عزیز قریشی

مجھے آج پھر ہم وطن یاد آئے
دکن اور نظام دکن یاد آئے
ہوا ذکر فن' اہل فن یاد آئے
مجھے میر بزم سخن یاد آئے
عجب سادگی تھی عجب دبدبہ تھا
تری ذات کے پیرہن یاد آئے
اسی یاد کے ساتھ ایسا نہ ہو گر
مسلسل وہی انجمن یاد آئے
عزیز اپنا اب حال یہ ہو گیا ہے
نشیمن کو روئیں چمن یاد آئے